انتساب

فرزند ارجمند قاسم ذیشان
کے نام

ءءء

سلطان اولیائے زماں شیخ رکن الدینؒ

بحر علومِ گنجِ صفا معدنِ یقین

ععع

تعارف

محترم غلام حبیب سبحانی صاحب اپنے خاندان کے ہمراہ بھارت کے شہر لدھیانہ سے ہجرت کرکے قیام پاکستان کے وقت لاہور شہر میں آکر سکونت پذیر ہوئے، سبحانی صاحب کا خاندان لدھیانہ میں علم وادب کے حوالے سے بہت معروف تھا اس خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت صوفی سیف الرحمٰن صاحب سلسلہ قادریہ کے معروف وممتاز بزرگ تھے۔ سبحانی صاحب نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنی عملی زندگی کا آغاز بطور ایڈووکیٹ کیا وہ بحیثیت قانون دان ایک امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔ میرے لئے سبحانی صاحب کے بارے چند الفاظ تحریر کرنا بڑے اعزاز کی بات ہے اس کے اظہار کیلئے میرے قلب وزبان دونوں قاصر ہیں۔

ناچیز کی ان سے ملاقات ۱۹۹۰ء کی دہائی میں ہوئی جب وہ راولپنڈی میں اپنے صاحبزادے کی تعلیم کے سلسلہ میں قیام پذیر تھے۔ وہ کبھی کبھار میرے دفتر نیشنل بک فاؤنڈیشن راولپنڈی میں تشریف لاتے تو ان سے ملاقات ہوجاتی، شناسائی بڑھنے

کے بعد ملاقاتیں تواتر سے ہوتی رہیں۔ راولپنڈی میں ان کا قیام تقریباً چار سال رہا، جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو بطور ایڈووکیٹ پریکٹس چھوڑ چکے تھے اور اپنی زندگی تحقیق وتصنیف اور اسلامی مقاصد کے لئے وقف کررکھی تھی۔ راولپنڈی میں قیام کے بعد وہ لاہور منتقل ہوگئے تھے، ملاقات کم ہوگئی تھی، وہ جب کبھی اسلام آباد تشریف لاتے یا جب ناچیز لاہور جاتا تو ملاقات ہوجاتی۔ راولپنڈی میں قیام کے دوران وہ اپنی مشہور تصنیف ’’۱۰۱ علمائے کرام پاک وہند‘‘ پر کام کررہے تھے جس کی تکمیل لاہور منتقل ہونے کے بعد ہوئی۔ اس کتاب کو علمی وادبی حلقوں کی طرف سے بڑی پذیرائی ملی۔ سبحانی صاحب کا شمار اعلیٰ درجہ کے محقق اور دانشور لوگوں میں ہوتا تھا۔ سبحانی صاحب روز نامہ نوائے وقت میں بھی لکھتے رہتے تھے اس کا دورانیہ ناچیز کے علم میں نہیں ہے۔

محترم سبحانی صاحب علم وفضل اور صدق واخلاص کا ایک مقدس پیکر تھے، انہوں نے ’’۱۰۱ علمائے کرام پاک وہند‘‘ میں اولیاء اللہ کی سوانح حیات تحریر فرما کر ان کی عظمت کا پورا پورا حق ادا کردیا۔ سبحانی صاحب کی متعدد تقاریر ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر ہوتی رہی ہیں ان کی تقاریر کے موضوعات اسلامی فقہ، مفسرین قرآن، قرآن کا تصور عدل، تاریخ ساز سپہ سالار اور عظیم مسلمان سائنس دان تھے۔ ان کی تقاریر پاکستان براڈ کاسٹنگ کارپوریشن کے میگزین ’’آہنگ‘‘ میں بھی شائع ہوتی رہیں۔

سبحانی صاحب بغیر سند اور تحقیق کے بات آگے بڑھانے کے قائل نہیں تھے اسی وجہ سے وہ ممتاز حیثیت کے حامل تھے، میرے علم کے مطابق جناب سبحانی صاحب کے جو مقالات اور کتب شائع ہوئیں وہ مندرجہ ذیل ہیں ۔

- ۱۰۱ علمائے کرام پاک وہند۔
- تحقیقی مقالہ اسلام کا قانون شہادت ۔
- ’’نقوش عظمت‘‘ قائد اعظم کی صد سالہ یوم پیدائش پر شائع ہونے والی کتاب ۔

- ’’تحریک پاکستان کا تاریخی پس منظر‘‘ گورنمنٹ کالج لاہور کے میگزین راوی میں قیام پاکستان کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر چھپا ۔
- اسلام کا نظام عدل ، تحقیقی مقالہ ۔

ریڈیو پاکستان سے محترم سبحانی صاحب کا انتہائی مقبول پروگرام سلسلہ وار تقاریر ’’زندہ تابندہ‘‘ ایک عرصہ تک نشر ہوتا رہا جس میں مشاہیر اسلام کے بارے میں بے پناہ معلومات تھیں ۔ سبحانی صاحب مرحوم مؤرخہ ۲۴ نومبر ۲۰۱۳ء کو اس دار فانی سے رحلت فرماگئے رب کریم ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے۔(آمین)

آپ کی وفات کے بعد ان کی اہلیہ محترمہ سے آپ کی تصانیف کے چھپوانے کے بارے میں بات ہوئی، ان کی کتب کو چھاپنا کسی عام پبلشر کے بس کی بات نہیں رہی اس سلسلہ میں ناچیز نے عظیم ایجوکیشنل کانفرنس کے سربراہ جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد عظیم فاروقی صاحب سے رابطہ کیا تو انہوں نے موجودہ کتاب تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی حیات وتعلیمات کی طباعت پر آمادگی کا اظہار کیا جس کے لئے میں ان کا انتہائی ممنون ہوں، موجودہ کتاب کے بارے محترم سبحانی صاحب ناچیز کے ساتھ اظہار خیال فرمایاکرتے تھے۔ فاضل مصنف کی انتہاء خوش بختی ہے کہ رب ذوالجلال نے ان کو ایسی پاکیزہ اور پرنُور خدمت ادا کرنے کی اہلیت اور قابلیت عطاء فرمائی۔

رسول کریم ﷺکا فرمان مبارک ہے ’’جس نے کسی مومن کا تذکرہ لکھا گویا اس نے اسے زندہ کردیا اور جس نے کسی کا تذکرہ پڑھا گویا اس نے اس کی زیارت کی اور جس نے تذکروں کو زندہ کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی‘‘۔

ایک فرمان یہ بھی ہے کہ ’’اللہ کے ذکر سے خوشنودی حاصل ہوتی ہے رسول اللہﷺکے ذکر سے محبت نازل ہوتی ہے اور نیک بندوں کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔‘‘

مذکورہ کتاب کی تصنیف کے سلسلہ میں محترم سبحانی صاحب نے بہت ساری کتب تواریخ کا مطالعہ کیا جن کے حوالہ جات کتاب میں درج ہیں اللہکریم ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے ۔ (آمین)

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کنندایں عاشقان پاک طینت را

خلیفہ کنور طارق محمود

مورخہ ۲۶ نومبر ۲۰۲۰ء اسلام آباد

ءءء

صاحبِ وقت شیخ رکن الدینؒ
آنکہ قطب زمانہ است یقین

ءءء

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّابَعْد فَقَدْ قَالَ اللّٰہِ تَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مَنِ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخُوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَo

"خبردار ہو!بیشک جو لوگ اللہ کے دوست ہیں ان کو کسی قسم کا خوف و ہراس ہے اور نہ غم۔"

مفسر قرآن عماد الدین ابن کثیرؒ نے اپنی شہرۂ آفاق ابن کثیر میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جن کے دل ایمان و یقین سے لبریز ہوں اور ظاہر و باطن تقویٰ اور پرہیز گاری میں ڈوبا ہوا ہو۔ جتنا تقویٰ زیادہ ہوگا اتنا ہی درجہ ولایت بلند ہوگا۔ ایسے لوگ بالکل نڈر اور بے خوف ہوں گے۔ قیامت کے دن وحشت ان سے کوسوں دور ہوگی اور وہ کبھی غمگین نہ ہوں گے اور دنیا میں جو چھوٹ جائے اس پر انہیں افسوس نہیں ہوتاحضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جن کا چہرہ دیکھنے سے خدایاد آ جائے اور ان کے چہرے نورانی ہوں گے یہ نور کے منبروں پر ہوں گے سب کو ڈر اور خوف ہوگا مگر یہ بالکل بے

خوف ہوں گے۔ جب لوگ غمزدہ ہوں گے تو یہ بے غم ہوں گے۔ لاریب یہی نفوس قدسیہ اولیاء اللہ ہیں۔

یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں دین اسلام کی آفاقی پاکیزہ روشن تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کا سہرا بزرگانِ دین اور صوفیاء کرام کی کاوشوں کا مرہونِ منت ہے۔ ان بزرگانِ دین نے نامساعد حالات میں ہر دور میں گرانقدر دینی خدمات سرانجام دیں جنہیں کسی بھی طرح سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے اعلیٰ اخلاق، بلند کردار او روحانی کمالات کی بدولت غلط رسوم و توہمات اور بت پرستی کے عمیق اندھیروں میں ڈوبے انسانی معاشرہ کو جس طرح سے انہوں نے روشنی سے ہمکنار کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس معاشرتی تعمیر و تطہیر کے دوررس اثرات ان نفوس قدسیہ کی انتھک محنت اور بے مثال جدوجہد کے طفیل آج بھی جاری و ساری ہیں اور طالبان حق کے لیے خضر راہ کا کام دیتے ہیں۔ اسلام کے روحانی عالمگیر پیغام سے انسانیت کو روشناس کرانے کی اس اشاعتی، تبلیغی جدوجہد میں یوں تو برصغیر پاک و ہند میں تمام سلاسل میں کچھ ایسی چیدہ چیدہ نابغہ روزگار بے مثال برگزیدہ ہستیاں بھی تھیں جن کی پُرکشش شخصیت اور بے پناہ صلاحیتوں کے باعث اور اُن کی شبانہ روز محنت کی بدولت اشاعت اسلام کی لہر نہایت برق رفتاری سے برصغیر میں پھیلی۔ ایسی ہی بلند پایہ ہستیوں میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کے بیٹے حضرت صدر الدین عارفؒ اور پوتے حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خلفاء کا شمار ہوتا ہے ۔

سلسلہ سہروردیہ کی بنیاد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے ڈالی لیکن اسے برصغیر پاک و ہندوسعت اور منضبط کرنے کا سہرا حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے سر جاتا ہے۔ بنگال میں حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے ایک بڑی خانقاہ قائم کرنے کے علاوہ ہندوستان میں متعدد خانقاہیں قائم کیں۔ پنجاب ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریا

ملتانی نے ایک عظیم الشان خانقاہ اورر مدرسہ قائم کیا جس کا سجادہ نشین اپنے بیٹے اور خلیفہ حضرت صدر الدین عارف رحمۃ اللہ علیہ کو مقرر کیا۔ حضرت صدر الدین عارف رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ شیخ جلال الدین سرخ بخاریؒ نے "اُچ" میں سلسلہ سہروردیہ ایک مرکزی اہم خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ یوں ہندوستان میں سلسلہ سہروردیہ کے یہ دو اہم مراکز ملتان اور اُچ میں قائم ہوئے جہاں سے پورے ہندوستان میں سلسلہ سہروردیہ کی خانقاہوں کے انتظامی اُمور کو کنٹرول کیا جاتا تھا۔

زیرنظر کتاب "تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ" (حیات و تعلیمات) محترم حبیب سبحانی مرحوم (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان) کی شب و روز محنت کا شاہکار ہے۔ جس میں فاضل مصنف نے صاحب تذکرہ کے روحانی احوال و کمالات کو منفرد انداز میں قلمبند کر کے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔

حضرت شاہ رکن عالم رحمتہ اللہ علیہ کا اسم مبارک رکن الدین المعروف شاہ رکن عالمؒ ہے ابوالفتح کنیت اور فضل اللہ لقب ہے۔ اپنے ذیشان والہ حضرت شیخ صدر الدین عارف رحمتہ اللہ علیہ سے ارادت کی اور خرقۂ خلافت سلسلہ سہروردیہ میں پایا۔ آپ کی ولادت ۹ رمضان المبارک ۶۴۹ھ بمطابق ۱۲۵۱ء میں ہوئی اور ۹ جمادی الاوّل ۷۳۵ھ میں ۸۸ سال کی عمر میں واصل بحق ہوئے۔ آپ کی قبر انور اپنے والد ماجد کے پہلو میں اپنے دادا حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں میں بنی اور کچھ عرصہ کے بعد آپ کا تابوت موجودہ مقبرے میں منتقل کیا گیا۔ آپ کا مقبرہ غیاث الدین تغلق نے ۱۳۱۵ء تا ۱۳۲۲ء کے درمیان تعمیر کروایا۔ ۱۹۷۰ء میں محکمہ اوقاف نے آپ کے مقبرہ کی اچھی مرمت و تزائین و آرائش کی۔ آپ کا مقبرہ یونیسکو کے علاقائی ثقافتی ورثہ کی فہرست میں شامل ہے۔

ع

خدا رحمت کنند ایں بندگان پاک طینت را

تصوف کسی مذہب و مسلک یا مکتبِ فکر کا نام نہیں۔ یہ درحقیقت اسلام کی نورانی روحانیت ہے جس سے چند مخصوص لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس نورانی چشمۂ رحمت سے سیراب کیا ہے۔ جس نے بھی اس چشمۂ رحمت سے پانی پیا وہ بھی انہی کے رنگ میں رنگ گیا اور اس کی زندگی یکسر بدل گئی۔ مخلوق خدا کی رہنمائی اور خدمت کے ساتھ اللہ جل شانہٗ، اور اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت اس کی زندگی کا مقصد ٹھہر ا اور وہ محبین کی صف میں شامل ہوگیا۔

حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و تعلیمات کی آگاہی سے قبل تصوف کی تعریف، صوفیاء کے مختلف طبقات اور امہات کتب تصوف پر مختصر تعارف بھی نذرِ قارئین ہے۔

تصوف

تین متضاد نظریات

جب سے میں نے دو جمع دو برابر ہیں چار چار کے علم و شعورپایا ہے، لفظ’تصوف‘ پر متعددتبصرے او ر آراء سنتا آ رہا ہوں۔ اگر لوگوں کی فہرست بندی کی جائے، جو تصوف، پیری مریدی اور خانقاہی نظام پر رائے زنی کر تے ہیں، تو کم از کم تین طبقے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جن میں پہلے دو طبقے افراط و تفریط کا شکار نظر آتے ہیں اور تیسرا طبقہ اعتدال و توازن قائم کیے ہوئے محسوس ہوتاہے۔

پہلا طبقہ

یہ پہلا طبقہ مختلف نظریات و خیالات کا شکار ہے۔ مثلاً:

* اس پہلے طبقے کے لوگوں کا خیال ہے کہ تصوف و طریقت پنڈارے کھانے کا نام ہے۔
* پیری مریدی کا تعلق ہندوؤں کے جوگیانہ فلسفہ سے ہے اور ارواح پرستی کا دوسرا نام تصوف ہے۔ جُونی چکر اور آواگان کا تعلق بھی اسی سے ہے۔
* عیسائیوں کی رہبانیت اور خانقاہی چلہ کشی تصوف کی اصل بنیاد ہے۔

* تصوف تو ٹَل پہننے، منکےلٹکانے، ترکِ حیواناتِ جلالی وجمالی کرنے اور اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالنے کا نام ہے۔
* اسی طبقے میں کچھ ناقدین پیری مریدی اور خانقاہی نظام کو موروثی اور پیشہ ور سیپ یعنی نسل در نسل مجاورین، متولی پن اور خاندانی اجارہ داری اور پروہتی نظام کا نام دیتے ہیں اور دلیل کے طور پر علامہ اقبال کی مشہور، "باغی مرید" اور "پنجاب کے پیرزادوں کے نام" کے عنوان سے لکھی گئی نظموں کے اشعار بھی پڑھ کر سناتے ہیں، جس میں علامہ اقبالؒ لکھتے ہیں:

نذرانہ نہیں سود ہے پیرانِ حرم کا
ہر خرقہ سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں ہیں عقابوں کے نشیمن
ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

پھر آپ نے لکھا ہے کہ:

یہی شیخِ حرم ہے جو چُرا کے بیچ کھاتا ہے
دلق و بوذرؓ ، دلقِ اویسؓ و چادرِ زہرہؓ

* اسی گروہ کے بعض لوگ اسے منفعت بخش پیشہ، تعویذ گنڈوں کی کمائی کا ذریعہ، دم، پھونک جھاڑ کا نام اور مختلف سفلی عملیات، تسخیر کے وظائف، ہپنا ٹزم، ٹیلی

پیتھی، آئینہ بینی، کشف القبور اور کشف الصدور، دل کی بات بوجھنے اور مختلف کشف وکرامات کا نام قرار دیتے ہیں۔

دوسرا طبقہ

اس کے بالکل برعکس ایک دوسرا طبقہ بھی دیکھنے، سننے اور پڑھنے میں آیا ہے، جس کے تصوف کے بارے میں خیالات و نظریات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

* طریقت، تصوف، معرفت، سلوک اور حقیقت وغیرہ دین کی بنیاد اور روح ہیں۔ شریعت اور شریعت کے احکامات محض ایک چِھلکا ہے اور اس کا مغز علمِ تصوف ہے۔
* اس دوسرے طبقے کی اکثریت کا یہ بھی مؤقف ہے کہ پیری مرید ی اور خانقاہی نظام ہی دین کی اساس اور بنیاد ہے، جس کو اپنائے بغیر کوئی شخص حقیقی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ وہ اس کو موروثی، خاندانی اور صلبی فیض کی منتقلی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔
* اس طبقے کے بعض لوگ دل کی نماز پڑھنا اور دل کے روزے رکھنا اور دل کا حج کرنا اور ظاہری شریعت کو یکسر نظر انداز کرنا، بلکہ اس کا مذاق اڑانا تصوف کا کمال اور اصل خیال کرتے ہیں۔
* اس گروہ کے بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے بھی سناگیا ہے کہ تصوف اور طریقت خاندانی اجارہ داری ہے۔ اور پیر کا بیٹا پیر ہوتاہے، صاحبزادہ ہوتاہے اور اپنے باپ کے علمی، قلبی و روحانی اور دیگر کمالات و فیوض وبرکات کا حقیقی جانشین ہوتاہے۔ چاہے وہ جاہلِ مطلق ہو۔ قرآن، حدیث، فقہ، دینی و دنیوی علوم سے بالکل بے بہرہ ہو،پرلے درجے کا احمق، بیوقوف، طمع پرست، ہوس پرست، مرغے لڑانے والا، ریچھ نچوانے والا، کتوں کی دوڑیں لگوانے والا اور تہذیب و شرافت کی ہر صفت سے عاری ہی کیوں نہ ہو۔

* اس طبقے میں بعض تصوف کے حامی اس نظام کوسادات اور شاہوں کی حقیقی میراث سمجھتے ہیں اور ولایت کو علی پاکؓ کا پیدائشی حق سمجھتے ہوئے اسے نبوت سے افضل اور اعلیٰ و ارفع خیال کرتے ہیں۔ اور باقی تمام مسلمانوں کو اپنا غلام اور اپنے آپ کو ان کا حقیقی نجات دہندہ ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ غالباً وہ ہندوؤں کے پنڈتوں اور برہمنوں کی اجارہ داری کے حامی نظر آتے ہیں، جن کو برہما دیوتا نے اپنے سر سے پیدا کیا تھا اور باقی مخلوق پیٹ، ٹانگوں، پنڈلیوں اور پاؤں سے پیدا ہوئی ہے۔ وہ یہودیوں کے اس تصور سے بھی متاثر نظر آتے ہیں کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں اور جنت صرف ہمارے لیے بنی ہے۔ باقی ساری مخلوق ہمارے کاسہ لیس، جی حضوری اور چولی چک وپاپوش بردار سے زیادہ کچھ نہیں۔ جیساکہ قرآن نے بھی ان کی اس فکر کی عکاسی کی ہے:

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً -(البقرة: ۸۰)

ترجمہ: اور ہمیں ہر گز آگ نہیں چھوئے گی سوائے چند روز کے۔

پھر فرمایا، ان کا خیال ہے کہ:

كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْنَصٰرٰى تَهْتَدُوْاقُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا - (البقرة:۱۳۵)

ترجمہ: تم یہودی اور عیسائی ہو جاؤ ہدایت پاجاؤ گے۔ (نہیں بلکہ) ملت ابراہیم تو ہر باطل سے جدا ہے۔

* اس دوسرے طبقے کے بعض حامی ہاتھوں پر سرسوں جمانے، محیر العقول کرشمے دکھانے، تعویذ دھاگوں کے زور پر بیماریوں کا علاج کرنے، بے اولادوں کو اولاد دینے، مقدمے جتوانے، کاروبار چلوانے، الیکشن جتوانے، نوکریاں دلوانے، مریدوں کی جائزوناجائز خواہشات پوری کروانے کو حقیقی ولایت اور تصوف کا نقطہء کمال خیال کرتے ہیں۔ ان میں بعض کا یہ خیال بھی

ہے کہ جس کے ماننے والے زیادہ ہوں، جس کے مزار پر مخلوق کا ہجوم زیادہ ہو، عرس کے شرکاء زیادہ ہوں، پنڈارا اور لنگر زیادہ وسیع ہو، گنبد اور مینار زیادہ قیمتی ہو، جس کے مزار کے پاس میلہ زیادہ لگتا ہو،وہ اصل میں بڑا ولی ہوتا ہے اور باقی بس ایویں خانہ پُری ہے۔

تیسرا طبقہ

تصوف اور طریقت کے بارے میں مسلمانوں کے اندر ایک تیسرا طبقہ بھی پایا جاتا ہے۔ جن کے خیالات، نظریات، اعتقادات اور اعمال کی تفصیلات پڑھنے، سننے اور دیکھنے کے بعد ہم درج ذیل نکات کے تحت پیش کر سکتے ہیں:

* طریقت اور تصوف، علمِ احسان کا دوسرا نام ہے۔ یہ شریعت کی باطنی صورت ہے، جس کا تعلق قلب، روح اور نفس کے ساتھ ہے۔ یہ صوفی کو شریعت کے ظاہر کے ساتھ ساتھ اپنے باطن اور قلب کی تطہیر واصلاح میں مددورہنمائی دیتا ہے۔
* شریعت اصل ہے، جبکہ طریقت اس کی لونڈی اور خادمہ ہے۔ شریعت کے بغیر طریقت اور تصوف محض گمراہی، بے دینی اور الحاد ہے۔ یہ گروہ اسلام کے بنیادی ارکان کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، حقوق العباد کی ادائیگی وغیرہ کو حقیقی دین سمجھتا ہے۔ اور اسلام کے بنیادی عقاید توحید، رسالت، ملائکہ، کتب، آخرت وغیرہ کو ہر عمل کی بنیاد اور ذریعہء نجات کے تصور پر یقین رکھتاہے۔
* ان کا موقف یہ ہے کہ نبوت ہر اعتبار سے ولایت سے افضل ہے۔ فیضِ نبوت، فیضِ ولایت سے اسی طرح اعلیٰ و ارفع ہے جیسے ایک پی ایچ ڈی(PhD)محقق ہے اور دوسرامحض پہلی دوسری جماعت کا طالب علم ہے۔ یہ

طبقہ اولیاء اللہ کو علمِ قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ کا حقیقی وارث سمجھتا ہے۔ اور عالمِ باعمل ہی کو صرف ولی اللہ جانتاہے۔

* اس گروہ کا یہ بھی مؤقف ہے کہ اہل اللہ کا فیض موروثی نہیں ہوتا۔ یہ صاحبِ استعداد، تقویٰ وپرہیزگاری کے معیار پر پورا اترنے والے ہر اُس صاحبِ نسبت کو حاصل ہوجاتاہے، جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ یہ گروہ تقویٰ، صبر، شکر، توکل، قناعت، شرم وحیا، عفوودرگزر، امانت، دیانت، صداقت، شرافت، عبادت، ریاضت وغیرہ جیسے اوصاف کو صوفی کے لیے لازم ملزوم سمجھتا ہے۔
* اس طبقے میں تزکیہء نفس، تصفیہء باطن، فکرِ معاد، اخلاص، دنیا سے بے رغبتی، حسد، غصہ، لالچ، شہوت اور تکبرکے قلع قمع کا دوسرا نام تصوف، حقیقت اور معرفت وغیرہ ہے۔
* اس مکتبہء فکر میں علمِ دینیہ کی ترویج مخلوقِ خدا کی ہدایت و رہنمائی، غلبہء اسلام اور اسلامی اقتدار کے فروغ کو سر بلندی کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔

خلاصہ کلام

بندۂ ناچیز نے پوری ایمانداری اور ذمہ داری کے ساتھ انسانی معاشرے میں پھیلے ہوئے مختلف الاذہان افراد اور طبقات کے خیالات و نظریات اور اعمال واحوال کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ بالا تین طبقات کے مؤقف کی ترجمانی کرنے کی کوشش کی ہے، جس میں انیس بیس کا فرق ہو سکتا ہے یاکچھ کلمات سے کسی کو اختلاف بھی ہو سکتا ہے جس کا ہر ایک کو حق حاصل ہے۔ لیکن میرے ان تمام الفاظ، کلمات اور جملہ جات کے پیچھے ٹھوس حقائق، دلائل اور شواہد موجود ہیں جس کو

ضرورت پڑنے پر میں ثابت کرنے کا بھی پابند ہوں۔ آئیے اب تصوف کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے ہم جائزہ لیں کہ حقیقت میں تصوف کیا ہے؟ اس کی تعریف، اہمیت اورضرورت کے اہم پہلوؤں پر اختصار سے روشنی ڈالیں اور تعین کریں کہ اصل حقیقت کیاہے؟ اورکونسا طبقہ اور گروہ ہے جو قرآن وسنت کی حقیقی فکر کا حامل ہے۔

اسلامی تصوف کے آداب اور اہمیت

لفظ تصوف اور صوفی کا مفہوم

لفظ تصوف کے بارے میں صاحبانِ علم و دانش اور اہلِ لغت حضرات نے متعدد معانی و مفاہیم بیان کیے ہیں، جن کی ہلکی سی جھلک پیشِ خدمت ہے۔

۱۔ تصوف اور صوفی کا مادہ”صفا“ ہے، جس کے معنی ہیں پاک صاف کرنا۔ اس کے لیے عام طور پر تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن جیسے بھاری بھرکم الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔

۲۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ صوفی اور تصوف کا لفظ صُوف سے نکلا ہے، جس کے معنی اون یا پشمینہ کے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، کیونکہ پرانے وقتوں میں درویش صفت انسان اور دنیاوی جھمیلوں سے علیحدہ رہنے والے فقر پسند لوگ موٹا اون کا یا پشمینہ کا لباس پہنتے تھے اس لیے لفظ صُوفی دنیا سے بے رغبتی اور خدا سے شغل رکھنے والے کے لیے بولا جانے لگا۔

۳۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ صوفی کا لفظ صُفّہ سے نکلاہے۔ جس کے معنی اونچی جگہ، چبوترایا تھڑاکے ہیں۔ اور احادیث میں مسجد نبوی شریف کے ساتھ حضورﷺ کے مبارک حجرہ کے باہر ایک قطعۂ زمین جو زمین سے قدرے اونچاتھڑا نما بنایا گیا تھا اور جس میں صحابہؓ کی ایک جماعت تشریف فرما ہوتی تھی، جنھوں نے ”اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ“ (فقر میرے لیے باعثِ

فخر ہے) کے اصول پر عمل کرتے ہوئے دنیا داری کے دھندوں سے لاتعلق ہو کر اپنی جان اور صلاحیتیں تحصیل علمِ قرآن، علمِ حدیث اور حکمت و دانائی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ وہ ہر وقت حضور اکرمﷺ کی خدمت میں حاضر باش رہتے۔ جہاد اور تبلیغِ دین ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ یہ بال بچوں کی ذمہ داری سے آزاد ہو کر مکمل طور پر اللہ تعالیٰ سے لَو لگائے ہوئے تھے۔

وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً -(المزمل: ۸)

ترجمہ: اور سب سے قطع تعلق ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوجا۔

ان خوش بخت صحابہ کرامؓ میں حضرت سیدنا ابو ذر غفاریؓ، حضرت سیدنا صہیب رومیؓ، حضرت سیدنا سلیمان فارسیؓ اور حضرت سیدنا ابو ہریرہؓ قابلِ ذکر ہیں۔

اب چونکہ قرونِ اولیٰ سلف صالحین کے دور سے ہمیشہ اہل اللہ کی کچھ جماعتیں اصحابِ صُفّہ کی اسی سنت اور طریقے پر عمل پیرا رہی ہیں، لہٰذا صُفّہ پسند طرزِ زندگی اختیار کرنے والوں کے لیے اہلِ دنیا نے صوفی اور صوفیا جیسے الفاظ استعمال کرنا شروع کر دیئے۔

حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ المعروف داتا گنج بخشؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب"کشف المحجوب" شریف کے تیسرے باب "تصوف" کے عنوان کے تحت لفظ صوفی اور صفا پر قابلِ قدرتحقیق اور بحث پیش کرتے ہیں، جس کا لُبِ لباب کچھ یوں ہے۔ آپؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک جماعت صوفی کو صوفی اس لیے کہتی ہے کہ وہ کمبلی اوڑھتاہے۔ ایک اور جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بروزِ قیامت صفِ اوّل میں ہوگا۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ صوفی اُس کو کہا جاسکتا ہے کہ جو اصحابِ صُفہ کے ساتھ محبت کا تعلق رکھتا ہے۔

داتا صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اگر تو صوفی کا متلاشی ہے تو یاد رکھ کہ صوفی ہونے کی شانِ صفا تو صرف حضرت سیدنا

صدیقِ اکبرؓ میں تھی جو ظاہری اور باطنی اعتبار سے غدار دُنیا کی محبت سے خالی تھے۔ اس لیے صدیقِ اکبرؓ کی ہی وہ ہستی ہے جسے امام اہلِ طریقت اور مقتدا اہلِ تصوف کہا جائے۔ اور یہی وہ پاک باطن تھے جن کا دل اغیار سے اس قدر صاف تھا کہ صحابہ کرامؓ میں بھی آپؓ کی ہستی کا ہمسر کو ئی نہ تھا۔

صوفی کی اقسام

تصوف کی متعدد کتب کے مطالعہ سے صوفی کی تین اقسام سامنے آتی ہیں:

۱۔ صوفی ۲۔ متصوف۔ ۳۔ مستصوف

۱۔ صوفی وہ ہے جو اپنے وجود سے فانی ہو کر حق سے باقی ہو گیا۔ قیدِ مزاج و طبیعت سے آزاد ہو کر حقیقت الحقائق کے ساتھ مل گیا۔

۲۔ متصوف وہ ہے جو اس مقام کو حاصل کر نے کی آرزو میں تکلّف و مشقت اور مجاہد ہ کر رہا ہے اور صوفی بننے کا خواہش مند ہے اور صوفیائے کرامؒ کے رسم و رواج کی پیروی میں اپنی اصلاح کر تا ہے۔

۳۔ مستصوف وہ ہے جو مال و منالِ دنیاوی حاصل کرنے کی غرض سے صوفیائے کرامؒ کے اعمال و افعال و حرکات کی نقل کرتا ہے۔ وہ صوفیا جیسے اقوال کہتا پھرتا ہے، اگرچہ خود محض بے خبر ہے اور کچھ نہیں جانتا۔ چنانچہ ایسے شخص کے متعلق مشائخ کرامؒ نے لکھا ہے:

اَلْمُسْتَصَوِّفُ عِنْدَ الصُّوْفِیَۃِ کَالذُّبَابِ وَعِنْدَ غَیْرِھِمْ کَالذِّبَابِ۔

ترجمہ: مستصوف صوفیائے کرامؒ کے نزدیک ایک ذلیل مکھی ہے۔ اور عوام کے حق میں مستصوف مثل بھیڑیئے کے ہے یا بجّو کی طرح۔

کیونکہ وہ جو کچھ کرتا ہے سب بیکار ہے۔ اس لیے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اُس سے اُس کی مراد تھوڑے سے ٹکڑے کا حاصل

کرناہے۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ صوفی صاحبِ وصول ہوتاہے اور متصوف صاحبِ اصول اورمستصوف صاحبِ فضول۔

تصوف اور صوفی کی اہم خصوصیات

* حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں:

صوفی وہ ہیں جن کی روحیں کدورتِ بشریت سے مجلا ہو چکی ہوں اور تمام آفاتِ نفسانیہ سے پاک ہو کر حرص و ہوائے شہوانیہ سے خلاصی پاکر دربارِ الٰہی میں صفِ اوّل کے اندر درجۂ تقر ب پا جائیں اور ما سوا اللہ سے دور ہو چکی ہوں۔

* آپؒ کا یہ بھی فرمان ہے:

اَلصُّوْ فِیْ اَلَّذِیْ لَا یَمْلِکُ وَلَا یُمْلَکُ۔

ترجمہ: صوفی وہ ہے جو نہ کسی کا مالک ہو نہ کسی کا ملک۔

یعنی صوفی وہ ہوتا ہے جس کی قید میں کچھ نہ ہو اور وہ خود کسی کی قید میں مقیّد نہ ہو۔

* حضرت ابن الجلاؒ فرماتے ہیں:

تصوف ایسی حقیقت کا نام ہے جس کی تعریف مخلوق کے رسم ورواج سے با لا ہوتی ہے۔

* حضرت ابو بکرشبلیؒ فر ماتے ہیں۔

تصوف شرکِ طریقت ہے۔ اس لیے کہ متصوف اپنے دل کو محفوظ کرتا ہے غیر کے دیکھنے سے۔ اور صوفی کی نظر میں وجود غیر معدوم ہوتاہے۔

* حضرت محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طا لب رضی اللہ عنہم فر ما تے ہیں:

اَلتَّصوُّفِ خُلْقٌ فَمَنْ زَادَ عَلَیْکَ فِی الْخُلْقِ زَادَ عَلَیْکَ فِیْ التَّصَوُّفِ۔

ترجمہ: تصوف ایک نیک خصلت ہے جو زیادہ نیک خصلت ہے وہ اعلیٰ صوفی ہے۔

* حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

کہ تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے یعنی آٹھ پیغمبرانِ اوالعزم کی اقتدا سے صوفی، صوفی بنتا ہے۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی سخاوت

۲۔ حضرت اسحاق علیہ السّلام کی رضا
۳۔ حضرت ایوب علیہ السّلام جیسا صبر
۴۔ حضرت زکریا علیہ السّلام جیسا اشارہ
۵۔ حضرت یحییٰ علیہ السّلام جیسادورِ غربت
۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی سیر وسیاحت کہ آپؑ اپنے سفر میں اس قدر مجر د تھے کہ سوائے ایک پیالہ اور کنگھی کے ہمراہ کچھ نہ تھا کہ جب کسی شخص کو دونوں ہاتھوں سے پانی پیتے دیکھا تو پیالہ پھینک دیا اور جب ایک شخص کو بالوں میں انگلیوں سے خلال کرتے دیکھا تو کنگھی بھی ضائع کردی۔
۷۔ لباسِ صوف میں اتباع سیدنا مو سیٰ علیہ السلام ہو کہ آپ کا لباس ہمیشہ پشمینہ کا رہتا تھا۔
۸۔ فقرِ سید الانبیاء کی اقتدا کہ روئے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں عطا ہوئیں، لیکن عرض کی، "الہٰی! میں یہ نہیں چا ہتا، بلکہ میں یہ چا ہتا ہوں کہ ایک روز کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں"۔ اور یہ اصول معاملہء تصوف میں سب سے بہترین خصلت ہے۔

المختصر صو فی وہ ہے جو مکمل طور پر کدورتِ بشریہ سے پاک اور صاف ہو کر اپنے رب کی بارگاہ میں دائمی حاضری و حضوری کے مقام پر فائز ہو جائے۔

تصوف کے چند دیگر بنیادی آداب

قرآن و سنت اور اقوال وافعال و احوالِ صوفیا کے گہرے مطالعہ کے بعد جو آدابِ تصوف سے آگاہی ملتی ہے ان میں سے چند ایک کا ذکر کر نا فائدہ سے خالی نہ ہو گا۔

۱۔ آدابِ محبت کی پاسداری
* حضرت ابو حفص نیشا پوریؒ کا ارشاد ہے:

تصوف ایک ایسے مجموعہء ادب کا نام ہے جو ہر وقت اور ہر مقام اور ہر حال میں صوفی کو آدابِ محبت بجالانے پر معمور کردے۔

۲۔ تصوف رسوم و رواج کا نا م نہیں
* حضرت ابوالحسن نوری ؒ فرماتے ہیں:

لَـيْسَ الـتَّصَوُّفُ رَسُوْمًـا وَّلَا عُلُوْمًـا وَلٰـكِنَّہٗ اَخْلَاقٌ۔

ترجمہ: تصوف رسوم و علم نہیں ہے بلکہ یہ تو حُسنِ اخلاق کا نام ہے۔

یعنی اگر تصوف رسمی چیز ہوتی تو مجاہدہ و ریاضت سے حاصل ہو جاتی اور اگر یہ علم ہوتا تو محض تعلیم و تعلّم سے حاصل ہو جاتا۔ تو ثابت ہوا کہ تصوف ایک خصلتِ خاص کا نام ہے اور جب تک یہ خصلت خود اپنے اندر نہ پیدا کرے اس وقت تک وہ حاصل نہیں ہوتی۔

۳۔ تصوف پاکیزہ خصلت کا نام

* حضرت مرتعشؒ فرماتے ہیں:

التصوف حسن الخلق" یعنی تصوف نیک خصلت کو کہتے ہیں اور خصلت وہ خاص فعل ہے جو بغیر بناوٹ اور تکلّف کے صادر ہو۔

علم تصوف کیوں ضروری ہے؟

حصولِ علم کے لیے ماہر علم کی ضرورت

تجربہ اور مشاہدہ دونوں پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ہر علم کے حاصل کرنے کے لیے ایک ایسے معلّم کی ضرورت ہے جو اس علم میں مہارت اور دسترسِ کامل رکھتا ہو۔ ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ایک متعلّم جو کسی ریاضی کے دقیق مسئلہ کو حل کرنا چاہتا ہو، ایک جوہری کے پاس جائے اور اپنے دامن کو گوہر مراد سے بھر لائے یا قدرت کے کسی خرقِ عادت ظہور کی کنہ تک پہنچنے کے لیے بجائے عالم طبیعیات کے ماہر کے ایک سنار کے آگے زانوئے ادب طے کرے اور زیورِ حصولِ مدعا سے آراستہ ہو جائے۔ یا زمین کی چار ہزار سال پیشترکی حالت کو معلوم کرنے کے لیے کسی عالمِ طبیعیات کی بجائے چاند کی بوڑھی اماں جان کے آگے دستِ سوال دراز کرے تو سوائے اس پشیما نی کے یہ پیرفر توت ایک لمحہ بھر کے لیے بھی اپنے چرخہ سے نظر اٹھا کر اس کی طرف نہ دیکھے۔ جب علوم دنیوی کا یہ حال ہے تو صاف ظاہر ہے کہ روحانیات میں کمال حاصل کرنے کے لیے حواسِ ظاہری معاون

و مددگار ہونے کی بجائے الٹا ٹھوکر کا پتھر بن جاتے ہیں۔ تو ایک معلمِ حقیقی کی کتنی ضرورت ہے؟

دنیاوی علم کے ماہرین اور علمِ تصوف

مشرقی تہذیب کا مشرقی دماغوں پر ایک نہایت ہی ناگوار اثر یہ ہوا ہے کہ بعض کوتاہ اندیش طبائع دنیوی علوم کے کسی خاص شعبہ مثلاً ریاضی، فلسفہ، طبیعیات وغیرہ میں دانہ از خروارے حاصل کرکے اپنے تئیں عالم جیّد اور دانائے بے خطا تصور کرنا شروع کردیتے ہیں اور ہر بات اور ہر معاملہ میں جن کی نسبت شاید انہیں اتنا بھی علم نہ ہو جتنا گدھے کو لعل و جواہر کی قیمت اور خوبصورتی کی بابت ہوسکتا ہے، دخل دینا اور صائب رائے کا اظہار کرنا اپنا حق قطعی سمجھ لیتے ہیں۔ بدقسمتی سے علم کا یہ چھوٹا سا قطرہ جو ایسے ہضم نہ کرسکنے والے دماغوں میں اتفاقاً ٹپک پڑتا ہے، غرور اور نخوت کی حرارت پا کرسروں کو خودسری اور خود رائی کے بخارات سے بھر دیتا ہے، جس کالازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے دماغ سیلف ہیلپ(Self-help) کی آڑ میں نہ تو خود کچھ سیکھتے اور ترقی کی طرف قدم بڑھاتے ہیں اور نہ کسی معلمِ حقیقی اوررہبرِ کامل کے آگے زانوئے ادب طے کرنا پسند کرتے ہیں بلکہ الٹا اسے ایک قسم کی عار اور خلافِ شان تصور کرتے ہیں۔

لہٰذا ایسے اصحاب کے لیے جو کسی نامعلوم شعبۂ علوم میں عموماً اور تصوف جیسے مشکل علمِ مکاشفہ میں کسی رہبر کامل کی رہنمائی کو حاصل کرنا اپنے لیے عار یا کسرِ شان تصور کرتے ہیں، ہمیشہ علمِ لدنی کے معارف سے محروم رہتے ہیں۔

رہبر کیوں ضروری ہے؟

اخلاصِ نیت سے قربِ خداوندی کی دائمی لذت و حلاوت حاصل کرنے کے خواہش مند کے لیے چند قابلِ توجہ نکات عرضِ خدمت ہیں۔ تمام اولیائے کرامؒ جو اس راستہ کو طے کرکے عرفانِ الٰہی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات پر پہنچ چکے ہیں۔ اس

بات پر متفق اللسان ہیں کہ ہر مبتدی پر لازم ہے کہ سچی توبہ کرنے کے بعد، جب کہ اس کا دل اور زبان اپنے گزشتہ گناہوں سے استغفار اور آئندہ اجتناب کے اقرار میں متفق البیان ہوں، ایک ایسے مرشد کی تلاش کرے جو راستہ کے نشیب و فراز سے بخوبی آگاہ ہو۔ مقامات رنج و راحت کو اچھی طرح جانتا ہو۔ تجربہ کار صائب الرائے ہو۔ اور مرید کی اندرونی بیماریوں اور ان کے علاج معالجہ سے پورا ماہر ہو۔ اگرچہ ہر شخص کو شروع سے ہی مرشد کی ضرورت نہیں ہوا کرتی اور توبہ استغفار کا بیج صرف خداوندِتعالیٰ کے فضل و رحمت سے ہی دل کی زمین میں بویا جاسکتا ہے، لیکن جب یہ بیج ایک دفعہ بویا جاچکے اور اس کی آئندہ نشوونما کے لیے مرشدِ کامل کی نگہبانی نہایت ہی ضروری ہوتو اولیائے کرامؒ نے اس بارے میں مندرجہ ذیل دلائل اپنی تصانیف میں بیان کیے ہیں۔

۱۔لاکھوں اللہ والوں کا راستہ

جب انسان کعبہ تک کسی رہبر کی رہنمائی کے بغیر نہیں جاسکتا،حالانکہ راستہ بالکل ظاہر اور عیاں ہے اور خداوند تعالیٰ نے چلنے کو پاؤں اور دیکھنے کو آنکھیں عطا کررکھی ہیں، تو پھر یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ہم ایسے راستے پرجو ایک لاکھ کئی ہزار برگزیدہ انبیاء کا راستہ کہلاتا ہے اور جہاں ہمارے ظاہری حواس و اعضا بالکل بیکار ہوجاتے ہیں، کسی رہبر کامل کی رہنمائی کے بغیر قدم اُٹھا سکیں۔

۲۔ہلاکت سے بچاؤ کا راستہ

جس طرح دنیا وی گزرگاہوں پر ہزاروں چور اور رہزن بے معین و مددگار مسافروں کو لوٹنے کے لیے موجود ہوتے ہیں اور ایسے راستوں پر ہوشیار محافظوں کی نگہبانی کے بغیر سفر کرنا نہ صرف حماقت بلکہ جان بوجھ کر ہلاکت کی غار میں کودنا ہوتا ہے، اسی طرح باطنی راستہ پر بھی ہزاروں ڈاکو اور رہزن دنیوی ہوا وہوس اور نفسانی خواہشات کی شکل میں

منڈلارہے ہوتے ہیں۔ رہبر کی نگہبانی کے بغیر سفر کرنا نہ صرف سخت خطرناک بلکہ ابدی ہلاکت کو خود دعوت دینا ہے۔

۲۔ایمان کی سلامتی کا راستہ

اس خطرناک اور مخفی راستہ میں بے شمار مہیب غاریں اور پگڈنڈیاں ہیں، جو سب کی سب بدعتستان کی طرف جاتی ہیں اور جواُن بدنصیب حضرات کی نقشِ پا ہیں جنہوں نے کسی رہبر کامل کی رہنمائی کو ننگ و عارتصور کرکے صرف اپنے ہی دماغی قوائے کے بھروسہ پر اس خطرناک اور مخفی راستہ کو طے کرنا چاہا۔ لیکن جلد ہی اصل راستہ سے بھٹک کر ان پگڈنڈیوں پر پڑ گئے۔ اور بدعتستان کے ریگستانوں اور ہولناک بیابانوں میں سرگرداں ہو کر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر کفر والحاد کے عمیق غاروں میں ایمان کھو بیٹھے۔ بعض جو اِن بدعات سے بچ نکلے وہ نفسانیت اور ہوا و حرص کے طلاطم خیز سمندر میں ایسے غرق ہوئے کہ پھر نکلنا نصیب نہ ہوا اور دین و ایمان دونوں ہاتھ سے جاتے رہے۔

۴۔بامراد لوگ

برخلاف اس کے ان سعادتمند حضرات نے، جنہوں نے اپنے کمزور دماغی قوائے کو ناقابلِ اعتماد جان کر رہبر کامل کی رہنمائی کو اختیار کیا، اس راستہ کو بے خوف و خطر طے کرگئے اور راستہ میں ان بدقسمت حضرات کی لاشوں اور اسباب و ہلاکت کو دیکھ کر جنہوں نے اپنے تئیں مرشد کامل کی رہنمائی سے بے نیاز خیال کیا، عبرت حاصل کرتے گئے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ خطرات ہر طالبِ ہدایت کو لاحق ہوتے ہیں۔ لیکن ایک مرشد کامل اپنی مخفی ہدایات و اشارات سے اپنے مرید کو ان سب سے مامون اور مصؤن منزلِ مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

۱۔۵اعلیٰ درجات کے لیے راہنمائی

جوں جوں ایک ارادتمند میدانِ سلوک میں قدم اٹھاتا ہے اس کی روح اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی درجات پر فائز ہوتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اسے ایسا کمال حاصل ہوجاتا ہے کہ جسم عنصری کو فنا کرکے وہ

سوائے خدا کی ذات کے چاروں طرف کچھ نہیں دیکھتا۔ وہ گویا لوہے کی طرح عرفانِ الٰہی کی آگ میں خود آگ ہوجاتا ہے۔ یا یوں کہو کہ اس کا دل شیشہ کی مانند صاف ہونے کے باعث الٰہی تجلیات کو جذب کرتا اور چاروں طرف منعکس کرتا ہے۔ سوائے نورِ خدا کے اسے کچھ اور نظر نہیں آتا اور بے ساختہ "اناالحق" پکار اٹھتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر ممکن ہے کہ طالب کو منزل مقصود پر پہنچ جانے کا گمان ہوجائے کیونکہ اس کا دماغ اس حالت کے ادراک سے قاصر ہوتا ہے اور اگر اس مقام پر ایک زبردست اور کامل مرشد مددگار نہ ہو تو ڈر ہے کہ کہیں ایمان نہ کھو بیٹھے ۔

۶۔رحمانی و شیطانی مظاہرات کا فرق

طالبِ راہِ سلوک میں عجیب وغریب روحانی منظر اور عقل کو دنگ کرنے والے شیطانی، نفسانی اور رحمانی مظاہرات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ لیکن شیطانی اور رحمانی مظاہرات کے درمیان تمیز کرنے میں اس کی عقل قاصر ہوتی ہے اور اگر اس مقام پر اسے ایک کامل مرشد کی، جواُن عجائبات سے بخوبی واقف ہو، دستگیری نصیب نہ ہوتو آگے ترقی کا راستہ مسدود ہوجاتا ہے۔

حاصلِ کلام

جب خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے کسی انسان کی چشمِ بصیرت کھل کر نیکی اور بدی میں تمیز کرنے لگ جائے اورنیکیوں میں تعجیل اور بدیوں سے احتراز کرنے کا عزم مصمم کرلے لیکن سابقہ طغیان و سرکشی کے باعث اس کا دل اور نفس اس کے ضبط و انضباط سے ایسے آوارہ ہوگئے ہوں کہ اصلاح اختیاری ایک امرِ موہوم نظر آئے تو اسے لازم ہے کہ کسی مرشد کامل کی راہنمائی میں صراط مستقیم پر چلنے کا عزم بالجزم کرے۔ مرشد اسے اپنے سایہء عاطفت میں لے کر اس کے دل اور نفس پر دوبارہ قبضہ کرنے میں نہایت ہی بیش قیمت مدد دے گا۔ تمام عیوب سے آہستہ آہستہ اس کا دامن پاک کردے گا اور بُری صحبتوں سے اسے بچائے رکھے گا۔ ایک کامل استاد یعنی مرشد کی راہنمائی میں طالب گھنٹہ بھر میں وہ کچھ کر دکھلاتا ہے جو اکیلا ایک سال میں بھی نہیں کرسکتا۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ علمِ تصوف دین کے بنیادی اجزاء میں سے ایک ہے، جو بندہ کے ظاہر کو شریعت کے ظاہر سے آراستہ کرتا ہے اور باطن کو شریعت کے باطن سے پیراستہ کرتا ہے۔ وہ جسم کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے اور قلب کے ساتھ دیدارِ خداوندی سے فائز المرام ہوتا ہے۔ وہ روزہ، حج، زکوٰۃ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے ساتھ اخلاص وایثار، صبروشکر، توکل،عشقِ الہٰی، عشقِ مصطفی ﷺ، امانت، دیانت، صداقت، شرافت وغیرہ جیسے لازوال اخلاقی اور رُوحانی اقدار کی چلتی پھرتی تصویر بن جاتاہے۔

سلاسلِ طریقت کا مختصر تعارف و تعلیمات

راویانِ حدیث کی طرح راویانِ ذکر و اخلاص کو سلاسلِ طریقت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جس کی اصل و نقل مرفوع حدیث کی طرح پیشوائے عالمین اور رحمۃ للعالمین ﷺکی ذاتِ بابرکت سے اتصال و تعلق رکھتی ہے۔ عرب و عجم میں جن سلاسلِ طریقت نے شہرتِ دوام حاصل کی ان میں سلسلۂ نقشبندیہ، سلسلۂ قادریہ، سلسلۂ چشتیہ اور سلسلۂ سہروردیہ کے نام شامل ہیں۔ آئیے اب باری باری ان کا مختصر تعارف حاصل کریں۔

سلسلہ نقشبندیہ

سب سے پہلے دیکھئے کہ نسبتِ نقشبندیہ کیا ہے؟ تو سادہ سے الفاظ میں یوں سمجھیں کہ یہ ایک پاکیزہ صفت، صاحب ورع و تقویٰ، امام الطریقہ، غوث الخلیقہ، ولی کامل اور بندۂ مومن کے ساتھ قلبی، روحی، عشقی اور ظاہری و باطنی نسبت کا نام ہے۔ آئیے اس مردِ توحید، عالمِ ربانی اور غوثِ صمدانی کا مختصر تعارف حاصل کریں تاکہ آپؒ کے بلند پایہ مرتبہ کے ساتھ ساتھ آپؒ کے صاحب نسبت خوش نصیب پیروکاروں کا بھی تعارف ہوسکے۔

حضرت شاہ نقشبند η

ماسیم گرامی حمد بن البخاری، بہاؤ الدین کنیت اور شاہِ نقشبند لقب ہے۔

ولادت باسعادت

۴/محرم الحرام ۷۱۸ہجری قصرِ عارفاں (قصر ہندواں) میں ہوئی، جو بخارا (سمرقند) سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔

ابتدائی حالات

آپ کی ولادت باسعادت سے پہلے حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ نے آپ کی ولادت کی بشارت سنائی اور آپؒ کے علمی اور روحانی کمالات کی بھی خبر دی۔ آپؒ کی ولادت کے تیسرے روز خواجہ صاحب نے آپؒ کو اپنی فرزندی میں قبول فرمالیا اور اپنے خلیفہ خاص حضرت خواجہ سیدنا میر کلالؒ کے سپرد فرمایا تاکہ تعلیم و تربیت کے مراحل طے کروائیں۔ آپؒ کو باطنی طور پر حضرت خواجہ خواجگان عبدالخالق غجدوانیؒ سے خاص قلبی و روحانی نسبت حاصل تھی۔

آپؒ کا شجرہ طریقت

خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ، حضرت سیدنا میر کلالؒ، حضرت محمد بابا سماسیؒ، حضرت علی عزیزان علی رامتنیؒ، حضرت خواجہ محمود فغنویؒ، حضرت محمد عارف ریوگریؒ، حضرت خواجہ عبدالخالق عجدوانیؒ، حضرت خواجہ یوسف ہمدانویؒ، حضرت بو علی فارمدیؒ، حضرت ابوالحسن خرقانیؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت امام جعفر صادقؒ، حضرت امام قاسمؒ، حضرت سلمان فارسیؒ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

وصال و مزار

آپؒ دو شنبہ (سوموار) ۳/ربیع الاوّل ۷۹۱ھ میں ۷۳برس کی عمر میں اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔ آپؒ کا مزار شریف قصرِ عارفاں (بخارا شریف) میں ہے۔

خدماتِ اسلام

حضرت شاہِ نقشبندبخاری اویسیؒ اسلام کے وہ بطلِ جلیل ہیں جنہوں نے دینِ اسلام کی روشنی اور خوشبو چہار دانگ عالم میں پھیلانے کا حق ادا کردیا۔ آپؒ کے نفوس قدسیہ کی برکت سے تاریک دلوں میں اللہ کے ذکر کااجالاہوا۔ عشقِ الٰہی کے نور سے جہالت و گمراہی کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو

رُشد و ہدایت کی منزل ملی۔ آپؒ کے جملہ ارشاداتِ عالیہ میں سے چند ایک نذرِ قارئین ہیں:

۱۔ مجھے تیس برس ہوچکے ہیں کہ جو کچھ میں اپنی زبان سے کہتا ہوں میرا لجپال مولیٰ اس کو پورا فرما دیتا ہے۔

۲۔ مجھے اور میرے مریدوں کو اللہ تعالیٰ نے ذکرِ خفی کے ذریعے اپنے قرب و محبت کا خصوصی راستہ عطا فرمایا ہے۔

۳۔ میرے سلسلہء طریقت میں باقی اہل اللہ کی انتہا کو ابتداء میں درج کردیا گیا ہے۔

۴۔ میرے طریقہء عشق ووفا پر چلنے والا اور قائم رہنے والا جس قبر میں جائے گا اللہ تعالیٰ چاروں طرف پچاس پچاس قبروالوں کی بھی بخشش فرمادے گا۔

۵۔ میرا طریق صحابہ کرامؓ کا طریقہ ہے جو صحبتِ شیخ، محبتِ شیخ اور خدمتِ شیخ کے ذریعے تکمیل کی منازل طے کرواتا ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ جو کوئی میرے سلسلہء طریقت میں بلاواسطہ یا بالواسطہ داخل ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے نوازے گا۔ (بشرطِ استقامت و استواری)

۷۔ میرے سلسلہء بیعت میں چلّوں اور ریاضتوں کی بجائے التزامِ سنت کو ہر کامیابی کی سیڑھی بنایا گیا ہے۔ نیز میرے طریقے میں مرید کو جذبہ پہلے دیا جاتا ہے اور سلوک کی منازل بعد میں طے کروائی جاتی ہیں۔

نسبتِ نقشبندیہ کے دیگر نام

نسبتِ نقشبندیہ اصل میں اللہ والوں کے ساتھ قلبی، روحانی اور عقیدت و محبت کے ربط و تعلق کا نام ہے۔ جس کی ابتدا آقائے دوجہاں نورِ مجسم، شفیع معظم، رحمت عالمین، آقائے آدم و بنی آدم جنابِ محمد رسول اللہ ﷺکے یارِ غار، یارِ مزار، یارِ سفر و حضر، یارِ صلح و جنگ یعنی حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ سے

ہوتی ہے۔ تو گویا نسبتِ نقشبندیہ اصل میں نسبتِ صدیقی ہے کیونکہ آپؓ کے سینہ بے کینہ میں جو فیضِ نبوت کے سمندر آقائے دوجہاں نے ڈالے تھے، وہی چشمے آپؓ کے چاہنے والوں کے سینوں سے اُبل رہے ہیں۔

قارئینِ کرام! سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ قرآنِ حکیم کی متعدد آیات آپؓ کی صداقت کی گواہ ہیں۔ آقائے عرب و عجم کی سینکڑوں احادیث سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کی صداقت اور رفعت کا پتہ دیتی ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺنے اپنی حیاتِ طیبہ میں آپؓ کو تمام صحابہؓ کا امیرِ حج بنا کر بھیجا۔ آپؓ کی اقتداء میں حضور نبی کریم ﷺکی موجودگی میں صحابہؓ نے کئی نمازیں ادا کیں۔ آپؓ کی جانی، مالی، بدنی خدمات ضرب المثل ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ

ے

پروانے کو چراغ تو بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولﷺ بس

رحمۃ للعالمینﷺ کے سینہء الم نشرح میں اللہ رب العالمین نے فیض کے جتنے خزانے انڈیلے تھے وہ سارے کے سارے خزانے مرشد برحق نے اپنے مرید برحق کے سینے میں ڈال دئیے کہ یہی سینہ اس قابل تھا جو اتنی بڑی امانت کو سنبھال سکتا۔ جملہ صحابہ کرامؓ نے بھی آقا ئے دوجہاںﷺ کے پردہ فرمانے پر جناب صدیقِ اکبرؓ کے دست حق پرست پر بیعت کرلی۔

حضور نبی کریمﷺنے فرمایا تھا:

مَا صَبَّ اللهُ فِيْ صَدْرِيْ شَيْءً ا اِلَّا وَقَدْ صَبَبْتُهٗ فِيْ صَدْرِ اَبِيْ بَكْرٍ

(الاسرار المرفوعہ، ص۲۴۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جو نور میرے سینہ میں بہایا تھا وہ میں نے ابوبکر صدیقؓ کے سینے میں بہا دیا ہے۔

پھر حضورﷺ نے فرمایا:

اِرْحَمُ اُمَّتِيْ بِاُمَّتِيْ اَبُوْبَكْرٍ -(الحدیث)

ترجمہ: میری اُمت میں رحیم ترین اُمت کے ساتھ ابوبکر صدیقؓ ہیں۔

۱۔ نسبتِ نقشبندیہ حضرت سیّدنا صدیقِ اکبرؓ سے لے کر حضرت خواجہ خواجگان خواجہ بایزید بسطامیؒ تک نسبتِ صدیقیہ اور سلسلہء صدیقیہ کے نام سے جانی جاتی تھی۔ بعض کتب میں اس کو صوفیاء ملامتیہ کے نام سے بھی بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ حضرت سیّدنا خواجہ بایزید بسطامیؒ سے لے کر خواجہ خواجگان حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی تک اسے سلسلہء طیفوریہ بھی کہا جاتارہا۔

۳۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ سے لے کر امام الطریقہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری اویسیؒ المعروف شاہِ نقشبند تک اس سلسلہ کو سلسلہ خواجگان کہا جاتا رہا۔

۴۔ حضرت شاہِ نقشبند بخاریؒ سے امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ تک اسے سلسلہء نقشبندیہ کے نام سے پکارا گیا۔

۵۔ امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی نسبت اور شخصیت سامنے ہونے سے اب اسے نقشبندیہ مجددیہ کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

۶۔ حضرت خواجہ علاؤ الدین عطارؒ کی نسبت سے بعض اوقات اسے سلسلۂ نقشبندیہ علائیہ اور حضرت خواجہ عبیدا للہ احرارؒکی مناسبت سے سلسلہ نقشبندیہ احراریہ کا نام بھی دیا گیا۔

۷۔ امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی کی نسبت خاصہ کے علاوہ اب اس نسبت اور سلسلہ کے پیروکاروں نے اپنے مشائخ کی مناسبت سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ توکلیہ، نقشبندیہ مجددیہ نوریہ، نقشبندیہ امینیہ، نقشبندیہ مجددیہ عظیمیہ کے نام بھی دئیے ہیں۔

سلسلہ قادریہ

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی η

سلسلہ قادریہ حضرت محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی، غوث الاعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ (متوفی ۵۶۱ھ) سے منسوب ہے۔

آپ کی ولادت

حضرت عبدالقادرجیلانؒی حسنی حسینی سادات میں سے ہیں۔ والدہ کی طرف سے آپؒ حسینی ہیں۔ آپ یکم رمضان المبارک ۴۷۰ھ (بمطابق ۱۰۷۸) کو بمقام "گیلان"(جیلان) میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔

ابتدائی حالات

ابتدائی تعلیم اپنے شہر کے مکتب سے پائی اوراٹھارہ برس کی عمر میں تحصیلِ علم کے لیے بغداد پہنچے۔ آپؒ نے بے شمار شیوخ و اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ آپؒ نے عام علوم کے علاوہ علمِ قرأت، علمِ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، لغت، ادب، نحو، صرف، عروض مناظرہ اور تاریخ انسان وغیرہ میں مہارتِ تامہ حاصل کی۔

بیعت اور خرقہ خلافت

آپؒ نے حضرت قاضی شیخ ابو سعید مبارک مخرمیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور خرقہء خلافت حاصل کیا۔ خرقہ عطا کرتے ہوئے مرشد نے فرمایا:

"اے عبدالقادر!یہ وہ خرقہ ہے جورسول اللہ سے بتوسط حضرت امیرؓ و خواجہ حسن بصریؒ دست بدست مجھ تک پہنچا ہے"۔

آپؒ نے جمیع سلاسلِ صدیقیہ، فاروقیہ، عثمانیہ، علویہ حسنیہ جدید، علویہ حسینیہ، علومیہ حبییہ میں بھی خلافت پائی۔

آپ کی کتب

آپؒ نے شریعت و طریقت کے موضوعات پر کئی کتابیں تصنیف کیں، جن کے نام یوں ہیں:

۱۔ غنیۃ الطالبین ۲۔ فتوح الغیب ۳۔ فتح الربانی والفیض الرحمانی

۴۔ مکتوباتِ غوثیہ ۵۔ الہاماتِ غوثیہ ۶۔ دیوان محی الدین

۷۔ قصیدہ حمیرہ ۸۔ قصیدہ قطبیہ ۹۔ اسبوع شریف
۱۰۔ دعائے فتح البصائر ۱۱۔ قصیدہ روحیہ ۱۲۔ درود کبریت احمر
۱۳۔ چہل کاف ۱۴۔ جلاء الخواطر فی الباطن والظاہر
۱۵۔ یوافقیت الحکم ۱۶۔ درود اکسیر اعظم ۱۷۔ اسمائے سبعہ معہ توجہات
۱۸۔ قصیدہ طالبیہ

سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ

۱۔ سید جمال اللہ الملقب بہ حیات المیرزندہ پیرؒ

یہ حضرت غوثِ اعظمؒ کے پوتے اور تاج الدین عبدالرزاقؒ کے صاحبزادے ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت غوثِ اعظم کی دعا سے آپؒ نے عمرِ دائمی پائی۔ اگرچہ ان کی سکونت دریا سمرقند میں ہوتی ہے، رجال الغیب کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اور تاحال زندہ موجود ہیں۔ ان کے سلسلہء فقر میں سے سیدنا شاہ شریف عریضی خوارزمی قادریؒ پنجاب (سیالکوٹ) میں گزرے ہیں۔ پنجاب کے مشہور درویش حضرت بہلول دریائی بھی حیات المیرؒ (زندہ پیر) کے مرید تھے۔

۲۔ حضرت سید عون قطب شاہ علوی عباسی بغدادیؒ

حضرت غوثِ اعظمؒ نے انہیں تبلیغِ اسلام کے لیے ہندوستان کی طرف بھیجا تھا۔ ان کے وجود سے صدہالوگ حلقہء اسلام میں داخل ہوئے۔ آخر بغداد واپس چلے گئے۔

۳۔ حضرت سخی سرور سلطان سعید احمد قادریؒ

آپؒ کے والد عرب سے وارد پنجاب ہوئے۔ آپؒ نے کرسی کوٹ (ملتان) سے جاکر حضرت غوثِ اعظمؒ سے خرقہ ارادت و خلافت حاصل کیا۔ آپؒ بمقام سوہدرہ دریائے چناب کے کنارے

چند سال تک عبادات کرتے رہے۔ پھر دھونکل متصل وزیر آباد (ضلع گوجرانوالہ) میں چندے قیام کیا۔ ۵۷۷ھ میں شہید ہوئے۔ مزار بمقام نگاہہ ضلع ڈیرہ غازی خان میں ہے۔ آپؒ کے مریدین سروری قادری کہلاتے ہیں۔

سلسلہ چشتیہ

حضرت خواجہ ابو اسحاق شرف الدینη

سلسلہ چشتیہ حضرت خواجہ ابواسحاق شرف الدین شامی چشتیؒ (متوفی ۳۲۹ ھ)سے منسوب ہے۔

آپ کا شجرۂ طریقت

خواجہ ابواسحاق شرف الدین شامی چشتیؒ (متوفی ۹۲۳ھ)، خواجہ کریم الدین علو دینوری حذیفہ المرعشیؒ (متوفی ۶۷۲ھ)، سلطان ابواسحاق ابراہیم ادھم بلخیؒ (متوفی ۱۶۲ھ)، ابو الفیض فضیل بن عیاضؒ (متوفی ۷۸۱ھ)، خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ، حضرت حسن بصریؒ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ

۱۔حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

آپ کا پورا نام معین الدین حسن سنجری چشتیؒ ہے۔ آپؒ سیدغیاث الدینؒ کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپؒ حضرت امام حسن عسکریؒ کی اولاد سے ہیں۔ آپؒ دیارِ سجستان کے قصبہ سنجر میں ۱۱۴۳ھ میں پیدا ہوئے۔ مؤرخین نے آپؒ کا سنِ ولادت ۵۳۰ھ سے ۵۳۷ھ درج کیا ہے۔

آپؒ کا شجرۂ طریقت

حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ (متوفی ۶۳۳ھ)، خواجہ ابوالنور عثمان ہارونیؒ (متوفی ۶۱۷ھ)، خواجہ نیر الدین حاجی شریف زندنیؒ(متوفی ۶۱۲ھ)، خواجہ قطب الدین مودو چشتیؒ (متوفی ۵۲۷ھ)، خواجہ ناصر الدین ابو یوسف بن محمد سمعان شاقلانی چشتیؒ(متوفی ۴۵۹ھ)، خواجہ ناصح الدین ابو محمد

چشتیؒ(متوفی ۴۱۱ھ)، خواجہ ابو احمد ابدال بن فرسناد چشتیؒ(متوفی ۳۵۵ھ)، خواجہ شرف الدین ابو اسحاق شامی چشتیؒ (متوفی ۳۲۹ھ)۔

آپؒ کے ملفوظات

آپؒ کی تعلیمات "ملفوظات" کی صورت میں مرتّب کی گئی ہیں۔ ایک کتاب "دلیل العارفین" میں آپ کی بارہ صحبتوں کے ملفوظات درج کیے گئے ہیں۔ اس میں مختلف دینی مسائل اور صوفیانہ رُموز بیان کیے گئے ہیں۔

۲۔خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

آپ کا نام "بختیار" اور لقب"قطب الدین" ہے۔ عرفِ عام میں "خواجہ کاکی" کہلاتے تھے۔ آپؒ حضرت امام تقیؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ والد کا نام سیدنا موسیٰ ہے۔ آپؒ اوش کے رہنے والے تھے۔ آپؒ نے بغداد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے دستِ حق پر بیعت کی۔ آپؒ اپنے مرشد کے ساتھ برصغیر میں وارِ د ہوئے اوردہلی میں مقیم رہے۔

آپؒ کے ملفوظات

آپؒ کے ملفوضات کا مجموعہ حضرت فریدالدین شکرگنجؒ نے مرتّب کیا جس میں سات مجالس کے ملفوضات درج ہیں۔

۳۔حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرη

آپؒ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپؒ کا اسمِ گرامی "مسعود" اور لقب "فریدالدین" تھا۔ آپؒ ملتان کے ایک قصبہ "کوٹھے وال" میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کا دورِ حیات ۵۶۹ھ سے ۶۶۴ھ تک پھیلا ہوا ہے (یاد رہے کہ آپ کی سن پیدائش و سن وفات کے بارے میں اختلافات ہیں)۔ آپؒکے والد ماجد کا نام جمال الدین سلیمانؒ ہے۔ آپؒ حضرت عمر بن الخطاب ص کی اولاد میں سے ہیں۔

آپؒ کے ملفوظات

آپؒ کے ملفوضات کے دو مجموعے ملتے ہیں۔ اوّل، "راحت القلوب" جسے حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے مرتّب کیا، اور دوم، "اسرارالاولیاء" جسے حضرت بدر اسحاقؒ نے مرتّب کیا۔

۴۔حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءη

آپ کا اسمِ گرامی"محمد" تھا۔ "محبوبِ الٰہی"، "سلطان المشائخ" اور"نظام الدین اولیاء" آپؒ کے القابات ہیں۔ حضرت امام نقیؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپؒ کے والد کا نام سیّد احمدؒ تھا۔ آپؒ کا خاندان بخارا سے ہجرت کرکے لاہور آیا اور پھر بدایوں میں جاکر مقیم ہوگیا۔ آپؒ ۶۳۴ھ میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے دستِ حق پر بیعت کی۔

آپؒ کے ملفوظات

آپؒ کے ملفوضات کا مجموعہ "فوائد الفواد" کے نام سے مشہور ہے، جسے حضرت خواجہ امیر حسن سنجریؒ نے مرتّب کیا۔ علاوہ ازیں آپؒ کے مرید امیر خسرو نے بھی آپؒ کے ملفوضات "افضل الفوائد"اور "راحت القلوب"کے نام سے مرتّب کیے ہیں۔

طریقتِ چشتیہ

سلسلہء چشتیہ کی سب سے بڑی شناخت اس کی "سماع" سے رغبت ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں چشتیہ سلسلہ کے جتنے بھی صوفیاء گزرے ہیں ان سب کو سماع سے رغبت تھی۔ مثلاً حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپؒ سماع کے دوران بے ہوش ہوجاتے تھے۔ دلیل العارفین میں مرقوم ہے کہ حضرت معین الدین چشتیؒ کی محفل سماع میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ محمد کرمانی، شیخ محمد صفا بانیؒ، شیخ برہان الدین چشتیؒ، مولانا بہاؤ الدین بخاریؒ، مولانا محمد بغدادیؒ، خواجہ اجل سجزیؒ، شیخ سیف الدین باخرزیؒ، شیخ احمد بن محمد اصفہانیؒ اور شیخ اوحد الدینؒ وغیرہ شریک رہتے تھے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مرید حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپؒ کا انتقال سماع ہی کی بدولت ہوا۔ حضرت بختیار کاکیؒ کے مرید حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ بھی سماع سے نہایت شغف رکھتے تھے اور اکثر دورانِ سماع آپؒ پر حالتِ سکر طاری ہوجاتی تھی۔ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے مرید حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒکو بھی سماع سے نہایت رغبت تھی۔ الغرض موجودہ دور میں صوفیائے چشتیہ کے ہاں سماع کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے

اور صوفیاء کے عرسوں کے موقع پر محفلِ سماع کا خصوصی انتظام کیا جاتا ہے۔

چشتی صوفیاء میں جذب و مستی اور سکر کا عنصر دوسرے سلسلوں کی نسبت زیادہ پایا جاتاہے۔

چشتی صوفیاء نے اپنی زندگی عسرت و افلاس میں بسر کیں لیکن موجودہ دور کے چشتیوں کی یہ حالت نہیں ہے۔

سلسلہ سہروردیہ

۱۔حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیبη

سلسلہ سہروردیہ شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبدالقاہر سہرورد یؒ(متوفی ۵۶۳ھ) سے منسوب ہے۔

آپؒ کاشجرۂ طریقت

شیخ ضیاء الدین ابوالخبیب عبدالقاہر سہروردیؒ، شیخ ابو الفتوح شہاب الدین احمد بن محمد غزالی طوسیؒ (متوفی ۵۱۷ھ)، شیخ ابوبکر بن عبداللہ نساج طوسیؒ (متوفی ۴۸۷ھ)، ابوالقاسم علی گرگانیؒ (متوفی ۳۴۶ھ)، شیخ ابو عثمان سعید بن سلام مغربیؒ(متوفی ۳۷۳ھ)، شیخ ابوعلی کاتب مصریؒ (متوفی ۳۴۶ھ)، شیخ ابوعلی احمد بن محمد ابوالقاسم بن منصور رود باریؒ۔

سلسلہ سہروردیہ خانوادۂ جنیدیہ سے نکلا ہے۔ حضرت ضیاء الدین عبدالقاہر سہروردیؒ کے مرید حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ (متوفی ۲۳۶ھ) کا شمار سہروردیہ کے جلیل القدر شیوخ میں ہوتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں سلسلۂ سہروردیہ کی ترویج واشاعت حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانؒی کی ذاتِ بابرکات سے ہوئی۔ آپؒ حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے مرید تھے۔

۲۔حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی سہروردیؒ

حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ کے جدِ امجد حضرت کمال الدین شاہ قریشیؒ مکہ معظمہ سے خوارزم آئے اور وہاں سے آکر ملتان میں سکونت اختیار فرمائی۔ یہاں ان کے فرزند وجیہ الدین محمدؒ تولد ہوئے جو حضرت زکریا ملتانیؒ کے والد ماجد تھے۔ حضرت زکریا ملتانؒی کا ا دورِ حیات ۵۶۶ھ تا ۶۶۱ھ ہے۔ آپؒ نے تحصیلِ

علوم کی غرض سے خراسان، بخارا، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بیت المقدس اور بغداد وغیرہ کا سفر کیا۔ بغداد میں آپؒ نے حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوکر خرقہ خلافت حاصل کیا اور پھر اپنے آبائی وطن ملتان آگئے۔

طریقتِ سہروردیہ

سہروردیوں میں تزکیہء نفس پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ تصفیہء قلب کی خاطر مریدین کو مختلف منازلِ سلوک سے گزارا جاتا ہے اورذکرِ الٰہی پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ آدابِ ذکر کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔ آدابِ ذکر کے ضمن میں ضروری ہے کہ محفلِ ذکر میں شامل ہونے سے پہلے بندہ باوُضو ہواور اس کا لباس سنت کے مطابق ہو۔ محفلِ ذکر میں شمولیت سے پہلے شیخ کے دستِ حق پر تائب ہونا ضروری ہے۔ مقامِ ذکر پاک و صاف، چھوٹا اور تاریک منتخب کیا جاتا ہے کیونکہ ایسے مکان میں دلجمعی اور یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ بوقت ذکر خوشبودار چیزیں پاس رکھنے میں مضائقہ نہیں۔ دورانِ ذکر قبلہ کی طرف رخ کرکے بیٹھنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ ذکر کرتے وقت ہاتھ رانوں پر رکھ کر آنکھیں موند لی جاتی ہیں، ذکرخفی بھی ہوتا ہے اور جہری بھی۔

سہروردیہ مسلک میں شریعت کی موبرابر خلاف ورزی بھی گناہِ عظیم ہے۔ اس مسلک کی وضاحت کے لیے حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی کتاب"عوارف المعارف" کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ یہ کتاب سہروردیوں کا مصحف طریقت ہے۔

سہروردیہ میں سماع کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی۔ بعض روایات سے اگر چہ ثابت ہے کہ حضرت زکریا ملتانیؒ کے سامنے محفلِ سماع کا بندوبست ہوا لیکن آپؒ نے اس میں رغبت ظاہر نہیں کی۔ مریدین کو سماع سے منع کردیا گیا تھا۔ حضرت مولانا فخر الدین عراقیؒ کو، جو حضرت زکریا ملتانیؒ کے داماد اورخلیفہ تھے، محض اس بناء پر خانقاہ سے نکلنا پڑا تھا کہ جب ان پر جذب و سکر کی حالت طاری ہوتی تھی تو وہ اپنے جذبات و احساسات

کا اظہار اشعار کی صورت میں کرنے لگتے تھے۔ سلسلۂ سہروردیہ آج تک جاری ہے اور اس میں سلسلۂ چشتیہ کی طرح محفلِ سماع کا انتظام نہیں کیا جاتا تمام سہروردی آج بھی سماع کو ممنوع تصور کرتے ہیں۔

پاکستان میں آج بھی یہ مسلک جاری و ساری ہے۔ حضرت بہاؤ الدین زکریاملتانیؒ کے قریباً تیس سجادہ نشین (یکے بعد دیگرے) ہوچکے ہیں۔ مخدوم محمد سجاد حسین قریشی سابق وزیراعلیٰ پنجاب آپ کے تیسویں گدی نشین تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں سلسلۂ سہروردیہ میں سے بے شمار صوفیائے کرام نے اپنے اپنے وقتوں میں سہروردیہ طریق کی ترویج و اشاعت میں حصہ لیا ہے۔

علمِ تصوف کی چند معرکۃ الآراء کتب کا تعارفی خاکہ

تصوف پر مستقل فن کی حیثیت سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے اس موضوع پر دوسری صدی ہجری میں کتابیں لکھی جانے لگیں تھیں۔ چنانچہ عبداللہ بن مبارکؒ کی کتاب "کتاب الزہد" کو تصوف کی پہلی کتاب تسلیم کیا جاسکتا ہے، جس میں ان احادیث کو جمع کیا گیا ہے جن میں زہد کی ترغیب دی گئی ہے۔ دوسری صدی ہجری ہی میں شیخ یحییٰ بن معاذرازیؒ نے "کتاب المریدین" اور شیخ عمر بن محمد بن عبدالحکیم المعروف ابو حفصؒ نے "قیام اللیل والتہجد" کے نام سے کتابیں لکھیں۔

علمِ تصوف کی چند مشہور کتب

۱۔ مکتوباتِ امامِ ربانی — شیخ احمد سرہندیؒ (مجدد الف ثانیؒ)
۲۔ کشف المحجوب — شیخ علی ہجویریؒ (داتا گنج بخشؒ)
۳۔ فتوح الغیب — شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
۴۔ احیاء العلوم — حجۃ الاسلام امام غزالیؒ
۵۔ عوارف المعارف — شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

۶۔ رسالۃ القشیریہ امام ابوالقاسم قشیریؒ
۷۔ فوائد الفواد مرتّبہ خواجہ امیرحسن سجزیؒ
۸۔ حالۃ اھل الحقیقہ شیخ العرب والعجم حضرت سیّد احمد رفاعیؒ

مکتوباتِ امامِ ربانی

یہ کتاب حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ان مکتوبات کا مجموعہ ہے جو آپؒ مختلف شیوخ، مریدین اور دوستوں کے نام لکھتے رہے۔ آپؒ کا اسمِ مبارک احمد، لقب بدر الدین، کنیت ابُوالبرکات عرف امامِ ربانی اور منصب مجددالف ثانیؒ ہے۔ آپؒ حنفی المذہب ہیں۔ سلسلۂ نقشبندیہ سے منسلک ہونے کے علاوہ متعدد سلاسلِ فقرا سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ سلسلہ ''مجددیہ''آپؒ سے منسوب ہے جو سلسلۂ نقشبندیہ کی تجدید ہے۔ آپؒ کا شجرۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ آپؒ کا دورِ حیات ۹۷۱ھ تا ۱۰۳۴ھ ہے۔

تعارفِ کتاب

مکتوباتِ امامِ ربانی فارسی زبان میں تین جلدوں پر مشتمل ہیں۔ موجودہ دور میں اس کتاب کے متعدد اُردو تراجم دستیاب ہیں، بعض ناشرین نے یہ مکتوب تین جلدوں میں اور بعض نے دو جلدوں میں شائع کیے ہیں، ہر جلد کو ایک ''دفتر'' قرار دیاگیا ہے۔

۱۔دفتر اوّل

اس میں ۳۱۳مکتوبات شامل ہیں اور یہ ''دارالمعرفت'' سے موسوم ہے۔ اس دفتر کے مرتّب حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مرید خاص خواجہ یار محمد بدخشیؒ ہیں جو حضرت مجددؒ کے بہت سے مکتوبات کے مکتوب الیہ بھی ہیں۔

دفتر ہذا کے ابتدائی مکتوبات آپؒ نے اپنے مرشد حضرت باقی باللہؒ کے نام تحریر کیے ہیں جن میں دورانِ ریاضت و مجاہدات طاری ہونے والی کیفیات جذبہ، سلوک اور دیگر احوال کا اظہار کیا گیا ہے۔ زیادہ تر مکتوبات مریدین کے نام ہیں جن میں تصوف کے مختلف مسائل کی تعلیم و ہدایت دی گئی ہے۔ یہ دفتر ۱۶۱۶ء سے کچھ پہلے مرتّب ہوا۔

۲۔دفتر دوم

اس میں ۹۹ مکتوبات شامل ہیں۔ اس دفتر کے مؤلف و مرتّب خواجہ عبدالحئیؒ ہیں۔ دفتر دوم کا تاریخی نام "نور الخلائق" ہے۔ ابتدائی مکتوبات میں وحدت الوجود کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا مرتبہ وجود و جوب کے اعتبار سے برتر ہے۔ اس کے بعد ولایتِ صغریٰ و کبریٰ، کمالاتِ نبوت اور تجلی افعال کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ بعض مکتوبات میں استفسارات کے جوابات دئیے گئے ہیں اور بعض مکتوبات سالکانِ طریقت کی رہنمائی کے لیے ہیں۔ بعض مکتوبات سرکاری عہدیداروں، خطیبوں اور قاضیوں کے نام ہیں۔ الغرض تمام مکتوبات کا موضوع طریقت و تصوف اور اسلام ہے۔ یہ دفتر ۱۶۱۹ء میں مرتّب ہوا۔

۳۔دفتر سوم

اس دفتر میں ۱۲۴ مکتوبات ہیں۔ یہ دفتر "معرفت الحقائق" سے موسوم ہے۔ اس دفتر کے مرتّب آپ کے مرید اِن خاص میر محمد نعمانؒ اور خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ ہیں۔ یہ دفتر ۱۶۲۲ء میں مرتّب ہوا۔ اس دفتر کے اکثر مکتوبات قلعہ گوالیار کے محبس سے تحریر کیے گئے ہیں۔

موضوعاتِ مکتوبات

حضرت مجددؒ نے اپنے مکتوبات میں تصوف کے مندرجہ ذیل موضوعات قلم بند کیے ہیں جن میں سکر، صحو، قبض، بسط، عروج، نزول، فنا، بقا، مراقبہ، مشاہدہ، تجلی، اسرار، جذب، سلوک، جمال، جلال، تلوین، تمکین، مرید، مراد، ذات و صفات حق تعالیٰ، مقامِ عبدیت، رفعِ شوق، سیر الیٰ اللہ، اتباعِ شریعت، اتباعِ سنت، رسالت و خلافت، عقاید، اعمال، مباحثِ طریقت، مباحثِ تصوف، تفرقہ، عدمِ تفرقہ، حقیقتِ ممکنات، ذکر اللسان، ذکرِ قلب، قطب، قطب الاقطاب، ولایتِ صغریٰ، ولایتِ کبریٰ، احکامِ شرعیہ، سماع وجد، عقاید، فضائلِ انبیاء وغیرہ شامل ہیں۔

اندازِ تحریر

ان مکتوبات کی زبان فارسی ہے۔ مکتوبات بڑے دلنشین انداز اور دلکش اُسلوب میں تحریر کیے گئے۔ جن مکتوبات میں علمی اور دینی مضامین ہیں ان میں مصلحانہ رنگ ہے۔ جہاں پندو موعظت ہے وہاں عبارت بڑی سلیس اور عام فہم ہے۔ بعض مکتوبات میں ضمناً نجی معاملات بھی آگئے ہیں۔ کتاب میں ہر مکتوب شروع ہونے سے پہلے مکتوب الیہ کا نام بھی درج کردیا گیا ہے۔ مرتّبین نے ہر مکتوب سے پہلے مکتوب الیہ کے نام کے ساتھ مکتوب کا خلاصہ بھی درج کردیا ہے۔

تبصرہ

مکتوباتِ امامِ ربانی تصوف کے بلند اور اعلیٰ موضوع پر ایک جامع اور مبسوط کتاب ہے۔ اس میں تصوف و طریقت کے تمام اہم ترین مسائل کو زیرِبحث لایا گیا ہے۔ اکبری عہد میں اکبر کے جاری کردہ دینِ الٰہی سے کچھ لوگ گمراہ ہوچکے تھے۔ دربار میں بادشاہ کو سجدہ کرنے کی رسم پڑچکی تھی۔ حضرت مجددؒ نے ان کفر و شرک اور بدعات کے خلاف آواز بلند کی۔ انہوں نے تصوف میں غیر اسلامی عقاید و نظریات کو داخل ہونے سے روکنے کی بھرپور جدوجہد کی۔ آپؒ کے دور میں صوفیاء کے دلوں میں وحدت الوجود کا نظریہ سرایت کرچکا تھا۔ آپؒ نے اس نظریہ کو براہین و دلائل سے غلط ثابت کیا اور اس کے مقابل میں نظریہ وحدت الشہود پیش کیا۔ لوگ اعتدال سے گزر کر افراط کی طرف قدم بڑھا رہے تھے، آپؒ نے لوگوں کا رُخ شریعت کی طرف موڑ دیا۔ آپؒ نے اپنے مکتوبات میں اس امر کی بڑی خوبی اور دل نشینی کے ساتھ وضاحت فرمائی ہے کہ شریعت کی پیروی اورسنتِ رسولﷺ کے بغیر منازلِ تقرب، حصولِ مشاہدہ اور کمالِ مراقبہ تک پہنچنا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ آپؒ نے ان مجاہدوں کو قابلِ مذمت قرار دیاجو شریعتِ مطہرہ سے ہٹ کر اسی راہ میں اربابِ خانقاہ میں راسخ ہوچکے تھے۔

کشف المحجوب

"کشف المحجوب" حضرت علی بن عثمان علی الغزنوی الجلالی لاہوریؒ (متوفی ۴۶۵ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ فارسی زبان میں تصوف کی قدیم ترین (نثری) کتاب ہے جس کے بے شمار اُردو تراجم چھپ چکے ہیں۔ حضرت علی ہجویریؒ نے "کشف المحجوب" سے پہلے بھی کئی کتابیں لکھیں، جن کا تذکرہ نکلسن نے مندرجہ ذیل ناموں کے ساتھ کیا ہے:

۱۔ وجدان (شاعری) ۲۔ منہاج الدین (مناقب اہلِ صفہ)
۳۔ الفناء والبقاء ۴۔ اسرار الخرق والمودنات
۵۔ کتاب البیان الاہل العیان ۶۔ بحر القلوب
۷۔ الرعایتہ الحقوق اللہ

مندرجہ بالا کتابیں ناپید ہیں۔ ان میں سے کچھ کتابیں مصنف کی زندگی ہی میں چوری ہوگئی تھیں۔

کتاب کا تعارف

مختصر حمد و نعت کے بعد مصنف اپنی تصنیف کے چوری ہوجانے کا ذکر کرنے کے بعد "استخارہ" کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ استخارہ سے مراد شیطان سے پناہ مانگنا ہے اوراستعانت سے مراد اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنا ہے۔ رسول اللہﷺ جس طرح صحابہؓ کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے اسی طرح استخارہ کی تعلیم سے بھی نوازا کرتے تھے۔ اس لیے ضروری ہے کہ بندہ تمام حالات میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے۔

سببِ تالیف

ایک شخص ابوسعید ہجویریؒ نے آپؒ سے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات طلب کیے:

۱۔ تصوف و طریقت کی حقیقت ۲۔ مقاماتِ تصوف
۳۔ تصوف کے مذاہب اور ان کے مقامات ۴۔ رُموز واشاراتِ تصوف
۵۔ عقولِ انسانی کے حجاب کا سبب ۶۔ دلوں پر اللہ تعالیٰ کی محبت کی کیفیت کا اظہار

۷۔ وہ نفوس جو حقیقتِ الٰہی سے متنفر ہیں ان کے تنفر کا سبب محبتِ الٰہی کی پاکیزگی سے روح کا آرام اور دیگر متعلقات حضرت داتا صاحبؒ نے یہ کتاب (کشف المحجوب) انہی سوالات کے جواب میں تصنیف کی ہے۔

تبصرہ

"کشف المحجوب" کے مصنف (حضرت داتا گنج بخشؒ) ایک بلند پایہ صوفی اور عالمِ باعمل ہیں۔ ان سے پہلے حضرت ابوالقاسم قشیریؒ تصوف پر اپنی مشہور کتاب "رسالہ قشیریہ" لکھ چکے تھے۔ قرآئن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ نے اپنی کتاب میں قشیری کے رسالہ کا تتبع کیا ہے۔ رسالۃ قشیریہ اور کشف المحجوب دونوں کے طرز تصنیف میں یہ فرق ہے کہ امام قشیری نے زیادہ تر متقدمین کے اقوال و حکایات کے نقل کردینے پر اکتفا کی ہے، برخلاف اس کے حضرت علی ہجویریؒ نے ایک محققانہ اور مجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات و مکاشفات اورواردات و مجاہدات وغیرہ قلمبند کیے ہیں۔ امام قشیریؒ اقوال درج کرتے ہوئے روایتِ حدیث کی طرح اس کی اسناد بھی نقل کرتے ہیں لیکن داتا صاحبؒ براہِ راست صاحبِ قول کا تذکرہ کرتے ہیں۔

"کشف المحجوب"برصغیر پاک و ہند میں علمِ تصوف پر پہلی کتاب ہے جسے فارسی زبان میں تصوف کی پہلی کتاب ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ اس کتاب میں تصوف کو شریعت کے احاطہ تک محدود رکھا گیا ہے اور غیر اسلامی نظریات کو تصوف کا حصہ نہیں بننے دیا۔ بالفاظِ دیگر اس کتاب میں شریعت کے باطنی پہلوؤں ہی کو ملحوظ رکھا گیا ہے یہی اسلامی تصوف ہے۔ سالکانِ طریقت کی رہنمائی کے لیے"کشف المحجوب" ایک بہترین کتاب ہے۔

فتوح الغیب

”فتوح الغیب“ کے مصنف کا نام حضرت سید ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ (متوفی ۵۶۱ھ) ہے۔ ”سلسلۂ قادریہ“ آپ ہی کے نام سے منسوب ہے۔

آپؒ کا نام عبدالقادر اور کنیت ابو محمد ہے۔ محی الدین، محبوبِ سبحانی، غوث الثقلین اور غوث الاعظم آپؒ کے القابات ہیں۔ آپؒ حضرت سید ابوالصالحؒ کے گھر ۴۷۰ہجری میں بمقام گیلان (جیلان) پیدا ہوئے۔ آپؒ والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی سادات میں سے ہیں۔۱۸ سال کی عمر میں تحصیلِ علم کی خاطر بغداد گئے اور پھر تمام عمر وہیں گزار دی۔ وہیں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپؒ فقہ میں مسلک امام احمدبن حنبل پر تھے۔ طریق باطنی کی تعلیم شیخ حمادؒ، قاضی ابو سعید مبارک مخرومیؒ اور شیخ ابویوسف یعقوب ہمدانیؒ سے پائی۔ بیعت شیخ ابو سعید مبارک مخرمیؒ سے ثابت ہے، انہی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپؒ نے بہت کٹھن اور طویل مجاہدات کیے۔ آپؒ سے بے شمار کرامات منسوب ہیں۔

کتاب کا تعارف

یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی۔ حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ (متوفی ۱۰۵۱ھ) نے اسے فارسی زبان میں منتقل کیا اور ”مفتاح الفتوح“ کے نام سے ”فتوح الغیب کی شرح لکھی۔ یہ کتاب ۸۷ مقالات پر مشتمل ہے۔ ہر ایک مقالہ معرفت و حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ ان مقالات کے جامع حضرت غوث الاعظمؒ کے صاحبزادہ شریف الدین عیسیٰؒ ہیں جن کی خاطر یہ کتاب تصنیف کی گئی تھی۔ اس کتاب کے کئی اُردو ترجمے بھی شائع ہوچکے ہیں۔ پیر عالم شاہ بن پیر غلام محمد قریشی ہکاریؒ نے فتوح الغیب کا پنجابی زبان میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔

تبصرہ

"فتوح الغیب" میں صوفیاء و سالکین کو شریعتِ محمدیہ کی پابندی کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ تصوف میں غیر اسلامی عقاید کو داخل نہیں ہونے دیا گیا۔ تقویٰ، پرہیز گاری اور عبادات کی ترغیب دی گئی ہے۔ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کے پورا کرنے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ یہ کتاب سالکینِ راہِ حق کے لیے ایک رہنما کتاب ہے اور اس میں مریدین کے لیے پند و نصائح کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مضامین کودقیق نہیں بنایا گیا بلکہ سادہ اور عام فہم الفاظ میں مبتدیوں کو روحِ تصوف سے آشناکرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کتاب صحیح معنوں میں "تصوف اسلام" پر مشتمل مسائل کی کتاب ہے۔

احیاء العلوم

"احیاء العلوم" حجۃ الاسلام ابو حامد محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی گرانقدر مبسوط و ضخیم تصنیف ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ آپؒ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک پر تھے اس لیے آپؒ نے اپنی کتاب میں مسائل عبادات و معاملات مذہب شافعیہ کے مطابق تحریر کیے ہیں۔

احیاء العلوم کی ہر جلد دس ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد "عبادات" کے بارے میں ہے، اس کے دس ابواب کے موضوعات درج ذیل ہیں (یاد رہے کہ باب کے بجائے بعض مترجمین نے کتاب کا لفظ استعمال کیا ہے):

۱۔ باب العلم ۲۔ باب العقائد
۳۔ باب الطہارت ۴۔ باب اسرار الصلوٰۃ
۵۔ باب الزکوٰۃ ۶۔ باب الصیام
۷۔ باب الحج ۸۔ باب آداب تلاوت قرآن
۹۔ باب اذکار ودعوات ۱۰۔ باب الاوراد

دوسری جلد "عادات" کے بارے میں ہے، اس میں دس ابواب (کتب) کے نام یوں ہیں:

۱۔ آداب الاکل ۲۔ آداب النکاح
۳۔ احکام الکسب ۴۔ حلال و حرام

۵۔ آداب الصحبت و المعاشرہ ۶۔ العزلت
۷۔آداب السفر ۸۔السماع والوجد
۹۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر ۱۰۔ آداب المعیشت و الاخلاق النبوت

تیسری جلد"مہلکات" پر ہے، اس کے دس ابواب کے عنوانات یوں ہیں:

۱۔ شرح عجائبات قلب ۲۔ریاضت نفس
۳۔آفات شہوت ۴۔ آفات شہوت
۵۔آفات غضب (حقد و حسد) ۶۔آفات مال و بخل
۷۔مذمت جاہ و ریا ۸۔مذمت کبرو عجب
۹۔مذمت غرور ۱۰۔آفات زبان

چوتھی جلد "منجیات" پر ہے، اس کے دس ابواب کے عنوانات درج ذیل ہیں:

۱۔ توبہ ۲۔ شکر و صبر
۳۔ خوف و رجا ۴۔ فقر و زہد
۵۔ توحید و توکل ۶۔محبت و شوق اور اُنس و رضا
۷۔نیت و اخلاص اور صدق ۸۔مراقبہ و محاسبہ
۹۔ فکر و عبرت ۱۰۔ موت اور مابعد الموت

تبصرہ

امام غزالیؒ اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "لوگوں نے ان باتوں میں سے بعض اُمور میں کتابیں لکھی ہیں مگر یہ کتاب ان کی تصانیف سے چار باتوں میں علیحدہ ہے۔

اوّل: جس چیز کو انہوں نے متفرق اور پریشان لکھا ہے ان کو ہم نے ترتیب وار منظم طور پر بیان کیا۔

دوم: جن اوامر کو انہوں نے طویل تقریر میں لکھا ہے ان کو ہم نے مختصر طور پر ضبط کیا ہے۔

سوم: انہوں نے جو اَمر مکررلکھے ہیں ان کو ہم نے حذف کیا ہے، صرف مطلب ثابت رکھا ہے۔

چہارم: ہم نے باریک باتوں کی تحقیق کی ہے جن کا سمجھنا فہموں پر دشوار ہو اور ان کے ذکر کے درپے کتابوں میں کوئی نہیں ہوا۔"

مصنف نے کتاب ہذا میں شریعت اور عرفان و تصوف میں تطبیق کی کامیاب کوشش کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ تصوف شریعت سے کوئی جداگانہ چیز نہیں ہے۔ مصنف نے تصوف و اخلاق کے تمام مسائل واحوال و مقامات کو شرعی استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے۔ کتاب کے ہر ایک باب پر نہایت شرح و بسط کے ساتھ نصوصِ قرآنی اور احادیثِ نبویہ ا سے سند پیش کی ہے۔ یہ کتاب اخلاقیات کا ایک مکمل دستور ہے۔

عوارف المعارف

”عوارف المعارف“ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تصنیف ہے۔ آپ کا پورا نام شہاب الدین عمر بن البکری سہروردیؒ ہے۔ عام لقب”شیخ الشیوخ“ ہے۔ آپؒ ۵۳۹ھ میں زنجان کے مضافات میں واقع قصبہ ”سہرورد“ میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کا سنِ وفات ۶۳۲ھ ہے۔ مزار مبارک بغداد میں ہے۔ آپؒ کا شجرہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ اپنے عمِ حقیقی ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردیؒ کے مرید تھے۔ آپؒ نے حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانیؒ سے بھی فیض حاصل کیا اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ عوارف المعارف (تصوف)

۲۔ جذب القلوب الی مواصلتہ المحبوب(تصوف)

۳۔ رشف النصائح (علم الکلام)

۴۔ الہدی یااعلام التقی(رد فلاسفہ قدیم)

۵۔ بہجۃ الاسرار(سوانح غوث الاعظم) (بعض مؤرخین نے اسے آپؒ کی تصنیف ماننے سے انکار کیا ہے)۔

عوارف المعارف کا تعارف

عوارف المعارف عربی زبان میں لکھی گئی، بعد میں ا س کے فارسی تراجم بھی ہوئے۔ موجودہ دور میں ا س کتاب کے اُردو

تراجم بھی دستیاب ہیں۔ یاد رہے کہ مصنف کی مادری زبان فارسی تھی۔ اس کا سنِ تصنیف ۵۹۰ہجری ہے۔
عربی متن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ کی زبان میں روانی اور سلاست ہے فقروں اور جملوں کی بندشیں بڑی چست ہیں۔ مصنف نے اپنے عہد کے اُسلوبِ نگارش کا تتبع کرتے ہوئے مسجع اور متقی اُسلوبِ نگارش کو اپنایا ہے۔ مصنف کی نثر کا اُسلوب غنیہ الطالبین (شیخ جیلانی) کے اُسلوبِ نگارش سے بہت متاثر ہے۔ اس میں خطیبانہ رنگ کی بجائے موعظت و تفہیم کا رنگ نمایاں ہے۔ اس میں موعظت کے اعتبار سے دل نشینی اور تاثر آفرینی بے مثال ہے۔ معانی و بیان صداقت سے بھرپور ہیں۔ یہ کتاب علمی، ادبی اور فنّی ہر لحاظ سے ایک خوبصورت اور بہترین کتاب ہے۔

موضوع کتاب

عوارف الَمعارف کا موضوع "تصوف" ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ کا تصوف شریعت و طریقت کا امتزاج اور زہدو عبادت کا سنگم ہے۔ اس تصوف میں شریعت کا بھرپور اتباع، فرائض کی کامل ادائیگی، سنن مصطفوی کی اتباع، کمال زہد و تقویٰ، تطہیر اعمال، تزکیہء نفس، رضائے الٰہی، مشیّتِ ایزدی اور تمام علومِ شریعہ شامل ہیں۔ مصنف شریعت محمدی سے مو برابر تجاوز بھی برداشت نہیں کرتا۔ اس کتاب کا قریباً ہر باب نصِ قرآنی سے شروع ہوتا ہے، اس کے بعد اس کی تشریح فرمائی گئی ہے اور اس کی تائید میں آثار و اخبار اور اقوال واحوالِ صوفیاء کا اندراج کیا گیا ہے۔

ابواب بندی

عوارف المعارف ۶۳ابواب پر مشتمل ہے۔ عربی متن کے دو حصے ہیں، حصہ اوّل میں ۳۲ابواب اور حصہ دوم میں ۳۱ابواب ہیں۔ اس کا اُردو ترجمہ ایک ہی جلد میں مکمل کردیا گیا ہے۔
راقم کے نزدیک عوارف المعارف کا بہترین اُردو ترجمہ حضرت شمس بریلوی نے کیا ہے، جو کراچی سے شائع ہوا ہے۔

سببِ تالیف

مصنف نے ابتدائے کتاب میں چند صفحات پر مشتمل ایک دیباچہ تحریر کیا ہے جس میں حمد و ثناء کے بعد کہا گیا ہے کہ ”مجھے اس قوم کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا مقصود تھا، اس کے باعث ان کے احوال کی شرافت اور کتاب و سنت پر ان کی مداومت تھی۔ علاوہ ازیں وہ فضل و کرم جو ان کے شامل حال تھا، ان تمام اُمور نے مجھے اس طرف مائل کیا کہ اس گروہ سے میں اپنی اس مختصر تصنیف کے ذریعہ برائی کو دور کروں اور چند حقائق اور آداب تالیف کردوں تاکہ وہ صواب ان پر آشکارا ہوجائے۔“

مصنف نے دیباچہ میں مضامینِ کتاب کی فہرست بھی درج کردی ہے۔

مصنف رسالہ قشیریہ

رسالہ قشیریہ کے مصنف کا نام ابوالقاسم عبدالکریم قشیریؒ ہے۔ ان کے والد کا نام ہوازن بن عبدالملک بن محمد ابوالقاسم الاستوائیؒ تھا۔ آپؒ ان عربوں کی اولاد میں سے تھے جو خراسان کے نواح میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ آپؒ قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہؒ سے نسبت کے باعث ”قشیری“ کہلائے۔ اس خاندان سے ابوامیہ انس بن مالک قشیریؒ، بہزبن حکیم بن معاویہ حیدہ القشیریؒ اور مسلم القشیریؒ وغیرہ جلیل القدر علماء گزرے ہیں۔

آپ η کی دیگرکتب

۱۔ نحو القلوب (صغیر و کبیر) ۲۔ تفسیر القرآن
۳۔ لطائف الاشارات ۴۔ کتاب احکام السماع
۵۔ کتاب الجواہر ۶۔ آداب الصوفیہ
۷۔ کتاب عیون الاجوبہ فی اصول الامسئلہ ۸۔ کتاب المنتہی
۹۔ کتاب المناجات ۰۱۔ الاربعین فی الحدیث

امام قشیری η کی شخصیت

امام قشیریؒ ایک جامع شخصیت کے مالک تھے۔ وہ بیک وقت فقیہ بھی تھے، محدث بھی، کاتب بھی، ادیب بھی، حافظ بھی اور شاعر بھی۔ وہ فنِ سپاہ گری میں بھی ماہر تھے اور فنِ خطابت میں بھی۔ لیکن ان کا صوفی ہونا تمام اوصاف پر غالب آگیا۔ امام قشیریؒ حضرت علی ہجویریؒ(داتا گنج بخش) اور ابوالحسن خرقانیؒ کے ہم عصر تھے۔ آپؒ عقاید میں اشعری اور فقہ میں شافعی تھے۔ آپؒ نے ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔

رسالہ قشیریہ

رسالہ قشیریہ کا سنِ تصنیف ۴۳۷ھ ہے۔ مصنف کے زمانہ میں تصوف میں بے شمار بدعات شامل ہو گئی تھیں اور اسلام میں کئی نظریاتی فرقے پیدا ہوگئے تھے، مثلاً باطنیہ، مانویہ اور ملامتیہ، کرامیہ، صفافتیہ وغیرہ۔ چنانچہ مصنف نے انہی غلط عقاید کا رَد کرنے اور روحِ تصوف بیان کرنے کی غرض سے یہ کتاب تصنیف کی۔

تبصرہ

کتاب کا پورا نام "رسالۃ القشیریہ فی علم التصوف" ہے۔ یہ کتاب اسلامی ممالک کی جماعت صوفیہ کے نام معنون کی گئی ہے۔ اس کتاب کا عربی متن مصر سے کئی بار شائع ہوچکا ہے۔ پاکستان میں اُردو زبان میں بھی اس کتاب کا ترجمہ ہوچکا ہے۔ یہ کتاب مختلف فصول اور ابوب پر مشتمل ہے۔

حمد و نعت اورصوفیاء سے خطاب کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ "میں نے اس میں طریقت کے چند شیوخ کے حالات درج کیے ہیں۔ ان کے آداب، اخلاق اور معاملات کا ذکر کیا ہے اور ان عقاید کا ذکر کیا ہے جو اہلِ طریقت کے دلوں کے متعلق یہ لوگ رکھتے ہیں ......میرا مقصد یہ ہے کہ رسالہ طالبانِ طریقت کے لیے قوت کا باعث بنے اور آپ لوگ میرے حق میں گواہی دیں کہ میں نے اس طریقہ کی تصحیح کردی۔"

فوائد الفواد

"فوائد الفواد" حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے "ملفوظات" کا مجموعہ ہے۔ بزرگوں کے ارشاد اورقول کو"ملفوظ" کہتے ہیں۔ "ملفوظ" کی جمع "ملفوظات" ہے۔ یہ ملفوظات خواجہ حسن

علاءسجزی نے مرتّب کیے ہیں۔

خواجہ حسنؒ (مرتب فوائد الفواد) کا نام حسن اور لقب نجم الدین ہے۔ وہ امیر حسن علا ءکے نام سے مشہور ہوئے۔ آپؒ کے والد بزرگوار علاؤ الدین سجزیؒ سجستان کے رہنے والے تھے۔ آپؒ ۶۵۶ھ میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر ہی میں بدایوں سے دہلی چلے گئے۔ آپؒ سلطان بلبن کے ولی عہد محمد خان شہید کی مصاحبت میں رہے۔ اس کی شہادت کے بعد جلال الدین خلجی کی درباری ملازمت میں چلے گئے اور آخر عمر میں خانہ نشین ہوگئے۔

خواجہ حسنؒ نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے دستِ حق پر بیعت کی۔ بیعت کے بعد آپؒ ہر جمعہ کو خدمتِ شیخ میں حاضری دیتے۔ آپؒ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی مجالس میں شریک ہوکر ان کے ملفوظات قلمبند کرتے رہے۔ یہ ملفوظات ”فوائد الفواد“ کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا دورِ حیات ۶۳۶ہجری (۱۲۳۸ء) تا ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) ہے۔ آپؒ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒکے مرید تھے۔ آپؒ حسینی سادات میں سے تھے۔ آپؒ کا شمار سلسلہء چشتیہ کے جلیل القدر صوفیاء (اولیاء) میں ہوتا ہے۔ آپؒ نے مجردانہ زندگی گزاری۔ آپؒ کی ایک بہن تھیں، ان کا سلسلہء نسل جاری ہے۔

خواجہ نظام الدین اولیاءؒنے بذاتِ خود کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، مختلف مجلسوں میں جو کلمے آپؒ کی زبان سے نکلتے تھے مریدانِ باصفا انہیں قلمبند کرلیتے تھے اور مرتّب کرکے انہی ملفوظات کو شائع کردیتے تھے۔ آپؒ کے ملفوظات کئی حضرات نے جمع کیے جو مختلف مجموعہ جات کی صورت میں شائع ہوچکے ہیں۔ مثلاً فوائد الفواد، افضل الفواد، راحتہ المحبین، انوار المجالس، مجموع الفائد، تحفۃ الابرار وغیرہ۔

فوائد الفواد کا تعارف

”فوائد الفواد“ ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاءؒکے کئی قلمی نسخے مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں۔ یہ کتاب سب سے

پہلے ۱۸۵۶ء میں مطبع حسنی دہلی سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی تھی، پھر اس کا اُردو ترجمہ کیا گیا۔ موجودہ دور میں اس کے متعدد اُردو تراجم چھپ چکے ہیں۔

موضوعات

"فوائد الفواد" کا غالب موضوع تصوف ہے، لیکن ضمنی طور پر اس میں دیگر علوم پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ اس کتاب کے متنوع موضوعات میں سے چند موضوعات یہ ہیں:

۱۔ تصوف (نظری)
۲۔ آداب الصوفیہ
۳۔ اصطلاحاتِ صوفیہ
۴۔ تصوف (عملی)
۵۔ آداب المریدین
۶۔ تزکیہء نفس
۷۔ سماع
۸۔اعمال
۹۔ اوراد
۱۰۔ ملفوظات و اقوال مشائخ
۱۱۔ سیر الاولیاء
۱۲۔ سیرت
۱۳۔ آدابِ معاشرت
۱۴۔ اخلاقیات
۱۵۔ تمثیلات
۱۶۔ تعبیرورویاء
۱۷۔ حدیث
۱۸۔ تفسیر
۱۹۔ فقہ
۲۰۔ منطق
۲۱۔ لغت
۲۲۔ فلسفہ
۲۳۔ تاریخ
۲۴۔ ادب و شعر

کتاب کی تقسیم بندی

فوائد الفواد پانچ حصوں (جلدوں) میں تقسیم ہے۔ ہر حصہ میں کئی کئی مجالس ہیں۔ کل مجالس کی تعداد ۱۸۸ ہے۔ تمام مجالس پندرہ سال کے عرصہ تک پھیلی ہوئی ہیں۔

حصہ اوّل

پہلی مجلس ۳/شعبان ۷۰۷ہجری کو شروع ہوتی ہے۔ اس میں ۳۴ مجلسوں کا ذکر ہے۔ ۳۴ویں مجلس ۲۹/ذوالحجہ ۷۰۸ھ کو ہوئی۔

حصہ دوم

اس میں ۳۸ مجالس ہیں۔ یہ ۲۹/شوال ۷۰۹ھ سے ۱۳/شوال ۷۱۲ھ تک محیط ہے۔

حصہ سوم

اس میں ۱۷ مجالس ہیں۔ یہ ۲۷/ ذی قعد ۷۱۲ء سے یکم ذی الحجہ ۷۱۳ھ تک محیط ہے۔

حصہ چہارم

اس میں ۶۷ مجالس ہیں۔ یہ ۲۴/ محرم ۷۱۴ھ سے ۲۳/ رجب ۷۱۹ھ تک محیط ہے۔

حصہ پنجم

اس میں ۳۲مجالس ہیں۔ یہ۲۱/شعبان ۷۱۹ھ سے شعبان ۷۲۲ھ تک محیط ہے۔

تبصرہ

امیر حسن سجزیؒ نے ملفوظات مرتّب کرتے وقت حتی الواسع اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ جو لفظ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی زبان سے ادا ہوا اُسے بعینہٖ نقل کیا جائے۔ جب دورانِ مجلس لکھتے ہوئے کوئی لفظ چھوٹ جاتا تو جگہ خالی چھوڑ دیتے تھے اور جب حضرت ان اوراق پر نظرثانی فرماتے تھے تو خالی جگہوں کی خانہ پُری بھی کردیتے تھے۔

یہ کتاب صحتِ زبان، صحتِ روایت اور حسنِ اُسلوب کے لحاظ سے ملفوظات کی دنیا میں سب سے بہترین کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ کتاب کو علمی اور ادبی حیثیت ہی حاصل نہیں بلکہ یہ ایک ”تاریخ“ کا درجہ بھی رکھتی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ دنیائے تصوف میں اس کتاب کو ”رہنمائے صوفیاں“ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

میں محترم جناب خلفیہ کنور طارق محمود صاحب اور ان تمام احباب و معانین کا شکرگذار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں ادارے کی معاونت کی اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے تاکہ تشنگان معرفت ان برگزیدہ ہستیوں کی روشن تعلیمات سے فیضیاب اور شاد کام ہوتے رہیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ڈاکٹر محمد عظیم فاروقی
سرپرست: عظیم ایجوکیشن کانفرنس
(رجسٹرڈ)
اسلام آباد۔ پاکستان

ءءء

ماکہ از شوقِ دوست حرانیم هیچ احوال خود نمے درنیم
غوثِ اسلام شیخ رکن الدینؒ مقتدائے زمانہ قطب زمیں

ءءء

باب (۱)

حضرت قطب الاقطاب شیخ رکن الملت والدین ابوالفتحη

نام : رکن الدین
کنیت : ابوالفتح
لقب : فضل اللہ ([1])، فیض اللہ

ولادت مبارک

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رمضان کے مبارک مہینے میں جمعہ کے مبارک دن عالم ارواح سے عالم ہستی میں وارد ہوئے۔ ان کی ولادت ۹ رمضان المبارک ۶۴۷ھ مطابق ۱۲۴۹ء کو ہوئی۔

سیر الاولیاء کے مؤلف سید محمد مبارک علوی کرمانی المعروف امیر خورد جو قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے معاصر تذکرہ نگار ہیں اور جنہیں حضرت شیخ سے شرف ملاقات بھی حاصل رہا اور ان کے بعد آنے والے مشہور تذکرہ نگار مولانا حامد بن فضل اللہ جمالی نے حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات زندگی بیان کرنے کے علاوہ ان کے دینی اور تبلیغی کارناموں اور ان کے روحانی مرتبہ ومقام پر روشنی ڈالی ہے لیکن ان دونوں تذکرہ نگاروں نے قطب الاقطاب کے سن ولادت کے بارے میں کوئی معلومات فراہم نہیں کی ہیں۔ اسی طرح ''اذکار ابرار'' کے مولف محمد غوثی منڈوی اور ''سفینۃ الاولیاء'' کے مؤلف شہزادہ داراشکوہ نے بھی شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سن ولادت کا ذکر نہیں کیا۔ مفتی غلام سرور لاہوری کی ''حدیقۃ الاولیاء'' بھی اس ضمن میں خاموش ہے۔ البتہ نور احمد فریدی نے حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر جو کتاب تالیف کی ہے اس میں انہوں نے حضرت شیخ کی تاریخ ولادت ۹ رمضان ۶۴۹ھ تحریر کی ہے۔-[2]

---

[1] ۔ ڈاکٹر ظہور الحسن شارب خم خانہ تصوف ص ۱۲۱
[2] ۔ حضرت شاہ رکن عالم ملتانی ، نور احمد فریدی

اس کے ثبوت میں کوئی تاریخی حوالہ نہیں دیا۔ حضرت اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیان کے مطابق قطب الاقطاب شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۶۴۷ھ میں جمعہ کے روز پیدا ہوئے اور انہوں نے ۷۳۵ھ میں وفات پائی، اس ضمن میں حضرت سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

''ولادت یوم الجمعہ من سنۃ سبع واربعین وستعمایۃ وکان مدۃ حیاتہ ثمان سنۃ واقام فی سجادہ جدہ بعد ابیہ اثنین وخمسین سنۃ ثم ارتحل الی دار الوصل فی لیلۃ الجمعہ التاسع من جمادی الاول سنہ خمس وثلثین وسبعمائ ۃ''۔[1]

سید محمد اولاد علی گیلانی نے ''مرقع ملتانی ''میں حضرت شاہ رکن عالم ملتانی کی تاریخ وفات ۹رمضان المبارک ۶۴۹ھ لکھی ہے۔[2]

شیخ اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ اعظم حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت کے خلیفہ راشد ہونے کے علاوہ حضرت قطب الاقطاب کے سب سے قریب العہد تذکرہ نگار ہیں جنہوں نے حضرت قطب الاقطاب کا سن ولادت تحریر کیا ہے اس لئے ان کا بیان سب سے زیادہ مستند اور صحیح سمجھا جانا چاہئے۔

جائے ولادت

قطب الاقطاب حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت اس محل میں ہوئی جو ان کے نانا حاکم فرغانہ سلطان جمال الدین نے اپنی بیٹی حضرت بی بی راستی کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ حضرت بی بی راستی شیخ العارفین حضرت صدر الدین عارف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے شادی کے بعد اسی محل

---

1 ۔ اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لطائف اشرفی جلد۱، ص ۳۸۴

2 ۔ مرقع ملتان ص ۲۶۵

میں قیام پذیر رہیں اور اسی محل میں ان کے فرزند ارجمند حضرت شیخ رکن الدین نے جنم لیا اور اسی محل میں اس بطل جلیل نے پرورش پائی۔

ولادت کی اہمیت

حضرت شیخ رکن الدین کی ولادت کو مشائخ سہرورد کی تاریخ میں قابل ذکر اہمیت حاصل ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ حضرت شیخ کی ولادت باسعادت پر انتہائی مسرت وانبساط کے جذبات کا اظہار کیا گیا اور خوشی کے شادیانے بجائے گئے یہاں پر ہم قارئین کی دلچسپی کے لئے شیخ رکن الدین کی ولادت پر منعقد ہونے والی تقریبات اور جشن کی تفصیلات بیان کرتے ہیں۔

حضرت بہاء الدین زکریؒا کا اظہار مسرت

شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے روحانی جانشین کی اس دنیائے رنگ وبو میں آمد پر اس قدر خوش ہوئے کہ فرط مسرت میں انہوں نے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ روایت ہے کہ شیخ الشیوخ نے اس مبارک موقع پر داد ودہش اور سخاوت کا اس غایت درجہ مظاہرہ کیا کہ مساکین ویتامیٰ اور غرباء کے دامن مال ودولت سے بھرگئے اور ملتان شہر میں کوئی شخص محتاج نہ رہا۔ ضرورت مندوں اور محتاجوں کی مدد واعانت کے علاوہ شیخ الشیوخ نے اپنے شاگردوں میں مٹھائی تقسیم کی اور مریدوں کو بیش قیمت تحائف وتبرکات سے نوازا۔

ملتان میں جشن کا سماں

تذکرہ نگاروں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حدود شرعی میں رہتے ہوئے حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہتعالیٰ علیہ کی پیدائش پر اس قدر خوشیاں منائی گئیں اور اس کثرت سے خیرات وصدقات دیئے گئے کہ اس داد ودہش اور دھوم دھام نے ملتان شہر میں ایک بڑے جشن کا سماں پیدا کردیا۔ شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان

کے اہل خاندان کے علاوہ ان کے ہزاروں شاگردوں اور مریدین نے بھی اس جشن ولادت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آسمان ولایت کے آفتاب کے طلوع ہونے پر خوشی ومسرت کا بے پایاں اظہار کرنے کے علاوہ عقیدت وارادت کے پھول نچھاور کئے اور زر وجواہر کے انبار لگادیئے۔

شیخ کی رسم عقیقہ

شیخ رکن الدین کی رسم عقیقہ بھی انتہائی شان وشوکت اور پورے تزک واحتشام کے ساتھ ادا کی گئی۔ اس مبارک موقع پر شیخ کے سر کے بال تراشے گئے تو ان کے وزن کے برابر سونا صدقہ دیا گیا اور ان کے بالوں کو تبرک کے طور پر محفوظ رکھ لیا گیا جو اب تک حضرت شیخ کے دیگر تبرکات کے ساتھ محفوظ چلے آرہے ہیں۔

مادر زاد ولی ہونے کا ایک ثبوت

قطب الاقطاب شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت کے مبارک موقع پر خیرات وصدقات کا جو زبردست بلکہ شاہانہ اہتمام کیا گیا اور جس وسیع پیمانے پر غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کی مالی مدد کی گئی اور عوام وخواص کو جس انداز سے تحائف وتبرکات سے نوازا گیا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شیخ کے روحانی فیوض وبرکات اسی لمحے سے جاری ہوگئے تھے جب انہوں نے اس عالم کون ومکان میں پہلا سانس لیا تھا، اس سے ان کے مادر زاد ولی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔-[1]

فیوض وبرکات کا یہ روحانی سلسلہ ان کی زندگی کے آخری سانس تک برابر جاری رہا۔

شیخ کی عالم ہستی میں آمد کی خصوصیت

[1] - نور احمد فریدی حضرت شاہ رکن عالم ملتانی ص ۱۸، ناشر قصر الادب جگو والا ضلع ملتان

اس عالم ہستی میں شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی آمد پر جس دھوم دھام سے خوشیاں منائی گئیں اور جس طور پر اور جس انداز سے ان کا استقبال کیا گیا اس کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اقلیم روحانیت کی کسی بڑی سے بڑی شخصیت اور کسی مادر زاد ولی کی اس دنیا میں آمد پر اس کا استقبال شاید ہی اس قدر شاندار اور پُروقار طریقے پر کیا گیا ہو۔ رابعہ عصر حضرت بی بی راستی کے بطن سے صرف شاہ رکن عالم ہی پیدا ہوئے۔

شیخ صدر الدین کی دوسری شادی

شیخ صدر الدین عارف بااللہکی باقی اولاد ان کی دوسری اہلیہ کے بطن سے ہوئی۔ شیخ صدر الدین عارف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دوسری شادی ایک قاضی صاحب کی دختر نیک اختر کے ساتھ ہوئی تھی جو حضرت شیخ الاسلام کے ہمسائے تھے۔[1]

شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا علیہ الرحمۃ نے قاضی صاحب کی بیٹی کو اپنی تحویل میں لے کر اس کی پرورش اور تعلیم وتربیت اپنی ذاتی نگرانی میں کی اور جب وہ بچی سن بلوغت کو پہنچی تو اس کا نکاح شیخ صدر الدین عارف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کردیا جس سے شیخ عماد الدین اسماعیلؒ پیدا ہوئے۔[2]

نام اور القابات

شیخ الشیوخ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے روحانی جانشین کا نام نامی اور اسم گرامی ”رکن

---

[1] ۔ ڈاکٹر منظور جاوید خان، تاج دار اولیاء ص ۳۹، جاوید انڈسٹریز وقف ملتان

[2] ۔ ایضاً

الدین'' تجویز کیا۔[1]

''فضل اللہ'' ان کا لقب اور ''ابوالفتح '' ان کی کنیت قرار پائی، شیخ رکن الدین بچپن ہی سے اعلیٰ اطوار وآداب اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے اور شروع ہی سے عظمت وجلالت اور بزرگی کے آثار ان کے چہرے سے نمایاں تھے جن کے پیش نظر اس دور کی ایک عظیم روحانی شخصیت اور حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے معاصر بزرگ حضرت خواجہ شمس الدین سبزواریؒ([2])نے حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے تجویز کردہ نام ''رکن الدین'' کے ساتھ ''والعالم'' کا اضافہ کیا۔ یعنی انہیں ''رکن عالم'' کا لقب دیا۔ گویا کہ اس دور کی دو قابل صد احترام روحانی شخصیات نے یہ پیش گوئی کردی کہ حضرت صدر الدین عارف کا فرزند ارجمند مستقبل میں دین اور دنیا کا رکن رکیں ثابت ہوگا۔

شاہ جلولا

قطب الاقطاب کو بچپن میں پیار سے شاہ جلولا کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا لیکن اس لقب کو زیادہ شہرت حاصل نہ ہو سکی۔[3]

نوری حضوری

---

[1] ۔ صاحب مراۃ الاسرار کا بیان ہے کہ خواجہ شمس الدین تبریزیؒ نے قطب الاقطاب کو ''رکن الدین ، رکن عالم'' کا لقب عطا فرمایا تھا۔ ملاحظہ ہو: مراۃ الاسرار، ص ۲۴۰، صوفی فاؤنڈیشن لاہور

[2] ۔ تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی ص ۲۵۷

[3] ۔ حضرت شمس الدین سبزواری کو خواجہ شمس الدین تبریزیؒ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ یہ مولانا رومؒ کے مرشد حضرت شمس تبرؒیز نہیں ہیں۔ خواجہ شمس الدین سبزواریؒ کا مزار مبارک ملتان میں آج بھی مرجع خلائق ہے۔ (تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی ص ۲۵۷)

کچھ عرصے سے حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی غیر تعلیم یافتہ افراد میں ''نوری حضوری'' کے لقب سے مشہور ہیں۔[1]

قطب الاقطاب

روایت ہے کہ شیخ رکن الدّین کو ''قطب الاقطاب'' کا لقب بانی سلسلہ سہروردیہ شیخ المشائخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عنایت فرمایا تھا۔

قبلہ حاجات

قطب الاقطاب اپنے والد بزرگوار امام العارفین شیخ صدر الدین عارؒف کی وفات کے بعد جب مسند ارشاد پر رونق افروز ہوئے اور ان کا فیض روحانی عام ہوا تو وہ ''قبلہ حاجات'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ مولانا جمال لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ کا عجب ایثار تھا۔ جو گروہ ان کے پاس پہنچتا اور اس کا جو مدعا ہوتا اس کو پورا کرتے چنانچہ مخلوق خدا حضرت کو ''قبلہ حاجات'' کہا کرتی تھی۔[2]

شہرت دوام

حضرت شیخ رکن الدینؒ نے اپنے علم وفضل، صدق وصفا، روحانی کمالات اور دینی خدمات کی بدولت نہ صرف اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں ''فضل اللہ'' اور ''شاہ جلولا ''جیسے القابات سے قابل قدر مقبولیت حاصل کی جبکہ خرقہ خلافت پہن کر اور مسند ارشاد پر بیٹھ کر ''شاہ رکن عالم ملتانی'' کے نام نامی سے شہرت دوام پائی اور وہ مخزن مشہود الٰہی، منبع جود لامتناہی، ادریس خلوت وحدت، برجیس، برج معرفت، گوہر معدن، زبدۃ المشائخ، مفتاح فضل الحق الیقین جیسے اعلیٰ وارفع القاب سے مشہور ہوئے۔[3]

شیخ کی خوش نصیبی

شیخ رکن الدینؒ اس لحاظ سے انتہائی خوش نصیب ہیں کہ ان کی پرورش اور تعلیم وتربیت انتہائی عمدہ اور پاکیزہ ماحول میں ہوئی۔ ان کی خوش نصیبی اور نیک بختی کا ثبوت اس سے بڑھ

---

1. تاج دار اولیاء ص ۳۶ اور مرقع ملتان ص ۲۶۰
2. مولانا جمالی، سیر العارفین، ص ۲۰۰، مرکزی اردو بورڈ لاہور
3. ایضاً ، ص ۱۹۹

کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ایسے جلیل القدر بزرگان دین کے سایہ عاطفت میں آنکھیں کھولیں جو اپنے دور ہی کی نہیں بلکہ تاریخ اسلام کی انتہائی برگزیدہ روحانی شخصیات ہیں۔ ایسی عظیم المرتبت روحانی شخصیات جن کی دینی خدمات اور تبلیغی کارنامے اظہر من الشمس اور جن کے ظاہری وباطنی کمالات بے نظیر وبے مثال ہیں۔ شیخ رکن الدین کا مقدر اس لئے بھی قابل صدر شک ہے کہ انہوں نے ایک ایسی نیک سیرت، عبادت گزار اور پاک باز خاتون کے بطن سے جنم لیا جسے دنیا رابعہ عصر کے نام سے جانتی ہے اور جس کا شمار ولی اللہ خواتین میں ہوتا ہے۔

شیخ رکن الدین کی ولادت اس دور میں ہوئی۔ جب شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا قدس سرہٗ العزیز اور سلطان العارفین حضرت شیخ صدر الدین عارف علیہ الرحمۃ آفتاب وماہتاب بن کر روحانیت کے آفاق وافلاک پر جلوہ گر تھے اور ان کے انوار وتجلیات سے لاکھوں بندگان خدا روشنی حاصل کررہے تھے۔

قدرت کے خزانے

غرض یہ کہ جن سازگار حالات میں شیخ رکن الدین کی ولادت ہوئی اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے بزرگ وبرتر نے اپنے لطف وکرم اور عنایات کے بے پایاں خزانوں کے دروازے شیخ رکن الدین کے لئے کھول دیئے تھے اور ان کی پرورش تعلیم وتربیت اور رشد وہدایت کے لئے ایسے ذرائع اور اسباب اور سامان پیدا کردیئے تھے کہ ان کے واسطے سلوک ومعرفت کی منزلیں طے کرکے مستفید ومستفیض ہو کر وہ اعلیٰ وارفع روحانی مرتبہ ومقام پر فائز ہو سکیں اور مقربان بارگاہ الٰہی میں جگہ بناسکیں۔

منفرا ورممتاز شرف واعزاز

شیخ رکن الدین کی ولادت جن حالات میں ہوئی اور جس پاکیزہ ماحول میں انہوں نے پرورش پائی اس کے پیش نظریہ دعویٰ بجا طور پر کیا جاسکتا ہے کہ دنیائے اسلام یا اقلیم روحانیت کی کسی اور ممتاز شخصیت کی ولادت ایسے سازگار حالات میں

ہوئی اور نہ کسی ولی اللہ کو تعلیم وتربیت اور ظاہری وباطنی علوم حاصل کرنے کے لئے ایسا پاکیزہ ماحول اور ایسے ذرائع ووسائل میسر آئے۔ یہ قدرت کاملہ کا ایک عظیم عطیہ اور ایک ایسا منفرد وممتاز شرف واعزاز ہے جو حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح کے سوا غالباً کسی اور روحانی شخصیت کو حاصل نہیں ہوا۔

بے نظیر خانوادہ اور بے مثل ماحول

خدائے عز وشانہٗ نے شیخ رکن الدین کو اعلیٰ روحانی مدارج پر فائز کرنا تھا۔ مادر زاد ولی پیدا کیا تھا۔ اس لئے کہ ان کی ولادت کسی متقی وپرہیزگار اور عبادت گزار خاتون کے بطن اور کسی صاحب مقام ولی اور عارف بااللہ کے صلب سے پیدا کیاگیا کہ ان کی پرورش اور تعلیم وتربیت ایسے مرجع خلائق خانوادے اور ایسے عمدہ وپاکیزہ ماحول میں ہو جو اسلامی تعلیمات کا اور روحانی انوار واقدار کا منبع ومصدر ہو چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ رکن الدین کو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے ایسے جلیل القدر خانوادے میں پیدا کیا جوصاحب ثروت اور دولت مند ہونے کے علاوہ اپنے روحانی فیوض وبرکات کے باعث لاکھوں افراد انسانی کی عقیدت وارادت کا مرکز تھا اور خدائے بزرگ وبرتر نے ان کی پرورش اور تعلیم وتربیت کے لئے ایسا روح پرور ماحول عطا کیا جو کلمہ توحید کی ایمان افروز صداؤں سے گونج رہا تھا۔ ایسا دلکش ماحول جو علم وفضل، صدق وصفا، زہد وورع اور جود وسخا سے بھرپور اور عرفان وآگہی کے انوار وتجلیات سے معمور تھا۔

سہروردی خانوادے کی اہمیت

ساتویں صدی ہجری کے ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ملتان کے اس سہروردی خانوادے کو بے پناہ اہمیت حاصل تھی۔ یہ خانوادہ علمی لحاظ سے مشہور ومعروف اور روحانی اعتبار سے منفرد وممتاز روایات کا حامل تھا۔ اقلیم روحانیت میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ اور حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ کا اپنا ایک خاص مقام تھا۔ چنانچہ ان قدسی صفات نفوس کے خاندان کو

قدرت کاملہ نے شیخ رکن الدین جیسے مادر زاد ولی کی ولادت کے لئے منتخب کیا اور ظاہری وباطنی کمالات رکھنے والے عظیم المرتبت مشائخ سہروردیہ نے شیخ رکن الدین جیسے فرد عظیم، شخص اکبر اور ولی اللہ کو دینی اور دنیوی علوم وفنون سے آراستہ کیا جسے ایک روز شیخ الاسلام کے منصب جلیلہ اورامام الاولیاء، عمدۃ الاصفیاء، قطب الاقطاب اور قاضی حاجات جیسے مقام بلند پر فائز ہو کر مرجع خلائق اور منبع فیوض وبرکات بننا تھا۔

شیخ کی تعلیم وتربیت

شیخ الکبیر حضرت بہاء الدین زکریاؒ شیخ رکن الدّین کی ولادت سے پہلے ہی اپنے نور باطن کے ذریعے جان چکے تھے کہ ان کے فرزند ارجمند شیخ صدر الدین عارف بااللہ کے صلب اور حضرت بی بی راستیؒ کے بطن سے ایک ایسی صاحب کمال شخصیت جنم لینے والی ہے جس سے نہ صرف ان کے خاندان کا چراغ روشن رہے گا بلکہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کی شہرت ومقبولیت میں قابل قدر اضافہ بھی ہوگا۔ چنانچہ حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے جہاں شیخ رکن الدّین کی ولادت باسعادت کے مبارک موقع پر خوشی ومسرت کے شادیانے بجانے کی ہدایت فرمائی وہاں شیخ رکن الدین کی پرورش اور تعلیم وتربیت پر بھی خاص توجہ مبذول فرمائی۔

شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے اپنے خاندان کے چشم چراغ اوراپنے ہونہار پوتے اور روحانی جانشین کی تعلیم وتربیت میں ذاتی دلچسپی لینے کے علاوہ اپنے دور کے اکابر مشائخ اور معروف وممتاز اساتذہ کرام کو اس امر پر مامور کیا کہ وہ شیخ رکن الدین کو مروجہ علوم وفنون کی باقاعدہ اور بہترین تعلیم دیں۔
شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے ملتان میں قائم کردہ مدرسہ بہائیہ میں دنیا بھر کے لائق اور ممتاز اور نادرہ روزگار اساتذہ موجودتھے۔ جن میں سے منتخب اساتذہ شیخ رکن الدین کی تعلیم وتربیت میں مصروف ہوگئے۔

شیخ کے اساتذہ کرام

حضرت شیخ کے اساتذہ کرام میں ان کے دادا بزرگوار حضرت بہاء الدین زکریاؒ اور ان کے والد گرامی شیخ صدر الدین عارفؒ کے علاوہ امیر حسینی سادات اور سید جلال بخاری جیسے فخر روزگار علماء اور مشائخ شامل تھے۔ انہوں نے قرآن مجید کو تجوید ترتیل اور علم قرات کے ساتھ اپنے والد ماجد حضرت شیخ العارف کی توجہ سے حفظ کیا۔ سید امیر حسینی اور سید جلال بخاری آپ کو آموختہ یاد کرنے میں مدد دیتے تھے۔ سات سال کی عمر میں آپ خمس الاوقات نماز باجماعت ادا کرنے لگ گئے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام آپ کو بالعموم ساتھ رکھتے تھے اور تہجد، اشراق، چاشت ضحیٰ، زوال بین العشائین اور دیگر نوافل معمولہ اور مقررہ میں اس نور العین کو شامل کر لیتے تھے۔ مراقبہ مکاشفہ، محاربہ، مجادلہ، محاسبہ، مکالمہ اور معاملہ میں آپ خانقاہ کے درویشوں پر سبقت لے گئے ۔[1]

اس طرح حضرت شیخ نے اپنے دور کے معروف وممتاز اساتذہ کرام اور اکابر مشائخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ظاہری وباطنی علوم وفنون کی باقاعدہ تعلیم وتربیت حاصل کی ار ان علوم کی تحصیل وتکمیل میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

دینی فرائض اور تبلیغی مقاصد سے آگاہی

قطب الاقطاب شاہ رکن عالم ملتانؒی کو برعظیم کے معروف وممتاز روحانی خانوادے میں پیدا کرکے خدائے علیم وخبیر نے ان کی ظاہری اور باطنی تعلیم وتربیت کیلئے بطور خاص انتہائی سازگار ماحول ہر نوع کی آسائش اور مطلوبہ وسائل مہیا کردیئے تھے۔ قطب الاقطاب کے بچپن کے حالات اور ان کی ابتدائی زندگی کے واقعات کے پیش نظر یہ دعویٰ بلاخوف تردید کیا جا سکتا ہے کہ وہ ان اعلیٰ وارفع روحانی مقاصد سے بخوبی آشنا تھے جن کے حصول کیلئے خدائے بزرگ وبرتر انبیائے کرام

---

[1] ۔ نور احمد خان فریدی، تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی ص ۳۲۔۳۳، مولانا عبد الرحمن جامیؒ نے اپنی یادگار تالیف نفحات الانس میں سید امیر حسینی کو حضرت بہاء الدین زکریاؒ کا مرید لکھنے کے علاوہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کے حالات زندگی بیان کرتے وقت انہیں حضرت شاہ رکن عالمؒ کا مرید لکھاہے جس کا تذکرہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

علیہم السلام سے قطع نظر اپنے مقربان خاص یعنی اولیائے عظام کو بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود اور رہنمائی کیلئے بھیجا کرتاہے۔
قطب الاقطاب شیخ رکن الدین قدس سرہٗ العزیز کی ابتدائی زندگی کا سرسری سا جائزہ اس حقیقت کو آشکار کر دیتا ہے کہ وہ ان ملی فرائض اور تبلیغی ذمہ داریوں سے کما حقہٗ آگاہ تھے جو انہیں اپنی آئندہ زندگی میں مسند ارشاد پر رونق افروز ہو کر پوری کرنی تھیں اور جن فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعلیم وتربیت کیلئے انتہائی پاکیزہ ماحول اور مناسب وموزوں حالات فراہم کئے تھے۔

قطب الاقطاب شاہ رکن عالم ملتانؒی پر شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا سہروردیؒ، حضرت خواجہ شمس الدین سبزواریؒ، حضرت شیخ جلال الدین بخاریؒ، حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ اور ام المریدین حضرت بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہ کی خاص توجہ اور نظر عنایت تھی۔ چنانچہ حضرت شاہ رکن عالم نے ان حالات کو قدرت کاملہ کا عطیہ عظیم سمجھتے ہوئے ان سے پورا پورا استفادہ کیا۔ انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ رابعہ عصر حضرت بی بی راستی کے دامن محبت، اپنے والد بزرگوار عارف بااللہ شیخ صدر الدین عارفؒ کے سایہ شفقت اور اپنے دادا حضور شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانؒی کی صحبت کیمیاء اثر سے فیض حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

آغوش مادر کی اہمیت

آغوش مادر انسان کی اولین اور ابتدائی تربیت گاہ ہوتی ہے اس تربیت گاہ میں انسان کے مقدر اور مستقبل کا فیصلہ ہوتا ہے۔ پیغمبر آخرالزمان ﷺکا ارشاد مبارک ہے کہ "ماں کے قدموں تلے جنت ہے" اگر تاریخی طور پر دیکھا جائے تو ہمارے سامنے انبیاء کرام علیہم السلام میں حضرت اسماعیل علیہ السلام ائمہ عظام میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور اولیاء اللہ میں حضرت غوث الاعظمؒ کی مثالیں موجود ہیں جنہوں نے نیک

سیرت اور پاک باطن ماؤں کی آغوش میں تربیت پائی اور ان عظیم المرتبت ماؤں سے آداب فرزندی سیکھے۔

حضرت شاہ رکن عالم کی خوش نصیبی تھی کہ انہیں حضرت بی بی راستی جیسی نیک سیرت پاک باطن اور ولی اﷲخاتون کی آغوش تربیت میسر آئی اور انہیں اپنی والدہ ماجدہ کی آغوش محبت سے وہ روحانی فیض ملا جو شاذ ونادر ہی کسی کو ملتا ہے۔

شیخ کے ایام رضاعت

یوں تو حضرت بی بی راستی اکثر وبیشتر باوضو رہتی تھیں لیکن ان کا معمول تھا کہ وہ اپنے فرزند ارجمند شیخ رکن الدین کو دودھ پلانے سے بیشتر وضو کر لیتی تھیں اور پھر قرآن کی تلاوت میں مشغول ہو جاتی تھیں۔ ہر روز ایک قرآن شریف ختم کرنا ان کا معمول تھا۔ صاحب مرآۃ المناقب لکھتے ہیں کہ بی بی راستی رحمۃ اللہ علیہا(حضرت شیخ کو) دودھ پلانے سے پہلے وضو کر لیتی تھیں اور چونکہ حافظ قرآن تھیں اس لئے دودھ پلاتے وقت لوری کی بجائے قرآن تلاوت فرمایا کرتی تھیں اسی حالت میں اگر اذان کی آواز سنائی دیتی تو قطب الاقطاب دودھ پینا چھوڑدیتے اور غور سے اذان سننے لگتے۔ رمضان المبارک میں قطب الاقطاب افطار کے وقت تک دودھ نہ پیتے تھے۔ رات کے پچھلے حصے میں جونہی اُم المریدین تہجد کیلئے بیدار ہوتیں۔ بیدار بخت فرزند بھی جاگ پڑتا اور اشراق کے وقت تک جاگتا رہتا۔ قیلولہ کے وقت آپ پر نیند طاری ہو جاتی اور جب بیدار ہوتے تو رخ انور پر عجیب شگفتگی اور بشاشت نظر آتی۔ ساتھ ہی جبین اقدس سے قطبیت کا نور رہ رہ کر اس انداز سے منعکس ہوتا کہ دیکھنے والوں کے دلوں میں آپ کی جلالت عظمت کاسکہ بیٹھ جاتا۔ آپ پیدائشی طور پر نڈر واقع ہوئے تھے کسی چیز کا خوف آپ پر طاری نہیں ہوتا تھا۔ [1]

[1] ۔ مرآۃ المناقب ص ۳۰، مطبوعہ نو بہار پریس ملتان

شیخ کی زبان سے ادا ہونے والا پہلا لفظ

اُم المریدین حضرت بی بی راستی نے اپنی تمام نوکرانیوں اور گھر میں کام کاج کرنے والی عورتوں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ بچے کو سوائے اسم الٰہی کے اور کسی لفظ کی تلقین نہ کریں اور کوئی دوسرا لفظ اس کی موجودگی میں نہ بولیں اس احتیاط کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب قطب الاقطاب بولنے کے قابل ہوئے تو سب سے پہلے جو لفظ زبان مبارک سے ادا ہوا وہ اللہ جل جلالہٗ کا اسم اعظم تھا۔ صاحب مرآۃ المناقب نے اس واقع کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

’’چوں در صغر سنی حرف زدن آغاز کردن، اولاً اسم ذات بر زبان مبارکش جاری شد۔ بلفظ ’’اللہ‘‘ زبان کشودند‘‘۔[1]

مینارۂ نور

گویا کہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کی حیات وتعلیمات کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے متبرک ومقدس نام پر رکھی گئی پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ یہ عمارت آسمانوں تک بلند ہوگئی اور اس نے ایک ایسے مینارۂ نور کی حیثیت اختیار کر لی جس سے ایک زمانے نے روشنی ورہنمائی حاصل کی۔

شیخ کا پنگھوڑا

جہاں رابعہ عصر حضرت بی بی راؒستی کا مزار مبارک واقع ہے وہاں وہ محل تھا جو حاکم فرغانہ سلطان جمال الدینؒ نے اپنی دختر بلند اختر کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ بی بی راؒستی کی اسی محل میں رہائش تھی اور یہیں قطب الاقطاب شاہ رکن عالم کی ولادت ہوئی۔ حضرت یہیں پلے بڑھے۔ اس محل میں ایک برگد کا درخت تھا جس سے قطب الاقطاب کا پنگھوڑا آویزاں رہتا تھا اور آپ اکثر اس میں جھولا کرتے تھے۔ برگد کے اس درخت اور اس پنگھوڑے کے بارے میں حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کے شاگرد خاص اور خلیفہ مجاز حضرت مخدوم جہانیاں

---

[1] ۔ مرآۃ المناقب ص۳۱، مطبوعہ نو بہار پریس ملتان

جہانگشت ؒ اپنی تالیف ’’مرآۃ المناقب‘‘ میں لکھتے ہیں :
’’مکانے کہ مزار مقدسہ سلطانۃ المشائخ حضرت بی بی راستیؒ پاک دامنہ مادر مریداں واقع است۔ سلطانۃ المشائخ در حین حیات ہم در آنجامسکن داشت ودر آنجا درخت براست بس عظیم وبسیارے زمین سایہ او محیط بود۔ وبر پر برگ آں درخت اسم اعظم ذات ثبت است باہل اللہ مے نماید۔ مہد مبارک حضرت قطب العالم شیخ رکن الدین ابوالفتح بآں مے آدیحتند ‘‘۔[1]

شیخ کا حلیہ مبارک

قطب الاقطاب بچپن ہی سے نیک سیرت اور اوصاف حمیدہ کے حامل ہونے کے علاوہ انتہائی وجہیہ وشکیل واقع ہوئے تھے۔ بچپن ہی سے بزرگی وعظمت کے آثار اور قطبیت عظمیٰ کا نور ان کے چہرہ مبارک سے ہویدا تھا اور دیکھنے والوں پر ان کی جلالت عظمت کا سکہ بیٹھ جاتا تھا۔ [2]

نور احمد خان فریدی کا بیان ہے کہ قطب الاقطاب بہت خوبصورت نوجوان تھے خندہ پیشانی ان کے حسن کو دوبالا کرتی تھی۔ جیسے جیسے ان کی عمر بڑھتی گئی ان کی شان جلالت اور نور قطبیت میں برابر اضافہ ہوتا چلا گیا۔ حتی کہ جب مسند ارشاد اور سجادہ شیخییت پر رونق افروز ہوئے تو بڑے بڑے امرائے سلطنت اور باجبروت وپُرجلال سلاطین جب ان کے رُوبُرو حاضر ہوتے تو ان کی وجاہت اور دبدبہ وجلال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے تھے۔

پاؤں میں معمول لنگ کی وجہ

شیخ کی شکل وشباہت اور قد وقامت کا ذکر کرتے ہوئے ان کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ شیخ رکن الدینؒ حسن وجمال میں یوسف ثانی تھے۔ ان کے ایک پاؤں میں قدرے لنگ کا اثر تھا۔

---

[1] ۔ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی از نور احمد خان فریدی، ص۲۰، بحوالہ مرآۃ المناقب

[2] ۔ نور احمد خان فریدی تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی ص ۴۰

نہ اس قدر کہ برا معمول ہو اور یہ بھی ثابت نہیں کہ کونسا پاؤں تھا۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت لکھتے ہیں:

’’واضح باشد کہ درپائے مبارک حضرت قطب العالم شیخ رکن الدینؒ قدرے اثر لنگے بود۔ درپائے چپ یا دریائے راست۔ بتصحیح نرسیدہ اما بے آسیب وبے ضرب وبے سبب مادر زاد بودہ است‘‘۔[1]

اس کا سبب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے جو بیان فرمایا ہے اسے ان کے خلیفہ اعظم حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ کے الفاظ میں سنیئے:

’’ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام عالم مکاشفہ میں تھے۔ احوال عالم کے علم واطلاع کے بعد آپ پر اس قدر خوف وہراس طاری ہوا کہ اپنے حجرے کا دروازہ بند کرکے توبہ واستغفار کی خاطر سجدے میں گرگئے۔ گریہ وزاری کا یہ عالم تھا کہ مصلی آنسو سے تر ہوگیا۔ کئی دن اسی حالت میں گزر گئے۔ ہائے ہائے کی دردناک آوازیں مسلسل حجرے سے سنائی دے رہی تھیں جن سے لوگوں کے دل چھلنی ہوئے جاتے تھے۔ آپ کے صاحب زادوں اور جاں سیار ارادت مندوں نے دروازہ کھلوانے کیلئے بہت کوشش اور آہ وزاری کی مگر کسی کی عرض قبول نہ ہوئی۔ بالآخر حضرت شیخ کے پیارے پوتے شیخ رکن الدین کو لایا گیا اور انہوں نے دو تین مرتبہ زور سے پکارا دادا جان دروازہ کھولئے شیخ الاسلام اپنے پوتے کی اس پکار پر فرط محبت سے اٹھے اور حجرے کا دروازہ کھول دیا۔

شیخ رکن الدینؒ نے دیکھا کہ ان کے دادا کی خداشناس آنکھیں کثرت مجاہدہ سے سوج آئی ہیں اور ان سے آنسوؤں کی بجائے خون کے قطرے رواں ہیں۔ عرض کی حضور اس گریہ وزاری کا سبب کیا ہے؟ فرمایا جان پدر میں نے عالم مکاشفہ میں دیکھا کہ ایک شخص بہاء الدینؒ جو زہد وورع میں صاحب کمال اور

---

[1] ۔ ایضاً بحوالہ مراۃ المناقب

علم وعمل میں یگانہ روزگار تھا، فوت ہوگیا۔ اس کی عبادت وریاضت اس کے کسی کام نہ آئی۔ اس کے تمام اچھے اعمال اس کے منہ پر مارے گئے اور اس کا ایمان سلب کر لیا گیا۔ یہ حال دیکھ کر مجھ پر خوف کا عالم طاری ہوگیا اور میں نے سوچا کہ خدا جانے مجھ (حضرت بہاء الدین زکریا ملتانؒی) سے کیا سلوک ہوگا؟ دوسرے یہ کہ روز میثاق جب تمام روحوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا گیا تو ارشاد ہوا۔ ''اَلَستُ بِرَبِّکُم ؟'' جواب عرض ہوا ''بلی'' حکم ہوا ''میں تمہارا معبود ہوں مجھے سجدہ کرو'' پہلے حکم پر کئی لوگ سجدے میں چلے گئے اور کئی کھڑے رہے۔ دوسری بار حکم ہوا تو پہلی بار سجدہ کرنے والوں کے ساتھ کئی دوسرے لوگ بھی سجدے میں گر گئے۔ یہ سب مخلصین کہلائے اول مسعود آخر محمود۔ لیکن جن لوگوں نے دوسرے حکم پر بھی سجدہ نہ کیا وہ ''خسر الدنیا والآخرۃ'' کے مصداق بنادیئے گئے۔ خدا معلوم یہ فقیر کس گروہ میں شامل تھا؟ حضرت شاہ رکن عالمؒ ہر چند کہ اس وقت کم سن تھے لیکن مادر زاد ولی اور قطبیت عظمیٰ کے مقام بلند پر فائز ہونے کی بناء پر انہوں نے عرض کیا۔

دادا جان! آپ ہر دو امور کی بابت تسلی فرمالیں کیونکہ حضور کی روح مخلصین کی اس جماعت میں شامل ہے جس نے دونوں مرتبہ خلوص دل سے سجدہ کیا اوراپنے خالق حقیقی کو وحدانیت اور یگانگت میں پہچانا، مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ آپ کی روح اغواث کی صف میں تھی۔ اور میں اقطاب کی صف میں تھا۔ میں نے چاہا کہ انبیاء علیہم السلام کی صف میں چلا جاؤں۔ مگر حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ رکن الدؒین کو اس صف سے ہٹادو۔ حضرت جبرائیل نے مجھے اپنا ایک پر لگایا جس سے میرا پاؤں زخمی ہوگیا اور میں اقطاب کی صف میں لوٹ آیا اور آپ کی روح پُر فتوح کو دیکھا جو اغواث کی صف میں موجود تھی۔ اور رب العزت کی حمد وثناء کررہی تھی۔

قطب الاقطاب کے بیان سے غوث العالمین حضرت بہاء الدین زکریّا کی تسلی ہوئی اور انہوں نے اسی وقت اپنی جبین نیازادائے شکر کے لئے زمین پر رکھ دی اور پھر حجرے سے باہر تشریف لاکر مشتاقان جمال کو شرف دیدار سے نوازا۔

شیخ کی پُرکشش شخصیت اور روحانی چہرہ

غرض یہ کہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی ایک دلکش اور پرکشش شخصیت کے مالک تھے اور بچپن ہی سے ان کے چہرے سے روحانیت کے آثار نمایاں تھے۔ حضرت شیخ کی شکل وصورت کو دیکھ کر ہر شخص متاثر ہوتا تھا۔ ان کی شخصیت کی یہ کشش اور جذب واثر کی کیفیات ان کی زندگی کے آخری ایام تک قائم وبرقرار رہیں اور بہت سے طالبان حق نے صرف ان کی شکل وصورت کی معصومیت اور چہرہ مبارک کی روحانیت کو دیکھ کر ان کے دست حق پرست پر بیعت کی اور ان کی خدمت میں حاضر رہ کر روحانی فیوض وبرکات حاصل کئے۔ ان میں ایک مثال شیخ عثمان سیاح کی ہے جنہوں نے حضرت شیخ رکن الدّین کو دہلی میں دریائے جمنا کے کنارے نماز پڑھتے دیکھا۔ چہرہ اقدس پر نظر پڑی تو دل انوار روحانی سے منور ہوگیا اور شیخ عثمان سیاح نے وہیں حضرت شیخ سے باضابطہ ارادت حاصل کر لی اس کی تفصیلات آئندہ اوراق میں بیان کی جائیں گی۔

شیخ کی عادات وخصائل

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی حسن اخلاق اور اعلیٰ عادات واطوار کا خوبصورت پیکر اور اوصاف حمیدہ وآداب پسندیدہ کاایمان افروز مرقع تھے۔ وہ ایک جامع الصفات شخصیت کے حامل بزرگ تھے۔ طبیعت ومزاج میں شفیق وعمیق اور صورت وسیرت میں یوسف ثانی تھے۔ ہر چھوٹے بڑے، ادنیٰ واعلیٰ اور اپنے پرائے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ ہونہار برواکے چکنے چکنے پات کے مصداق حضرت قطب الاقطاب کی ذات والا صفات سے عمدہ اخلاق واطوار کا اظہار بہت کم عمری کے زمانے میں ہونے لگا تھا اور چونکہ

مادر زاد ولی تھے۔ اس لئے کشف وکرامات اور خوارق کا صدور بھی بچپن ہی سے شروع ہوگیا تھا۔

اوصاف حمیدہ ہی کے باعث رکن عالم کا لقب ملا

حضرت قطب الاقطاب بچپن ہی سے علماء اور مشائخ سے بے حد مانوس تھے اور ان کا بہت ادب واحترام کرتے تھے۔ انہوں نے ظاہری تعلیم اپنے والدبزرگوار سلطان العارفین شیخ صدر الدین عارفؒ سے حاصل کی تھی اور روحانی تربیت میں اپنے جد امجد شیخ الکبیر حضرت بہاء الدین زکریاؒ سے فیض یاب ہوئے تھے۔ دونوں بزرگ قطب الاقطاب کو بہت محبوب رکھتے تھے اور حضرت قطب الاقطاب بھی اپنے بزرگوں کا بے حد ادب واحترام کرتے تھےحضرت قطب الاقطاب کے ان اخلاق حمیدہ اور سعادت مندی کے آثار کو دیکھتے ہوئے حضرت خواجہ شمس الدین سبزواریؒ نے انہیں ”رکن الدین والعالم“ کا لقب عطا فرمایا جو مختصر ہو کر ”رکن عالم“ رہ گیا۔[1]

اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت قطب الاقطاب اپنی زندگی کے ابتدائی ایام ہی سے کس درجہ نیک سیرت، پاک باطن اور اعلیٰ اخلاق وآداب کے حامل تھے۔ شیخ رکن الدینؒ سات مہینے کے ان کے شکم میں تھے۔ حضرت شیخ الاسلام نے اور دنوں سے زیادہ آج ان کی تعظیم کی۔ چنانچہ ان کو تعجب ہوا کہ یہ تعظیم وتکریم معمول کے مطابق نہیں ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اے بی بی یہ تعظیم اس شخص کی ہے جو تیرے شکم میں ہے اور ہمارے خاندان کا چراغ اور ہمارے خانوادے کی شمع ہے۔[2]

مفتی غلام سرور لاہوری نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام نے جواب میں فرمایا تھا کہ یہ تعظیم اس شخص کے واسطے ہے جو تیرے بطن عفت میں ہے وہ ایک آفتاب اوج ولایت وماہتاب برج شرافت ہوگا۔[3]

---

[1] ۔ مراۃ الاسرار، ص ۲۶۰، بزم صوفیہ، ص ۱۸۳، نیز تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ از مولانا فریدی

[2] ۔ سیر العارفین، ص ۱۹۹۔۲۰۰، نیز تاریخ فرشتہ جلد۲، ص ۴۱۱

[3] ۔ حدیقۃ الاولیاء از مفتی غلام سرورلاہوری، ص ۱۵۴

کئی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ سلطان التارکین حمید الدین حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے دست حق پرست پر بیعت کی خواہش ظاہر کی تو حضرت شیخ نے فرمایا:

’’اے تشنہ کام ابھی تیرے پیر بیعت نے عرصہ عدم سے ساحت وجود میں قدم نہیں رکھا۔ چندے انتظار کر‘‘۔[1]

سلطان التارکین نے عرض کیا کہ اس بزرگ کے اسم گرامی سے آگاہی فرمائی جائے تو حضرت شیخ نے فرمایا: ’’وہ فرزند بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے رکن الدینؒ ہوں گے‘‘۔[2]

چنانچہ سلطان حمید الدین حاکم المعروف بہ سلطان التارکین شیخ المشائخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے ارشاد گرامی کے مطابق برسوں قطب الاقطاب حضرت شیخ رکن الدّینؒ کی ولادت کا انتظار کرتے رہے اور جونہی انہیں حضرت شیخ کی ولادت کی اطلاع ملی تووہ حاجیوں کی طرح احرام ارادت باندھ کر مومبارک سے ملتان کی جانب روانہ ہوئے اور حضرت رکن الدین ابوالفتح فیض اللہ کی جو ابھی ایک طفل شیر خوار تھے بیعت کی۔ [3]

سلطان التارکین کی شیخ کی خدمت میں حاضری

سلطان التارکین حمید الدین حاکم مو مبارک سے اپنے شیخ طریقت حضرت قطب الاقطاب کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے رہتے تھے۔ ان کی ملاقات کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ سلطان التارکین حضرت بی بی راستیؒ کے محل کی ڈیوڑھی میں بیٹھ جاتے اور دایہ حضرت قطب الاقطاب کو گود میں اٹھا کر لے آتی۔ سلطان التارکین اپنے مرشد کو اپنی گود میں لے کر پیار کرتے اپنا سر

---

[1] ۔ تذکرہ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ از نور احمد خان فریدی، ص ۱۶۴، علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف لاہور، ۱۹۸۰

[2] ۔ ایضا، ص ۱۶۵

[3] ۔ تفصیلات کیلئے دیکھئے تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی از نور احمد خان فریدی اور تذکرہ جلیلہ از پیر غلام دستگیر نامی۔

اور اپنی آنکھیں ان کے قدموں کو لگاتے اور پھر ان کو ایک خوبصورت پیڑھی پر بٹھا دیتے۔

مشائخ کے زیر اثر خوش حالی اور فارغ البالی کا بے مثال دور

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ، سلطان المشائخ حضرت خواجہ نے بزرگان دین بالخصوص نظام الدین اولیاء خواجہ علاء الدین اجودھنیؒ کی دعاؤں اور حضرت قطب الاقطاب کی صحبت کیمیاء اثر سے سلطان علاء الدین خلجی نے ایسے اصلاحی ورفاہی اقدامات کئے اور مذہبی علماء، فضلاء اور اہل کمال کی جس انداز سے سرپرستی قدر دانی اور ہمت افزائی کی جس سے ارض ہندوستان بقول معاصر مؤرخ بدنی رشک بغداد غیرت مصر، ہمسر قسطنطنیہ اوربیت المقدس کے ہم پلہ بن گئی اور یہاں خوش حال اور فارغ البالی کا ایسا دور دورہ ہوا جس کی ہندستان کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔مؤرخ برنی نے حضرت خواجہ نظام الدینؒ، شیخ علاء الدین اجودھنیؒ اور قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ ایسی عظیم المرتب روحانی شخصیات کے فیوض ظاہری وباطنی برکات کے ان صاحب کمال کے ان کے عہد پر گہرے اور دور رس اثرات کا ذکر کرنے کے بعد اس دور کی بہت سے خصوصیات گنوائی ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل خصوصیات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

۱۔ غلہ، کپڑے اور دیگر اشیاء کی ارزانی اور ان اشیاء کی غریب عوام تک فراہمی۔

۲۔ شراب نوشی، فحاشی اور بدکاری کا انسداد۔

۳۔ بدنظمی، بدعنوانی اور رشوت کا خاتمہ۔

۴۔ باغیوں کی سرکوبی اور سرکش راجاؤں کی اطاعت گزاری۔

۵۔ قلیل اخراجات، عسکری طاقت کا استحکام۔

۶۔ مسلسل فتوحات اور دولت کی فراوانی۔

۷۔ بیرونی خطرات کا خاتمہ یعنی مغل حملہ آوروں کی تباہی
۔

۸۔ ملک کے تمام راستوں کی حفاظت اور امن وامان کا قیام
۔

۹۔ بازاری لوگوں اور تاجروں کا ایماندار ہو جانا۔

۱۰۔ مسجدوں میناروں ، قلعوں ، تالابوں کا کثرت سے تعمیر ہونا۔

۱۱۔ علاء الدین خلجی کے دور حکومت کے آخری دس برسوں میں مسلمانوں کا مجموعی طور سے اسلامی تعلیمات بالخصوص دیانت وامانت، عدل اور انصاف پسندی کی طرف مائل ہونا۔

شیخ صدر الدین عارفؒ کی ایک کرامت

مولانا جمال شیخ ابوبکر زندہ پوش حاکم کے استاد مولانا امام الدین مبارک ملتانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''ایک دن حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ دریا کے کنارے جو ملتان سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر ہے وضوکررہے تھے اور شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ اس وقت سات سال کے تھے اور اپنے پدر بزرگوار کے پاس قرآن حفظ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ صدر الدینؒ جہاں کہیں جاتے شیخ رکن الدین کو اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہتے ناگاہ ایک طرف سے ہرنوں کا گلہ ظاہر ہوا اس گلے میں ایک ہرنی تھی اس کے پیچھے اس کا بچہ تھا۔ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ کی نظر ہرنی کے اس بچے پر پڑی جو اپنی ماں کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ حضرت شیخ رکن الدین چونکہ بچے تھے اس لئے ہرنی کے اس بچے کی طرف مائل ہوگئے۔ وہ پورا گلہ نظروں سے غائب ہوگیا اور شیخ مذکور کی نظر اسی طرف رہی کہ جس طرف ہرنوں کا وہ گلہ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد جب شیخ صدر الدین وضو سے فارغ ہوئے اور دوگانہ ادا کرچکے تو شیخ رکن الدین کو اپنے پاس بلایا بٹھایا اور قرآن شریف منگوایا کہ وہ قرآن پڑھیں۔ شیخ رکن الدین اتنے ذہین تھے کہ روزانہ چوتھائی پارہ حفظ کر لیا کرتے تھے۔ پڑھنے کے بعد اس کو تین

مرتبہ میں حفظ کرلیتے تھے۔ شیخ صدر الدین عارف نے آج پس مرتبہ پڑھایا چونکہ ان کا دل متوجہ نہ تھا۔ اس لئے (سبق) یاد نہ ہوا۔ حضرت شیخ (صدرالدین) نے دریافت حال کیا۔ بعض حاضرین جو اس قصے سے واقف تھے ہرنوں کے گلے کا ادھر سے گزرنا اور ان کا ہرنی کے بچے کو دیکھنا کہ جو اپنی ماں کے پیچھے پیچھے جارہا تھا بیان کیا۔ جب شیخ صدر الدین کو معلوم ہوا کہ ان کا دل اس سبب سے متوجہ (حاضر) نہیں ہے۔ کچھ دیر تامل کیا اور فرمایا کہ ہرنوں کا گلہ کس طرف گیا۔ شیخ رکن الدین نے کہا کہ بابا ہرنی کا بچہ ماں کے پیچھے تھا اور جس طرف وہ گیا تھا وہ بھی بتایا۔ حضرت شیخ صدر الدین نے کچھ دیر اس طرف نظر جمالی، اسی وقت وہ ہرنی بچے کے ہمراہ دکھائی دی کہ دوڑی ہوئی چلی آرہی ہے۔ یہاں تک کہ شیخ رکن الدین کے قریب آگئی اور کھڑی ہوگئی۔ شیخ رکن الدین نے اس ہرنی کے بچے کو گود میں لیا۔ اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور ہرنی کا تھن اس کے بچے کے منہ سے لگادیا۔ کہتے ہیں کہ اسی دن (شیخ رکن الدین)نے آدھ پارہ قرآن حفظ کر لیا، اس ہرنی اور بچے کو ساتھ لے آئے، خانقاہ میں چھوڑدیا جہاں وہ عرصے تک رہا۔[1]

چراغ خاندان وشمع دودمان

اکثر روحانی شخصیات کی ولادت سے پہلے ہی مختلف ذرائع سے ان کے ظہور کی نشانیاں منظر عام پر آجاتی ہیں۔ یا بزرگان دین صاحب کرامت حضرات کی ولادت کی بشارت فرمادیتے ہیں، چنانچہ قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم کی ولادت برسوں پہلے ان کی اس دنیائے رنگ وبو میں آمد کا چرچا تھا۔ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ بانی سلسلہ عالیہ سہروردیہ نے سلطان التارکین کو حضرت قطب الاقطاب کے ظہور کی بشارت دی تھی اور انہیں ہدایت فرمائی تھی کہ وہ اپنا نصیب حاصل کرنے کیلئے ان کی ولادت کا انتظار کریں۔

---

[1] ۔ مولانا جلال الدین ، سیر العارفین، ص ۶۔ ۱۵۵، مرکزی اردو بورڈ لاہور، ۱۹۷۶

شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے بھی شیخ رکن الدین کی ولادت اور ان کے صاحب مرتبہ ومقام ہونے کی بشارت دی تھی۔ اس ضمن میں مولانا جمال لکھتے ہیں کہ شیخ رکن الدین اپنے دادا بزرگوار شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ کے منظور نظر اور اپنے والد حضرت شیخ المشائخ صدر الدین عارفؒ الٰہی کی آنکھوں کا نور تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ بی بی راستیؒ اپنی راستی ودرستی میں رابعہ عصر تھیں اور قرآن کی حافظہ تھیں۔ روزانہ ایک قرآن ختم کرتی تھیں۔ اپنے خسر حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکرؒیا کی مرید تھیں۔ ایک دفعہ وہ شب ماہ (چودھویں تاریخ) کو حضرت بہاء الدین زکرؒیا کے سلام کیلئے آئیں۔ حضرت شیخ رکن الدینؒ سات مہینے کے ان کے شکم میں تھے۔ حضرت شیخ الاسلام نے اور دنوں سے زیادہ آج ان کی تعظیم کی۔ چنانچہ ان کو تعجب ہوا کہ یہ تعظیم وتکریم معمول کے مطابق نہیں ہے۔ حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ بی بی یہ تعظیم اس شخص کی ہے جو تیرے شکم میں ہے اور ہمارے خاندان کا چراغ اور ہمارے دودمان کی شمع ہے چنانچہ ہم نے زیر مطالعہ حضرت شیخ الاسلام کے اس ارشاد کی روشنی میں دودمان وچراغ دودمان کا عنوان دیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کے اس ارشاد کے پیش نظر ہم نے حضرت قطب الاقطاب کی ولادت اور ان کی ابتدائی زندگی کے حالات کو ’’دودمان وچراغ دودمان‘‘ کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔

ایک غیبی اشارہ

یہ واقعہ زبان زد عام ہے کہ شیخ رکن الدین جب چار سال کے تھے تو انہوں نے اپنے دادا حضرت بہاء الدین زکرؒیا کی دستار مبارک اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی تھی۔ اہل تصوف کے خیال کے مطابق شیخ رکن الدین نے یہ اقدام غیبی اشارے کے تحت دانستہ اور شعوری طور پر کیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ شیخ اپنے دادا حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے روحانی جانشین ہیں۔ گویا کہ شیخ رکن الدین کو چار برس کی عمر میں یہ معلوم تھا کہ وہ آگے چل کر کن اعلیٰ وارفع روحانی مدارج پر فائز ہونے والے

ہیں اور خدائے بزرگ وبرتر نے مستقبل میں ان سے کتنے اہم کام لینے ہیں۔ یہ واقعہ کتب تاریخ اور تذکروں میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

شیخ کے بچپن کا ایک اہم واقعہ

ایک دن حضرت شیخ المشائخ بہاء الدین زکریاؒ پلنگ پر بیٹھے تھے اور ان کی دستار مبارک پلنگ کے پایہ پر رکھی تھے اور شیخ صدر الدین عارف پلنگ کے نیچے دو زانو مودب بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح اس زمانے میں چار سال کے تھے اور پلنگ کے چاروں طرف پٹی پکڑے گھوم رہے تھے۔ جب پلنگ کے اس پایے کے پاس پہنچے جس پر شیخ الاسلام کی دستار رکھی تھی۔ تو انہوں نے ایک دم اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔[1]

حضرت شیخ صدر الدینؒ نے آواز دی کہ اے رکن الدین بے ادبی مت کرو۔ حضرت کی دستار سر سے اتار دو اور پلنگ کے اسی پایے پر رکھ دو۔ حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے فرمایا کہ صدر الدین اس کو منع مت کرو کہ اس نے استحقاق کی بناء پر (دستار) سر پر رکھی ہے۔ میں نے یہ دستار اس کو دے دی۔ چنانچہ وہ دستار اسی طرح بندھی ہوئی صندوق میں رکھ دی گئی۔[2]

اس اہم بامعنی اور فکر انگیز واقعے کو مولانا جمال نے سیر العارفین میں اپنے مرشد شیخ سماء الدینؒ کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ :

’’جب اپنے والد کے بعد شیخ رکن الدینؒ سجادہ نشین ہوئے تو انہوں نے وہی دستار سر پر رکھی اور اپنے والد کا وہ خرقہ پہنا

---

1 ۔ سیرالعارفین از مولانا جمال ص ۲۰۰
2 ۔ سالک السالکین جلد۲، ص ۵۲۷

کہ جو حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدینؒ نے حضرت بہاء الدین زکرؒیا کو عطا فرمایا تھا۔‘‘[1]

بی بی راستیؒ اور احکام شریعت کی پابندی

مشہور ومعروف تذکرہ نگاروں کے بیانات کے مطابق حضرت بی بی راستؒی، زہد وتقویٰ، نیکی وپارسائی، اور طہارت وعبادت میں یکتائے زمانہ تھیں اور مقام ولایت پر فائز تھیں۔ حضرت بی بی راستیؒ نہ صرف پابند صوم وصلوٰۃ بزرگ خاتون تھیں اور روزانہ ایک قرآن ختم کرتی تھیں بلکہ احکام شریعت کی بھی سختی سے پابندی کرتی تھیں۔

حضرت بی بی راستیؒ عملی زندگی میں احکام شریعت کا اس درجہ خیال رکھتی تھیں اور اس قدر کامل واکمل تھیں کہ ان کی اعلیٰ وارفع سیرت وکردار کو دیکھ کر گھر کی تمام نوکرانیوں اور خادماؤں نے احکام شریعت کی طرف توجہ دینی شروع کردی اور سب کی سب پابند صوم وصلٰوۃ ہوگئیں۔[2]

’’وہ راستی ودرستی میں رابعہ عصر تھیں اور قرآن کی حافظہ تھیں ۔ روزانہ ایک قرآن ختم کرتی تھیں۔ اپنے خسر حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتاؔنی کی مرید تھیں۔‘‘[3]

بی بی راؔستی کا محل

سلطان جمال الدین نے اپنی نیک سیرت اور لاڈلی بیٹی کے لئے ملتان میں ایک محل تعمیر کرایا تھا۔ شادی کے بعد حضرت بی بی راستیؒ نے اسی محل میں قیام کیا۔ یہیں قطب الاقطاب شیخ رکن الدینؒ پیدا ہوئے اور اسی محل میں انہوں نے پرورش پائی۔[4]

---

1 ۔ سیر العارفین از مولانا جمال ص ۲۰۰۔ ان واقعات کو مورخ فرشتہ نے بھی بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ جلد۲ ص ۴۱۱۔ مولانا جمال کا سن وفات ۹۴۲ھ/۱۴۳۶ء سے ہے جبکہ مورخ فرشتہ ان کے بعد کی شخصیت بنے فرشتہ کے آباء اجداد نے ۹۹۷ھ/۱۵۸۹ءکام کیا۔

2 ۔ اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم ص ۸۷۔

3 ۔ سیر العارفین ص ۱۹۹۔

4 ۔ تاج دار اولیاء از ڈاکٹر منظور جاوید خان ص ۳۸

بی بی راستیؒ اور شیخ ابوالفتح رکن الدینؒ

حضرت بی بی راستیؒ نے اپنے جلیل القدر فرزند ابوالفتح رکن الدینؒ کی تعلیم وتربیت میں بہت حزم واحتیاط اور کمال ذمہ داری سے کام لیا۔ چونکہ حضرت بی بی راستیؒ نے اپنے خسر شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے زیر سایہ باطنی وروحانی تعلیم وتربیت حاصل کی تھی۔ ان کو کلام مجید کی تلاوت سے خاص شغف تھا۔[1]

چنانچہ انہوں نے اپنے فرزند ارجمند کی تعلیم وتربیت اور ان کی پرورش میں خاص دلچسپی لی اور غیر معمولی حزم واحتیاط اور سرگرمئی عمل کا مظاہرہ کیا۔

حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ کی وفات

صاحب مرآۃ الاسرار کے بیان کے مطابق شیخ صدر الدین عارفؒ نے انہتر سال کی عمر میں سن ۹ جمادی الاول ۷۳۵ھ میں وفات پائی۔ [2]

بی بی راستی کی وفات

اگر حضرت شیخ کے اس سن وفات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو حضرت بی بی راستیؒ نے اپنے شوہر نامدار کی وفات کے گیارہ برس بعد ۶۹۵ھ/۱۲۹۰ء میں وفات پائی۔ حضرت بی بی راستی کی تاریخ وصال لفظ ''مخدومہ'' سے اور ان کے شوہر امام العارفین کی تاریخ وفات ''صدر الدین عارف'' سے برآمد ہوتی ہے۔ [3]

رابعہ عصر ام المریدین حضرت بی بی راستیؒ کو اسی محل میں دفن کیا گیا جو ان کے لئے ان کے والد سلطان جمال الدین فرغانیؒ

---

[1] ۔ سید صباح الدین عبد الرحمٰن، بزم صوفیہ ۲۶۱

[2] ۔ شیخ صدر الدین عارف کے سن وفات میں مورخین میں اختلاف رائے ہے۔ تاریخ فرشتہ میں سن وفات ۷۷۶ھ درج ہے جو غلط ہے۔ ان کا سن وفات سفینۃ الاولیاء اور مرآۃ الاسرار میں ۶۸۴ھ درج ہے۔ جبکہ صاحب مرآۃ المناقب نے ان کا سن وفات ۷۰۹ھ لکھا ہے۔

[3] ۔ اولیائے ملتان از بشیر حسین ناظم ص ۳۶، ۸۷۔

نے تعمیر کرایا تھا اور جہاں قطب الاقطاب شیخ رکن الدّین کی ولادت ہوئی تھی۔ حضرت بی بی راستیؒ کا مزار مبارک ملتان ریلوے اسٹیشن کے جنوب کی جانب واقع ہے جو اب قبرستان بی بی پاک دامن کے نام سے مشہور ہے۔

صاحب مراۃ المناقب لکھتے ہیں کہ ام المریدین کو ان کی وصیت کے مطابق اس محل میں دفن کیا گیا جو مخدومہ کے والد ماجد نے تعمیر کرایا تھا۔ اب یہ مقام مقبرہ بی بی پاک دامن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کے نام سے مشہور ہے اور سٹیشن ملتان شہر سے دو فرلانگ جنوب کی طرف واقع ہے مخدومہ کی خانقاہ کے قریب ہی مغرب کی جانب ایک کنواں ہے اسے بھی اُم المریدین کے والد ماجد نے احداث کرایا تھا۔ بی بی صاحبہ رحمۃ اللہتعالیٰ علیہا کا ارشاد ہے کہ جوشخص اس کنویں سےغسل کرتا اور اپنے کپڑے دھوتا ہے اس کے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں اور دل صاف ومنور ہو جاتا ہے۔ [1]

جس کی تفصیلات قطب الاقطاب کے بچپن کے حالات کے باب میں بیان کی گئی ہیں۔ یہاں پر ہم صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ حضرت بی بی راستیؒ ہمیشہ باوضو ہو کر اپنے پیارے بیٹے کو دودھ پلاتی تھیں اور عام ماؤں کی روش سے ہٹ کر بچوں کو دودھ پلاتے وقت لوری دینے کے بجائے کلام اللہ کی تلاوت کیا کرتی تھیں۔ غرض یہ کہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانی کی ابتدائی تعلیم وتربیت اور پرورش میں حضرت بی بی راستیؒ نے اہم کردار ادا کیا۔

بی بی راستی کا مرتبہ و مقام

حضرت بی بی راستی کو شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانؒی کی بہو امام العارفین شیخ صدر الدین عارؒف کی اہلیہ اور قطب الاقطاب شیخ رکن الدین والعاؒلم کی والدہ ہونے کے منفرد اور ممتاز مقامات حاصل ہیں۔ انہیں ان کے مرشد اور شیخ

---

[1] ۔ مرآۃ المناقب۔

طریقت حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے ’’عصمت مآب‘‘ اور ’’پاک دامن‘‘ ایسے لقب عطا کئے جبکہ وہ اپنے ظاہری اور باطنی کمالات کی وجہ سے اپنی زندگی ہی میں رابعہ عصر کہلاتی تھیں اور ان کا شمار سلسلہ عالیہ سہروردیہ کی ولی اللہ خواتین میں سے ہوتا تھا۔ اور وہ اُم المریدین کے لقب سے بھی مشہور تھیں۔

بی بی راَستی کی اولاد

قطب الاقطاب شیخ رکن الدینؒ حضرت بی بی راستی کے اکلوتے فرزند تھے۔ ان کے سوا حضرت بی بی راستیؒ کے بطن سے اور کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔ حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ کی باقی اولاد ان کی دوسری بیوی کے بطن سے پیدا ہوئی جن میں قطب الاقطاب کے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیلؒ بھی شامل ہیں۔ حضرت بی بی راَستی کو اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند عطا کیا۔ یہ ایک فرزند اس عظمت وشان کا مالک تھا جس پر لاکھوں مائیں رشک کرتی رہ گئیں اور تاقیامت مائیں ایسے بیدار بخت، اولوالعزم اور صاحب مقام بیٹوں کی آرزو کرتی رہیں گی۔ حضرت بی بی راستی کو خدائے لم یزل نے فی الحقیقت ایک ایسا گوہر یکتا عطا کیا تھا جس سے ایک زمانے نے روشنی حاصل کی۔

بی بی راستیؒ کے انتظامی فرائض

اُم المریدین خانقاہ معلی کے لنگر خانے کی مہتمم اور نگران تھیں۔ اس زمانے میں خراس کا دستور نہ تھا۔ عورتیں خود ہاتھ سے چکی پیستی تھیں۔ خانقاہ کے درویشوں، طلباء اور مہمانوں سمیت کم وبیش روزانہ پانچ سو افراد کی خوراک کا انتظام کرنا ہوتا اور یہ سب انتظام اُم المریدین حضرت بی بی راَستی کیا کرتی تھیں، چنانچہ حضرت بی بی راَستی کی نگرانی میں بیسیوں پسنہاریاں چکی پیستیں اور ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی تلاوت بھی کرتی جاتیں۔ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے

ہیں کہ ان پسنہاریوں کا بھی دینی مرتبہ اس قدر بلند تھا کہ چکی پر بیٹھتیں تو قرآن ختم کرکے اٹھتی تھیں۔[1]

شیخ رکن الدّین کی ولادت اس محل میں ہوئی جو ان کے نانا حاکم فرغانہ سلطان جمال الدین نے اپنی بیٹی بی بی راؔستی کیلئے تعمیر کروایا تھا۔ حضرت بی بی راستیؒ اس محل میں قیام پذیر رہیں اور یہیں ان کے فرزند ارجمند دریکتا شیخ رکن الدینؒ پیدا ہوئے اور انہوں نے اسی محل میں پرورش پائی۔ شیخ رکن الدّین کی ولادت باسعادت کو ملتان اور سہروردی خاندان کی تاریخ میں قابل ذکر اہمیت حاصل ہے۔ روایت کیا جاتا ہے کہ ان کی ولادت پر انتہائی مسرت وانبساط کے جذبات کا اظہار کیا گیا اور خوشی کے شادیانے بجائے گئے۔ شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا ملتاؔنی اپنی اقلیم تصوف کے وارث اور اپنے روحانی جانشین کی اس دنیائے رنگ وبو میں آمد پر اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے اور داد ہش اور سخاوت اس غایت درجہ مظاہرہ کیا کہ مساکین ویتامیٰ اور غرباء کے دامن مال ودولت سے بھرگئے اور ملتان شہر میں کوئی محتاج نہ رہا۔ ضرورت مندوں اور محتاجوں کی امداد واعانت کے علاوہ شیخ الشیوخ نے اپنے مریدوں کو بیش قیمت تحائف اور تبرکات سے نوازا۔ تذکرہ نگاروں کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے شیخ رکن الدّین کی ولادت پر دھوم دھام سے خوشیاں منائی گئیں اور اس کثرت سے خیرات وصدقات دیئے گئے کہ ملتان شہر میں جشن کی صورت پیدا ہوگئی۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتاؔنی کے مریدین اور مداحین نے بھی اس خوشی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آسمان ولایت کے آفتاب عالمتاب کے طلوع ہونے پر عقیدت وارادت کے پھول نچھاور کئے اور زر وجواہر کے انبار لگادیئے۔

شیخ رکن الدین کی رسم عقیقہ بھی انتہائی شان وشوکت اور تزک واحتشام کے ساتھ ادا کی گئی اس مبارک موقع پر ان کے سر

---

[1] ۔ تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتاؔنی، ص ۳۹

کے جو بال تراشے گئے ان کے وزن کے برابر سونا صدقہ دیا گیا اور ان بالوں کو تبرک کے طور پر رکھ لیا گیا جو اب تک شیخ کے دیگر تبرکات کے ساتھ محفوظ چلے آرہے ہیں۔ [1]

شیخ رکن الدین کی ولادت کے موقع پر خیرات وصدقات کا جوشاہانہ اہتمام کیا گیا اور جس وسیع پیمانے پر غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کی مالی مدد کی گئی اور عوام وخواص کو جس انداز سے تحائف سے نوازا گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ رکن الدین کے روحانی فیوض وبرکات اسی لمحے جاری ہوگئے تھے۔ جب انہوں نے اس عالم کون ومکان میں پہلا سانس لیا تھا۔ فیوض وبرکات کا یہ روحانی سلسلہ ان کی زندگی کے آخری سانس تک جاری رہا۔

اس عالم ہستی میں شیخ رکن الدین کی آمد کا جس طور اور جس انداز سے استقبال کیا گیا اس کے پیش نظر یہ دعویٰ بجا طور پر کیا جا سکتا ہے کہ اقلیم روحانی کی کسی بڑی سے بڑی شخصیت اور کسی مادر زاد ولی کی اس دنیا میں آمد پر اس کا استقبال اس شاندار اور پُروقار طریقے پر نہیں کیا گیا۔

قطب الاقطاب کی وفات کے بعد حالات بدل گئے

البتہ حضرت شاہ رکن عالم ملتآنی کے بعد یہ صورت حال قائم نہ رہ سکی۔ ان کی وفات کے بعد جب مخدوم صدر الدین محمد مسند نشین ہوئے۔ تو انہوں نے اپنے آبائے کرام کی روایات سے انحراف کرتے ہوئے شیخ الاسلام کے منصب سے متعلقہ مراعات حاصل کیں سلطان دہلی سے تحفے تحائف اور نذرانے قبول کئے۔ جیسا کہ کتب تاریخ میں آیا ہے۔[2]

’’کہ سلطان فیروز شاہ نے سندھ کی مہم سے واپسی پر ملتان پہنچ کر مخدوم صدر الدینؒ سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ آپ کے آبائے کرام گاہے گاہے دارالسلطنت میں تشریف لا کر

---

[1] ۔ نور احمد فریدی، شاہ رکن عالم ملتآنی ، ص ۱۸، ناشر قصر الادب جگو والا ، ضلع ملتان۔

[2] ۔ تاریخ معصومی از سید محمد معصوم نیز تاریخ ہند از مولوی ذکاء اللہ اور خلاصۃ الاحباب از محمد افضل۔

سلاطین وقت کو بزرگانہ نصائح سے رہنمائی فرمایا کرتے تھے۔ آپ بھی ان کی سنت کو زندہ کرنے کے لئے ضرور دہلی تشریف لایا کریں۔ مخدوم کو سلطان کا یہ نیاز وانکسار بے حد پسند آیا اور انہوں نے دہلی آنے کا وعدہ فرمالیا۔ چنانچہ جب سلطان بنگال کی مہم سے فارغ ہو کر دہلی پہنچا اور جشن استقبال منعقدکیا تو اس موقع پر حضرت شیخ الاسلام صدر الدینؒ محمد بھی دہلی تشریف لے گئے۔ حصار کے شاہی محل میں سلطان نے آپ سے شیخ الاسلام کے منصب کو قبول کرنے کی درخواست کی۔[1]اور ساتھ ہی گراں بہا خلعت شمشیر مرصع اور زریں ہودج کا ہاتھی نذر کیا''۔

مخدوم جہانیاںؒ کی بحیثیت شیخ الاسلام تقرری

اسی طرح سلطان فیروز شاہ اور اس سے پہلے سلطان محمد تغلق نے حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ کو شیخ الاسلام مقرر کیا۔ محمد تغلق نے چالیس خانقاہیں حضرت مخدوم کے تصرف میں دیں۔ گویا کہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کی وفات کے بعد مشائخ سہرورد نے شیخ الاسلام کے منصب سے وابستہ مراعات کو قبول کرنا شروع کیا جو ان کے مشائخ طریقت کی سنت کے خلاف عمل تھا اور سہروردی روایات سے انحراف کے مترادف امر تھا۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت شاہ رکن عالم نے حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ کے خواب میں آکر انہیں نہ صرف اس امر سے مطلع فرمایا کہ شیخ الاسلام کا منصب قبول کرکے انہوں نے خود کو ہلاکت میں ڈال لیا ہے۔ بلکہ انہیں حکم دیا کہ وہ اس منصب سے دستکش ہو جائیں اور ہندوستان چھوڑ کر مقدس مقامات کی زیارت کے لئے روانہ ہو جائیں۔ اس کی

---

[1] ۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ تاریخی روایات کے مطابق شیخ الاسلام کا منصب ایک موروثی منصب تھا۔ اسی لحاظ سے حضرت بہاء الدین زکریاؒ کی وفات کے بعد ان کے صاحب زادہ حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ اور پھر ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ شیخ الاسلام بنے۔ لیکن چونکہ مخدوم صدر الدین حضرت شاہ رکن عالم کے فرزند نہیں تھے۔ بلکہ بھتیجے تھے۔ اس لئے سلطان فیروز شاہ نے انہیں از سر نوشیخ الاسلام مقرر کیا۔

کیفیت خود حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ نے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

’’سلطان محمد تغلق نے مجھ کو شیخ الاسلام مقرر کیا اور چالیس خانقاہیں میرے تصرف میں دے دیں۔ میرے مرشد شیخ رکن الدینؒ مجھے خواب میں نظر آئے اور فرمایا کہ تو نے اس منصب کو قبول کرکے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لیا ہے۔ بہتر ہے کہ مقامات مقدسہ کو چلے جاؤ وگرنہ غرق ہو جاؤگے‘‘۔[1]

مخدوم جہانیاںؒ کی شیخ الاسلام کے عہدے سے دستبرداری

چنانچہ اپنے مرشد حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت مخدوم جہانیاںؒ شیخ الاسلام کے عہدے سے دستکش ہو کر اسلامی ممالک کی سیر وسیاحت اور فریضہ حج ادا کرنے کی نیت سے نکل کھڑے ہوئے اور اپنے مرشد کامل کی تعمیل ارشاد میں انہوں نے اتنی طویل مسافت طے کی اور اتنے ملکوں کی سیر وسیاحت کے دوران بیشمار علمائے دین اور اکابر مشائخ سے ملاقاتیں کیں اور ان کی صحبت سے روحانی فیض حاصل کیا کہ وہ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ کے منفرد وممتاز لقب سے ملقب ہوئے۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے حالات حضرت قطب الاقطابؒ کے خلفاء کے باب میں رقم کئے گئے ہیں۔

شیخ کبیر اور مغلوں کے حملے

برعظیم میں مغل حملوں کا آغاز حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے عہد میں ہوا حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ جب اپنے مرشد طریقت شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی ہدایت پر اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے ملتان تشریف لائے تو اس وقت ناصر الدین قباچہ حاکم ملتان تھا۔ چنانچہ ۶۲۱ھ/۱۲۲۴ء

---

[1] ۔ الدر المنظوم ص ۱۸۸۔ ۶۰۹

میں چنگیزی لشکر نے حملہ آور ہو کر سندھ میں تباہی برپا کی اور ملتان کو محاصرے میں لے لیا۔ یہ محاصرہ چالیس دن تک جاری رہا ۔ میر محمد معصوم بکھری مغلوں کے اس جملہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ چنگیز خان کی فوج کا ایک حصہ ناصر الدین قباچہ کی حدود سلطنت پر حملہ آور ہوا۔ قباچہ میں اس لشکر کے مقابلے کی تاب نہ تھی۔ جس کی وجہ سے وہ ملتان شہر میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہا۔ مغلوں نے چالیس دن تک شہر کا محاصرہ کئے رکھا۔ ان دنوں میں ناصر الدین قباچہ نے خزانے کے دروازے کھول دیئے۔ [1]

میر محمد معصوم کے اس بیان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صورت حال کس قدر نازک اور سنگین تھی۔ بہرحال چالیس دن کے محاصرے کے باعث محصورین کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی اور اجناس کے ذخائر ختم ہوگئے تھے۔ ان دنوں میں حضرت بہاء الدین زکریاؒ کا آستانہ مرجع خلائق اور صوفیاء کرام کی آماجگاہ تھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ خانقاہ بہائیہ میں قیام پذیر تھے۔ ناصر الدین قباچہ خانقاہ بہائیہ میں ان بزرگان دین کی خدمت میں حاضر ہوا اور گذارش کی کہ اگر تاتاری درندے ملتان پر قابض ہوگئے تو مخلوق خدااں کے مظالم سے تباہ وبرباد ہو جائے گی۔ جس پر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے ایک تیر ہاتھ میں لیا او ر اس پر کچھ پڑھ کر اسے قباچہ کو دیا اور فرمایا کہ اسے تاتاری لشکر کی طرف پھینک دو۔ تیر کا پھینکنا تھا کہ تاتاری لشکر اچانک اور یکایک واپس چلا گیا۔

شیخ الاسلام کے ہمعصر روحانی شخصیات سے گہرے مراسم

شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چونکہ برعظیم میں تصوف کے ایک نئے سلسلے کے بانی تھے اور وہ اسلام

[1] ۔ تاریخ سندھ (تاریخ معصومی) اردو ترجمہ ص ۵۰ مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء۔

کی تبلیغ واشاعت کا کام وسیع اور ہمہ گیر پیمانے پر کرنے کا عزم رکھتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ برعظیم کے تمام اکابر شیوخ کا بھرپور اشتراک وتعاون حاصل کیا جائے۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام نے اپنے تبلیغی مقاصد کو حاصل کرنے اور برعظیم میں ایک مؤثر عالمی تبلیغی نظام قائم کرنے کے لئے ہمعصر بزرگان دین کی امداد واعانت اور اشتراک وتعاون حاصل کیا۔ اس طرح حضرت شیخ الاسلام کے اپنے معاصر مشائخ سے گہرے دوستانہ تعلقات استوار ہوئے۔

حضرت قطب الاقطاب کے معمولات

جدامجد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور اپنے مسلک کی اقدار وروایات کے مطابق انتہائی منظم اور باقاعدہ زندگی بسر کی۔ حضرت شیخ الاسلام نے انہیں بچپن میں عبادت وریاضت کے جس نظام اوقات کا پابند بنایا تھا۔ حضرت قطب الاقطاب اسی نظام اوقات پر زندگی بھرعمل پیرا رہے۔عبادت وریاضت اور اپنے مریدین باصفا اور مبلغین کی روحانی تربیت کے علاوہ حضرت قطب الاقطاب خانقاہ معلیٰ مدرسہ بہائیہ (لنگر خانے اور دیگر رفاہی اداروں اور تبلیغی وفود کو روانہ کرنے کے علاوہ)کے انتظام وانصرام کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ اور مساکین وفقراء کی امداد کے علاوہ حاجت مندوں کی معروضات سن کر ان کی ہرممکن اعانت کرنا بھی حضرت قطب الاقطاب کے معمولات میں شامل تھا۔ حضرت قطب الاقطاب درہم ودینار اور غلہ واجناس کی صورت میں تقسیم فرماتے۔

علاوہ ازیں حضرت قطب الاقطاب اپنی اراضیات، تجارت اور صنعت وحرفت کی نگرانی بھی فرماتے تھے۔ ان کے خادم اور ملازمین تجارت ان کے سامنے اراضیات اور تجارت کی آمدنی اور لنگر خانے، سراؤں مسافر خانے اور محتاج گھرانوں کے اخراجات کے حسابات پیش کرتے اور حضرت قطب الاقطاب ان کی جانچ پڑتال کرکے مناسب ہدایات جاری فرماتے تھے۔ مزید برآں نجی اور خاندانی اُمور پر بھی پوری توجہ فرماتے تھے۔

شیخ حسن افغانؒ

شیخ حسن افغان م ۶۸۹ھ کا بہاء الدین زکریاؒ کے مقبول ترین خلفاء اور سلسلہ سہروردیہ کے معروف مشائخ میں شمار ہوتا ہے۔
عالم، عارف اور پشتو زبان کے ادیب اور مؤرخ تھے ۔
''لرغونی پشتانہ'' پشتون بزرگان ومشاہیر کا تذکرہ لکھا۔
احمد جوانمرد، وادی ژوب بلوچستان شیخ احمد کا خاندان کا ملتان اور اوچ کے سہروردی خاندان مسلسل انتساب رہا۔
آپ نے علاقہ شیرانی وادی ژوب میں ارشاد وہدایت کا سلسلہ جاری کیا تھا۔ خواجہ یحییٰ کبیر غرغشتی ۷۰۷ تا ۸۳۴ھ غرغشت قبیلے سے متعلق تھے۔ یہ شاہ رکن عالمؒ کے خلیفہ مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ کے مرید تھے۔ ان کے خاندان میں کئی افراد درجہ ولایت تک پہنچے، چشتیہ سہروردیہ تذکرہ نویسوں کے مطابق ان کے مریدین کی تعداد ایک لاکھ تین سو ساٹھ تھی۔

مکالمہ صوفی شیخ حمید الدینؒ مابین حضرت شیخ الاسلامؒ

ایک دفعہ شیخ الاسلام حضرت بہا الدین زکریا ملتآنی فقراء کے مجمع میں بیٹھے تھے کہ حضرت حمید الدین (صوفی المتوفی ۶۷۳ خلیفہ اعظم خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ) نے آپ سے سوال کیا کہ حضرت کیا وجہ ہے جہاں خزانہ ہوتا ہے وہاں سانپ بھی ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے "گنج با مار باشد و گل باخار" حالانکہ سانپ اور دولت میں نہ صوری نسبت ہے نہ مصنوی۔ فرمایا سانپ اور مال میں صوری نسبت نہیں ہے لیکن مصنوی نسبت ضرور ہے۔ سانپ زہر کے باعث مہلک ہے اور مال بھی انسان کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ تب شیخ نے طنزیہ کہا یعنی جس شخص نے مال و دولت جمع کر رکھی ہے گویا اس نے سانپ پال رکھے ہیں۔

ہرچند کہ حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے اس مسکت اور دو ٹوک جواب سے زیر بحث مسئلہ کو ختم ہو جانا چاہئے تھا لیکن شیخ حمید الدین کی اس واضح جواب پر بھی تسلی وتشفی نہ ہوئی اور

انہوں نے حضرت بہاء الدّین سے مزید یہ سوال کیا۔ آخر ایسے گندے اور زہریلے کیڑے کو پالنے کی ضرورت کیا ہے کہ جس کیلئے آدمی کو جھاڑ پھونک کا محتاج ہونا پڑے؟

اب تک حضرت بہاء الدین زکریاؒ انتہائی تحمل وبردباری سے پے درپے تھے اور انہیں منطق اور علم الکلام کے ذریعہ مسئلے کی اصل حقیقت ونوعیت سمجھانے کی کوشش کررہے تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ شیخ حمید الدینؒ زیر بحث مسئلے کی علمی سطح پر افہام وتفہیم کرنے کی بجائے ان کی ذات کو محض طنز وتنقید کا نشانہ بنارہے ہیں تو انہوں نے بھی اپنا انداز گفتگو بدل کر وہ زبان اور اسلوب بیان اختیار کیا جس نے شیخ حمید الدین کو بے بس ولاچار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ذات اور اپنے تمول کا شیخ حمید الدین کی ذات اور ان کے حالات سے موازنہ کرتے ہوئے فرمایا۔

آپ کی درویشی اس قدر حسن وجمال نہیں رکھتی کہ اسے بُری نظر لگ جانے کا خدشہ ہو جبکہ ہماری درویشی کو وہ جمال وکمال حاصل ہے کہ اگر اس کے چہرے پر سیاہی کا تلک نہ لگائیں تو نظر لگ جانا لازمی ہے۔ غنا ہمارے رخسارۂ حال کا تل ہے۔ [1]

اس تاریخی مکالمے سے جہاں حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے تبحر علمی، وسعت مطالعہ، طرز استدلال اور علم الکلام میں ان کی مہارت کا پتہ چلتا ہے وہاں اس امر کی بھی واضح طور پر نشاندہی ہو جاتی ہے کہ دولت کے بارے میں ان کا نقطہ نگاہ کیا تھا۔ اور وہ اسے کس قدر حقیر سمجھتے تھے۔

---

[1] ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اخبار الاخیار اردو ص ۶۳ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا اور شیخ حمید الدین رحم اللہ تعالیٰ علیہم کے مابین یہ گفتگو مکالمے کی صورت میں نہیں بلکہ خط وکتابت کے ذریعہ ہوئی تھی۔ نیز یہ کہ حضرت بہاء الدین زکرؒیا کی امیرانہ زندگی پر شیخ حمید الدین کے علاوہ نے بھی اسی نوع کا اعتراض کیا تھا۔ (مصنف)

اس شرمناک صورت حال کو پیدا کرنے میں مطلق العنان اموی اور عباسی فرمانرواؤں اور نومسلم ترک سلاطین کے علاوہ ان ریاکار ودنیادار علماء و مغاربت اورتنخواہ دار قاضیوں فقہاء کا بہت ہاتھ تھا جو حکمرانوں کی حسب منشا کتاب وسنت کی تفسیر وتوضیح کرنے میں کسی قسم کی قباحت یا خوف خدا محسوس نہیں کرتے تھے۔ اس گئے گذرے زمانے میں مسلمانوں میں حال بازوں کی کوئی کمی نہ تھی۔

علماء کا فرض تھا کہ وہ مسلمانوں میں اتحاد اور نظم پیدا کرکے ان کے جذبہ ایمانی کو بیدار کرتے اور ان کے جوش جہاد کو گرماتے مگر علماء کا ایک گروہ یہ کہہ کر چنگیز خان کی حمایت کرتا تھا کہ عباسی خلیفہ ناصر الدین کے ہم نوا ہیں اور چونکہ عباسی خلیفہ سلطان محمد خوارزم شاہ کا دشمن تھا اور سلطان محمد خوارزم شاہ بہت بہادر اور جنگجو تھا لیکن اچانک اس کے دل پر تاتاریوں کا ایسا رعب طاری ہوگیا کہ وہ کہیں بھی جم کر ان کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ اس کا سارا خاندان تباہ ہوگیا خود اس نے بُری حالت میں وفات پائی اور دنیائے اسلام کا ایک بڑا حصہ صرف اسی سے انتقام میں برباد ہوا۔

حضرت قطب الاقطابؒ کی اسلامیان ہند کی روحانی، ذہنی، فکری و معاشرتی خدمات

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالؒم کی حیات مبارکہ اور ان کی پاکیزہ تعلیمات کا ایک نمایاں پہلو اور ان کی دلکش وپُرکشش شخصیت کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے بندگان خدا کی اخلاقی وروحانی اصلاح وتربیت کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے معاشی حالات کو سدھارنے کی خاطر اہم اور مؤثر اقدامات کئے۔ انہوں نے معیشت ومعاشرت، تہذیب وسیاست، صنعت وحرفت اور زراعت وتجارت کو دنیاوی معاملات سمجھ کر ان سے بے اعتنائی نہیں برتی بلکہ انہوں نے اپنے آبائے کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تصوف کی نئی اور انقلابی اقدار وروایات کو قائم وبرقرار رکھا اور زراعت وتجارت میں

حصہ لینے کے علاوہ اپنے عقیدت مندوں کے معاشی مسائل میں بالخصوص اور عوام الناس کے معاشرتی اُمور میں بالعموم دلچسپی لی اور ملکی وملی معاملات میں اس حد تک اقدامات کئے جس حد تک اسلام ان کی اجازت دیتا ہے بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں جن اُمور ومسائل اور معاملات میں مداخلت کرنے کا اسلام حکم دیتا ہے۔

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالمؒ اپنی مجلس میں صرف مسائل تصوف اور اسرار الٰہی ہی بیان نہیں فرماتے تھے بلکہ وہ حاضرین مجلس کو اپنی اخلاقی حالت کو سدھارنے کے ساتھ ساتھ اپنی معاشرت اور اقتصادی حالات کو بھی بہتر بنانے کی پُر زور الفاظ میں تلقین فرماتے تھے۔ ان کی دلی خواہش ہوتی تھی کہ مسلمانوں کے معاشی حالات بہتر ہوں اور وہ اس حد تک رزق حاصل کرسکیں جس سے ان کی اور ان کے اہل خاندان کی گزر اوقات مناسب طریقے سے ہو سکے وہ اپنے مرشد طریقت اور برعظیم میں سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے بانی شیخ الکل حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی طرح اپنے حلقہ ارادت میں شامل ہونے والے حضرات کے ذریعہ معاش، ان کے روزگار اور ان کے خاندانی حالات پر بھی توجہ فرماتے تھے اور انہیں طلب حلال کسب حلال اور رزق حلال کی تلقین وتاکید کرنے کے علاوہ ان کی دنیاوی اور مادی زندگی کو بہتر اور خوشگوار بنانے کے لئے ہر ممکن سعی وکوشش فرماتے تھے۔

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالمؒ کے مرشد طریقت، شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریاملتانیؒ برعظیم میں سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے بانی وموسس اور شیخ الکل تھے۔ ان کا امتیازی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے برعظیم میں راسخ اعتقادات پر مبنی تصوف کی اعلیٰ وارفع روایات کو وسعت وفروغ دیا۔ راسخ الاعتقادیت کی ان پاکیزہ روایات کو سیدنا حضرت محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے پروان چڑھایا تھا اور ان کے تربیت یافتہ شیوخ یعنی حضرت شیخ ابونجیب عبدالقاہر سہروردیؒ اور ان کے خلیفہ مجاز حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ نے اپنی کتب تصوف میں سمودیا تھا۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ تصوف کی اس نئی اور انقلابی روایت کو ماوراء النہر سے اپنے ساتھ ہندوستان لائے تھے۔ چنانچہ راسخ الاعتقادیت کی یہ انقلابی روایت سلسلہ عالیہ سہروردیہ کی امتیازی خصوصیت اور خشت اول ثابت ہوئی اور تصوف کی اس انقلابی روایت کی روشنی میں شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے علمی، نظری، فکری اور عملی ہر سطح پر افراد انسانی کی رہنمائی اور قیادت کا فریضہ ادا کیا۔ شیخ الاسلام کی اصلاحی وتبلیغی سرگرمیوں اور ان کے تجدیدی کارناموں کے شاندار اور دور رس اثرات ونتائج برآمد ہوئے اور اصلاح معاشرہ اور تبلیغ اسلام کے باب میں حضرت شیخ الاسلام اور ان کے روحانی جانشینوں کو بے مثال کامیابیاں حاصل ہوئیں۔

اسلامی تصوف کو عجمی اثرات سے پاک وصاف کرنے اور اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے متعدد مؤثر اور قابل قدر دینی ادارے قائم کئے۔ ان کی تعمیرکردہ خانقاہ معلی قرون وسطی کے ہندوستان میں اسلامی تبلیغ وارشاد اور صوفیانہ تلقین وتفصیل کا سب سے بڑا مرکز اور ان کا جاری کردہ مدرسہ بہائیہ برعظیم میں اسلامی تعلیمات کی عظیم ترین درسگاہ بن گئی۔ جہاں ان مبلغین کی تعلیم وتربیت ہوئی جنہوں نے اسلام کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچادیا۔

شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے برعظیم میں اسلام کے راسخ اعتقادات کو وسعت وفروغ دینے اور ایک پاکیزہ مسلم معاشرے کی تعمیر وتشکیل میں نمایاں حصہ لینے کے علاوہ اسلامیان برعظیم کے مقدر اور مستقبل کو سنوارنے اور اس خطہ ارض کی تاریخ اور جغرافیئے کو بدلنے میں اہم اور بنیادی کردار ادا کیا۔

ہم اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں اس تاریخی حقیقت کو پیش کرتے ہیں کہ پاکستان کا قیام ان علاقوں اور صوبوں میں عمل

میں آیا جن علاقوں اور صوبوں میں سہروردی مبلغین نے اشاعت دین اور تبلیغ اسلام کا کام کیا تھا۔

مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ملتان اور سندھ کے علاقوں میں تبلیغ وارشادکا مؤثر ومنظم اور باقاعدہ آغاز حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اور ان کے دو الوالعزم اور جلیل القدر روحانی جانشینوں یعنی سلطان العارفین حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ اور قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ نے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچادیا جس کا آغاز ان کے مرشد طریقت حضرت شیخ بہاء الدینؒ نے کیا تھا۔

مشائخ سہرورد نے اسلامیان برعظیم کی اس شاندار اور کامیاب انداز سے ذہنی وفکری رہنمائی اور عملی قیادت کی کہ انتشار وخلفشار کی اٹھی ہوئی آندھیاں تھم گئیں، نفرت نفاق اور فتنہ وفسادکے امڈے ہوئے طوفان رک گئے۔ ظلم وتشدد اور جبر واستحصال کے پھیلے ہوئے بادل ہوا ہوگئے اور جہالت وگمراہی کی تاریکیاں چھٹ گئیں۔ یہ مشائخ سہرورد کی رہنمائی وقیادت اور ان کی مسیحائی کا اثر واعجاز تھا کہ برعظیم میں ایک نئے انداز فکر نے سراٹھایا ایک نئی تحریک پروان چڑھنے لگی۔ لوگوں کے اخلاق وآداب اور ان کے طور طریقے بدلنے لگے، ان کی زندگیاں اسلامی تعلیمات کے ایمان افروز سانچوں میں ڈھلنے لگیں۔ اسلامی افکار اور راسخ الاعتقادیات کے روح پرور رحجانات فروغ پانے لگے اور مسلمانوں کا ملی تشخص نکھر کر سامنے آنے لگا۔

اور یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ اسلام کی وسعت واشاعت اور تبلیغ وارشاد کے جس ایمان افروز اور تاریخ ساز سلسلے کا آغاز شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے کیا تھا اور تصوف میں راسخ الاعتقادی کے جس انقلابی رحجان کی طرح انہوں نے ڈالی تھی۔ وہ انقلابی رحجان اور تاریخ ساز سلسلہ اپنی شہرت ومقبولیت اور وسعت وعظمت کے لحاظ سے قطب

الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کے عہد میں اپنے نقطہ اوج وکمال پر پہنچ گیا۔

اپنے ظاہری وباطنی کمالات ، کشف وکرامات اور فیوض وبرکات کے لحاظ سے حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسلام کے اولوالعزم اور جلیل القدر مبلغ اور اپنے والد بزرگوار سلطان العارفین شیخ صدر الدین عارفؒ اور حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے بہترین ترجمان اور کامیاب روحانی جانشین ثابت ہوئے۔ انہوں نے اپنے ملکہ اجتہاد، مجاہدانہ کردار اور مومنانہ فراست سے نہ صرف سلسلہ عالیہ سہروردیہ کی اعلیٰ وارفع اقدار وروایات کو قائم وبرقرار رکھا بلکہ ان میں قابل قدر اضافے بھی کئے جس کی بدولت سہروردی مبلغین کو اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اصلاح معاشرہ کے میدانوں میں شاندار اور ناقابل فراموش کامیابیاں حاصل ہوئیں۔

حضرت شاہ رکن عالمؒ نے اپنی دلآویز شخصیت، ایمان افروز سیرت وکردار اور اپنی کامیاب حکمت عملی کے ذریعے قرون وسطی کی سیاست اور دنیائے اسلام پر گہرے اور دور رس اثرات مرتب کئے۔ یہی اثرات بعد ازاں تجدید واحیائے دین کی مختلف تحریکوں کے آغاز کا سبب بنے اور بالآخر پاکستان کے قیام پر منتج ہوئے۔

برعظیم میں مسلم معاشرے کی صورت گری اور اسلام کے نام پر پاکستان کی تشکیل مختلف روحانی سلاسل کے بزرگان دین کی کاوشوں کی بالعموم اور مشائخ سہرورد کی مساعی جمیلہ کی بالخصوص مرہون منت ہے۔ اس اسلامی مملکت کے حصول میں صوفیائے کرام ہی کے نقش قدم پر چل کر وطن عزیز کو صحیح معنوں میں ایک اسلامی فلاحی مملکت بنایا جاسکتا ہے۔

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کی یاد منانے اور ان کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرنے کی بہترین صورت اور طریقہ یہی ہے کہ ہم ان کی حیات وتعلیمات اور سیرت وکردار کو مشعل راہ بنا کر اسلامی تعلیمات پر عمل کریں

اور اسلامی تصوف کی ایمان افروز انقلابی روایات پر چلتے ہوئے۔ پیغمبر آخر الزمان ﷺکے نور ہدایت کی شمع کو اسی طرح جگمگاتا رکھیں جس طرح حضرت شاہ رکن عالمؒ نے اس شمع نور کو جگمگائے رکھا تھا۔

یہی وہ واحد راستہ ہے جس پر گامزن ہو کر حیات وکائنات کے اسرار ورُموز سے پردے بھی اٹھائے جا سکتے ہیں اور زندگی کی ہر جہت اور ہر شعبے میں تعمیر وترقی بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ہر نوع کے سیاسی ومعاشی اُمور ومسائل کو حل بھی کیا جاسکتا ہے اور عزت وآزادی، ملکی سالمیت، ملی تشخص اور قومی مفادات کی حفاظت وپاسبانی بھی کی جاسکتی ہے۔

غرض یہ کہ شیخ الاسلام امام غزالیؒ، محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانؒی، شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ، شیخ بہاء الدین زکریاؒ، شاہ رکن عالم ملتانؒی اور شاہ ولی اللہمحدث دہلویؒ جیسی روحانی شخصیات اور مفکرین اسلام کے پیش کردہ سیاسی ومعاشی افکار ونظریات اور اخلاقی آداب وضوابط کی روشنی میں کتاب وسنت کے مطاق اسلامی آئین اور اسلامی قوانین بھی وضع کئے جا سکتے ہیں اور اسلام کے مسلمہ دینی اداروں اور تصوف کے مؤثر ومنضبط روحانی نظام کے تحت معاشرتی انقلاب بھی برپا کیا جاسکتا ہے۔

- انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے ۔
- شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات ۔

شیخ کے آباء واجداد کب ہندوستان میں وارد ہوئے؟

شیخ کے آباء واجداد ہندوستان میں کب وارد ہوئے؟ اور انہوں نے ملتان میں مستقل سکونت اختیار کرنے سے پہلے کہاں قیام کیا؟ بعض مؤرخین اور تذکرۂ نگاروں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت قطب الاقطاب کے آباء واجداد سندھ

کے حاکم تھے۔ کہ حضرت قطب الاقطابؒ کے جد اعلیٰ فاتح سندھ محمد بن قاسم کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے۔ جیسا کہ ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ :

’’شیخ رکن الدینؒ بن شیخ شمس الدینؒ (عارف) بن شیخ بہاء الحق زکریا قریشی ملتانؒی مجھے بتایا کرتے تھے کہ ان کے جد اعلیٰ محمد بن قاسم فاتح سندھ کے اس لشکر میں شامل تھے جو حجاج نے عراق سے بھیجا تھا۔ وہ اسی ملک میں رہ گئے اور پھر ان کی اولاد بڑھ گئی۔[1]

لیکن مؤرخ فرشتہ ابن بطوطہ کے اس بیان سے اتفاق نہیں کرتا اس نے لکھا ہے کہ شیخ بہاء الدین زکریؒا کے دادا کمال الدین قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم میں آئے اور وہاں سے ملتان میں آئے۔ کوٹ کروڑ میں مولانا حسام الدین ترمذؒی کی دختر سے ان کے فرزند وجیہ الدین کی شادی ہوئی اور اس کے بطن سے شیخ بہاء الدین زکریارحمۃ اللہ علیہ ۵۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ [2]

سید سلیمان ندوی کی تحقیق

مولانا سید سلیمان ندوی کی تحقیق بھی کم وبیش یہی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانؒی کا قبیلہ دوسری صدی ہجری میں سندھ میں آکر آباد ہوگیا تھا اور پھر اس کے بعد ان کا قبیلہ سکھر کے علاقے میں ’’محمدتور‘‘ نامی قصبے میں بسا اور پھر پانچویں صدی ہجری کی ابتداء میں وہاں سے منتقل ہو کر ملتان چلا آیا۔ [3]

محمد بن قاسم پہلی صدی ہجری کے اواخر میں ہندوستان پہنچا ظاہر ہے کہ اس کے لشکر میں شامل مجاہدین اسلام اپنے بیوی

---

[1] ۔ ابن بطوطہ ،ص ۲۶۴، ابن بطوطہ نے مزید لکھا ہے کہ یہ شیخ رکن الدینؒ وہی ہیں جن کی بابت شیخ برہان الدین اعرجؒ نے سکندریہ میں مجھ سے کہا تھا کہ تو ان سے ملے گا۔ اس واقعہ کو ہم نے قلمبند کیا ہے۔(مصنف)

[2] ۔ تاریخ فرشتہ اردو ص ۶۲۳۔

[3] ۔ عرب وہند کے تعلقات از سید سلیمان ندوی ص ۲۵۵۔ نیز تاریخ سندھ ص ۳۵۸ از سید ابوظفر ندوی

بچوں کو ساتھ لے کر نہیں آئے تھے۔ البتہ سندھ اور ملتان کی فتح کے بعد ان مجاہدین نے اپنے اہل خانہ کو بھی اپنے ساتھ رہنے کے لئے یہاں بلوالیا ہوگا اور یہ سلسلہ برسوں تک جاری رہا ہوگا۔

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیη کی ولادت باسعادت،

نسب نامہ شخصی خصوصیات، اوصاف و محاسن

شیخ کا خانوادہ اصالت ونجابت، ثروت وتونگری، سخاوت وفیاضی، علم وفضل، عزت وجلالت، زہد وتقویٰ اور صدق وصفا میں اپنی مثال آپ تھا۔ ان کے جد امجد فاتح سندھ محمد بن قاسم کے ہمراہ سندھ میں وارد ہوئے تھے۔ ان کے دادا شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اپنے تبحر علمی اور روحانی کمالات کے علاوہ اپنی دنیاوی دولت وثروت اور اثر ورسوخ کے باعث بھی زبردست اہمیت کے مالک تھے۔

ان کے والد بزرگوار سلطان العارفین شیخ صدر الدین عارفؒ اپنے اعلیٰ روحانی مرتبہ ومقام کے علاوہ سخاوت وبزرگی میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ شیخ چھ سات برس کی عمر سے عبادت گزار تھے۔ اپنے ہم عمر بچوں کے کھیل کود اور ہنسی مذاق سے الگ تھلگ ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

شیخ نے اپنے دادا حضور اور اپنے والد بزرگوار سے علوم وفنون کا بہرہ وافر حاصل کیا وہ ان دونوں بزرگوں کے زیر تربیت رہے اور ان دونوں حضرات سے طریقت کے بعد آداب سیکھے شیخ بچپن ہی سے نفحات الٰہی اور عنایات ربانی سے مشرف تھے۔ اور کشف ومشہود کے اعلیٰ مقامات تک پہنچ گئے تھے۔

دادا بزرگوار نے سلوک ومعرفت کی تعلیم دینا شروع کی تو بلند ہمتی سے مجاہدہ وریاضت میں مشغول ہوگئے چنانچہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ اور والد محترم شیخ صدر الدین عارفؒ کی توجہ سے جلد ہی مدینۃ الاولیاء ملتان اور اس کے گرد ونواح میں شیخ رکن الدّین کی بلندی احوال اور علوئے معارف کا چرچا

ہونے لگا اور ان کی شہرت سن کر مشائخ اور درویش ان سے ملاقات کی خاطر آنے لگے۔

درجہ علوم وفنون پر اس قدر عبور حاصل کر لیا تھا کہ اپنے ساتھی طلباء سے بحث مباحثہ کرتے اور احکام شریعت اور احوال ومعارف کے مسائل میں سب کو لاجواب کردیتے تھے۔

شیخ رکن الدین بچپن ہی میں عرفان وآگہی اور سیر وسلوک کی ان اعلیٰ منازل پر فائز ہو چکے تھے کہ ان کی ذات سے کشف وکرامات کا ظہور ہونے لگا تھا۔

اوصاف حمیدہ کے باعث رکن عالم کا لقب ملا

حضرت قطب الاقطاب کے اعلیٰ اخلاق وآداب اور ان کے اوصاف حمیدہ کے پیش نظر اور ان کے چہرے سے ہویدا سعادت مندی کے آثار کو دیکھ کر خواجہ شمس الدین سبزواریؒ نے انہیں ’’رکن عالم‘‘ کا لقب عطا فرمایا۔ صاحب مرآۃ الاسرار کا بیان ہے کہ ان کے ادب سے متاثر ہو کر حضرت خواجہ شمس الدین سبزواریؒ نے ان کو ’’رکن الدین عالم‘‘ کا لقب عطا فرمایا اور وہ ’’رکن عالم‘‘ کے نام سے مشہور ہوئے۔ [1]

اس واقعے سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے قطب الاقطاب اپنے بچپن اور ابتدائی زندگی میں کس درجہ نیک سیرت اور پاک باز ہونے کے علاوہ اعلیٰ اخلاق وآداب اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔

قطب الاقطاب کے بچپن کے اہم واقعات

دنیائے تصوف کی اکثر روحانی شخصیات کی طرح شیخ رکن الدین بھی بچپن ہی سے غیر معمولی ذہنی وفکری صلاحیتوں اور بے پناہ عملی قوتوں کے مالک تھے۔ خدائے بزرگ وبرتر نے انہیں بہت سی صفات سے نوازا تھا۔ چنانچہ ان کی ذات بابرکت سے بچپن ہی کے زمانے میں نہ صرف روحانیت کے آثار نمایاں تھے بلکہ

---

[1] ۔ مرآۃ الاسرار قلمی نسخہ بزم صوفیہ ص ۲۶۲ مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڈھ

خوارق عادات بھی ظاہر ہونے لگے تھے۔ شیخ رکن الدینؒ کے خوارق عادات اور کشف وکرامات کو زیر مطالعہ کتاب کے باب ''منزل طریقت اور مقام مرشد'' کے آخر میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت بہاء الدین زکرؒیا کی بشارت

یہ خدائے بزرگ وبرتر جو علیم وخبیر، قادر مطلق اور خالق کائنات ہے کا کمال ہے کہ شیخ رکن الدؒین سے کشف وکرامات کا صدور بچپن ہی سے ہونے لگا تھا۔ بلکہ ان کی ولادت باسعادت سے پہلے بھی بعض ایسے واقعات کا رونما ہونا کتب تاریخ وسیر میں درج ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ رکن الدؒین کوئی معمولی شخص نہیں تھا۔ شیخ رکن الدین کے صاحب کمال ہونے کا احساس حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی تھا اور انہوں نے اپنے پوتے رکن الدین کی ولادت سے پہلے اس امر کی بشارت دی تھی کہ ان کی وجہ سے ان کے خاندان کا چراغ روشن ہوگا۔ اس واقعے کو شیخ رکن الدین کے قریب العہد تذکرہ نگار مولانا جمال نے ''سیر العارفین'' میں قلمبند کیا ہے۔ جسے گذشتہ اوراق میں ''دودمان اور چراغ دودمان'' کے عنوان کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔

شیخ رکن الدؒین کی سجادہ نشینی کا دور

شیخ رکن الدؒین کی حیات مبارکہ کے تیسرے اور آخری دور کا آغاز اس وقت ہوا جب وہ ۶۸۴ھ/۱۲۸۵ء میں (۳۶) چھتیس برس کی عمر میں پوری آب وتاب کے ساتھ مسند ارشاد پر رونق افروز ہوئے۔ اور نصف صدی سے زائد مدت تک پوری جلالت وعظمت کے ساتھ سجادہ نشین کے فرائض ادا کرنے کے بعد ۷۳۵ھ/۱۳۳۵ء میں (۸۶) چھیاسی برس کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ گویا کہ شیخ رکن الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ جب ملتان کی عظیم الشان سہروردی خانقاہ کے سجادہ نشین بنے تو اس وقت سلطان غیاث الدین ہندوستان کا حکمران تھا اور جب انہوں نے ۷۳۵ھ/۱۳۳۵ء وفات پائی تو اس وقت سلطان محمد بن تغلق ہندوستان پر حکومت کررہا تھا۔[1]

---

[1] ۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے ۶۶۶ھ/۱۲۶۸ء سے لے کر ۶۸۶ھ/۱۲۸۷ء اور محمد بن تغلق نے ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء سے ۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء تک حکومت کی۔ اس طرح شیخ رکن الدینؒ کے دور سجادہ نشینی عہد کے آخری دو سال اور محمد بن تغلق کے دور حکومت کے پہلے دس برس کی مدت شامل ہے۔ شیخ رکن الدین کے ہمعصر سلاطین کے بارے میں

اس طرح ان کا دور سجادگی بلبن سے لے کر محمد بن تغلق سمیت (۹)نو سلاطین دہلی کے عہد پر محیط ہے۔ ہندوستان کی تاریخ کا یہ دور سیاسی معاشی، ثقافتی اور معاشرتی ہر لحاظ سے زبردست اہمیت رکھتا ہے۔ اس دور میں حالات جلد جلد بدل رہے تھے۔ایک تہذیب مٹ رہی تھی اور دوسری تہذیب جنم لے رہی تھی۔ ایک مذہب کی قوت دم توڑ رہی تھی اور دوسرے مذہب کی قوت ابھر رہی تھی۔ ایک معاشرہ سمٹ رہا تھا اور دوسرا معاشرہ وسعت پذیر تھا۔ ایک تمدن اپنے فرسودہ پن کے باعث مردہ ہو کر دفن ہو رہا تھا اور دوسرا تمدن اپنے حیات افکار، ذہن نواز نظریات اور تاریخ ساز تعلیمات کے بانکپن کی بدولت غلبہ حاصل کررہا تھا۔ غرض یہ کہ ہندومت کے جاہلانہ رسوم وقیود میں جکڑے ہوئے مظلوم ومحکوم افراد کو عزت وآزادی عطا کرکے انہیں شرف انسانیت سے ہمکنار کرنے اور صدیوں پر محیط ہندوستان کے دور ظلمت کی جہالت کو مٹانے کے لئے اسلام کا آفتاب عالمتاب طلوع ہو رہا تھا۔ لیکن اس کشمکش اور انقلابی تبدیلیوں کا سب سے نمایاں اور افسوس ناک پہلو یہ تھا کہ اس دور کے مسلم حکمران خالص سیاسی نقطہ نگاہ سے برعظیم پر اپنے غلبہ واقتدار کو مضبوط ومستحکم بنارہے تھے۔ وہ صرف اپنے شخصی خاندان اور گروہی مفادات کا تحفظ کررہے تھے۔ جب کہ اس کے برعکس اس دور میں صوفیہ کرام جن میں مشائخ سہرورد اور دیگر روحانی سلاسل کے اکابر مشائخ خالصتاً دینی مقاصد کے پیش نظر اسلام کی تبلیغ واشاعت اور بندگان خدا کی فلاح وبہبود اور خوش حال فارغ البال کے ساتھ جان ومال آبرو کے تحفظ اور عزت کے لئے سرگرم عمل تھے۔ گویا کہ ایک طرف خود غرض پسند اور مفاد پرست حکمرانوں کی دنیاوی بادشاہت کی شان وشوکت تھی اور دوسری طرف بے لوث، خداداد اور دین دار صوفیہ کرام

تفصیلات آئندہ اوراق میں ’’شیخ رکن الدین‘‘ کی مسند نشینی کے عنوان اور باب چہارم بعنوان ’’شیخ رکن الدین کا عہد‘‘ کے تحت بیان کی جائیں گی۔

کے روحانی احاطہ اقتدار اور باطنی نظام کی جلالت وعظمت تھی۔ ایک طرف سلاطین دہلی کی سیاسی اور فوجی قوت بڑھ رہی تھی۔ ان کی سلطنت کی سرحدیں پھیل رہی تھیں اور دوسری طرف صوفیہ کرام کی تبلیغی سرگرمیوں اور مساعی جمیلہ کی بدولت مسلمانوں کی تعداد اور ان کی استعداد میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ ہر چند کہ صوفیہ کرام برعظیم میں مسلم اُمہ کو تبلیغ دین کے علاوہ مسلمانوں سمیت ہندوستان کے سب عوام کی فلاح وبہبود کے حق میں بہتر سمجھتے تھے۔ اور آڑے وقت میں سلاطین دہلی کی اعانت کرنے کے علاوہ ان کی فتوحات اور کامیابیوں کے لئے دعابھی کرتے تھے۔ لیکن سلاطین دہلی کا صوفیہ کرام کے ساتھ رویہ مختلف تھا۔

صوفیہ کی مقبولیت سے سلاطین خائف تھے

صوفیہ کرام کے ہاتھوں اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اس کے نتیجے میں ان سے حاصل ہونے والی شہرت ومقبولیت کو اپنے سیاسی مفادات کے منافی سمجھتے اور صوفیہ کرام کے تبلیغی مراکز ان کے تعلیمی اداروں اور ان کی خانقاہوں شیخ رکن الدینؒ کے دور سجادگی میں ملکی حالات کو شاہی درباروں کا مدمقابل سمجھتے تھے۔ اور ان کی عوامی شہرت ومقبولیت کو اپنے تخت وتاج کے لئے بہت بڑا خطرہ تصور کرتے تھے۔ شیخ رکن الدین سہروردیؒ کے دور سجادگی میں بہت سے اندرونی وبیرونی امور ومسائل تھے جن سے اس عہد کے مسلمان دوچار تھے جنھیں تفصیلاً زیرمطالعہ کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں پر تو ہمیں صرف اس امر کی وضاحت کرنا ہے کہ جب شیخ رکن الدین ملتانیؒ خانقاہ معلٰی کے سجادہ نشین بنے تو اس وقت ملکی حالات دگرگوں، طبقاتی کشمکش، باہمی آویزش، محلاتی سازشیں، برہمنوں کی ریشہ دوانیاں اسلام دشمن تحریکوں کی فتنہ پردازیاں اور ہندو راجاؤں اور مقامی باشندوں کی بغاوتیں اور تاتاری حملہ آوروں کی یورشیں اپنے نقطہ عروج پر پہنچ چکی تھیں۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے شیخ ابوالفتح رکن الدین ملتانی کا اسم سامی محمد تحریر کیا ہے ۔[1]

شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریاؒ خانقاہ معلٰی اور مدرسہ بہائیہ۔

لاہور میں مولانا محمد اسماعیل اور شہاب الدین غوری کے قائم کردہ دو مدرسے تھے۔
منصور میں قاضی ابومنصوری کا مدرسہ ۔

اوچ میں ناصر الدین قباچہ کا قائم کردہ مدرسہ اور دہلی کا مدرسہ ناصریہ قائم ہوئے۔

منزل طریقت اور مقام مرشد

ابن جبر (متوفی ۶۱۳ھ/۱۳۱۷ء)نے بھی یہی لکھا ہے کہ ہندوستان میں بھی وہی نظام تعلیم جاری کیا گیا جو عراق، شام ، ایران اور بالخصوص خراسان اور موجودہ افغانستان کے علاقوں میں صدیوں سے رائج چلا آرہا تھا۔ آغاز تعلیم قرآن حکیم ہی سے ہوا کرتا تھا جس پر ہر اسلامی ملک میں ہر زمانے میں اصرار کیا ہے۔ پہلے طلباء کو ابتدائی تعلیم دی جاتی۔ یعنی وہ حرف شناسی کے ساتھ ساتھ قرآن مجید حفظ کرتے تھے خط کی مشق کرتے اور صرف ونحو کے بنیادی قواعد ازبر کر لیتے تھے۔ اور اسی طرز کے مدارس قائم ہوئے جسے بغداد، نیشاپور، بخارا اور سمرقند، لاہور، ملتان ، منصورہ، اوچ، دہلی وغیرہ۔

مکتب رشد وہدایت

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام ذہنی وفکری صلاحیتوں، عملی قوتوں اور اپنے تمام تر ذرائع ووسائل کو اسلام کی تبلیغ واشاعت بندگان خدا کی اخلاقی وروحانی اصلاح وتربیت اور مسلمانوں کی دینی ودنیوی فوز وفلاح کیلئے وقف کر رکھا تھا۔ حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ

---

[1] ۔ (۱)نزہۃ الخواطر جلد ۲ ص ۱۹(۲) مرآۃ الاسرار (قلمی نسخہ) جلد۲ ص ۲۶۰(۳) سُرور الصدور۔ ملفوظات شیخ حمید الدین ناگوریؒ۔ مرتب شیخ فرید الدّین تفصیلاً

علیہ مسلسل باون برس تک اپنے دادا بزرگوار شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی مسند ارشاد پر رونق افروز رہے۔ چنانچہ نصف صدی پر محیط اس طویل عرصے کے دوران حضرتِ قطب الاقطاب کی ذات بابرکت کے باعث ملتان کی خانقاہ معلی حسب سابق مرجع خلائق بنی رہی اور سلسلہ عالیہ سہروردیہ کی اس عظیم خانقاہ میں ہر وقت یا ہمہ وقت درویشوں، مریدوں اور سالکان طریقت کا جمگھٹا رہتا تھا۔ طالبان حق دور ونزدیک سے حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ظاہری وباطنی فیوض وبرکات حاصل کرتے تھے۔ علاوہ ازیں لاکھوں گناہگاروں نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کرکے توبہ کی اور لاکھوں افراد ان کی شخصیت وکردار سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

درس وتدریس

خانقاہ معلیٰ میں طالبان حق کی روحانی اصلاح وتربیت کے علاوہ حضرت قطب الاقطاب مدرسہ عربیہ بہائیہ میں بھی ذاتی دلچسپی لیتے تھے۔ اس عظیم دینی درسگاہ کے انتظام وانصرام کے علاوہ حضرت قطب الاقطابؒ بذات خود طلباء کو درس دیتے تھے۔ حضرت قطب الاقطابؒ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا۔ جیسا کہ باب سوم ’’منزل طریقت اور مقام مرشد‘‘ میں بیان کیا جاچکا ہے۔ مدرسہ عربیہ بہائیہ کی شہرت پورے عالم اسلام میں پھیل چکی تھی اور اس درسگاہ میں فقہ، حدیث، تفسیر، علم الکلام، تاریخ اور تصوف کے علاوہ صرف ونحو اور لغت وغیرہ تمام مروجہ اسلامی علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی اور طلباء کو ہنر مند بنانے کے لئے مختلف پیشوں کی عملی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ چنانچہ ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ بیرونی ممالک سے بھی طلباء بڑی تعداد میں حصول علم کی خاطر اس درسگاہ میں آتے تھے۔ اور مختلف علوم وفنون کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ حضرت قطب الاقطابؒ سے رشد وہدایت اور فیض وبرکت بھی حاصل کرتے تھے۔

حضرت قطب الاقطابؒ سفر میں ہوتے یا حضر میں رشد وہدایت

کا یہ سلسلہ برابر جاری رہتا۔ وہ ملتان میں ہوتے یا دارالسلطنت دہلی میں یا پنجاب اور سندھ کے کسی شہر یا گاؤں میں ہوتے طالبان حق اور تشنگان علم ان سے برابر فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔ غرض یہ کہ قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ رشد وہدایت کا ایک ایسا مکتب تھے جن سے عوام و خواص نصف صدی تک مستفیض ومستفید ہوتے رہے۔ عوام الناس کے علاوہ اُمراء، وُزراء، سلاطین وقت اور ہر مکتب فکر کے علماء وفضلاء نے اس مکتب رشد وہدایت سے کسب فیض کیا۔ اس مکتب رشد وہدایت کی وسعت وعظمت کا اندازہ اس امر سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ کہ یہاں سے فیضیاب ہونے والوں میں حضرت مخدوم جہانیاں، جہانگشتؒ، شیخ حمید الدین حاکمؒ، شیخ صدر الدین چراغ ہندؒ، شیخ نجم الدین ابراہیمؒ، شیخ منہاج الحسن بیابانیؒ، شیخ اسد ظفر آبادیؒ، شیخ جلال الدین برکیؒ، شیخ جلال حسام درویشؒ، شیخ حضرؒ، مولانا علی بن احمد غوریؒ، شیخ عمر غوریؒ، شیخ مجدد الدینؒ، مولانا ظہیر الدینؒ اور شیخ قوام الدین گاوزرویؒنی جیسے اکابر مشائخ اور نامور علماء دین شامل ہیں۔

مدرسہ بہائیہ اور مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ

مخدوم جہانیاں جہانگشت ؒنے نہ صرف مشائخ سہرورد کے ملتان میں مدرسے کا ذکر کیا ہے بلکہ انہوں نے اس مدرسے میں تعلیم حاصل کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

’’شیخ رکن الدین رحمۃاللہ علیہ نے خانقاہ کے بجائے مدرسے میں میرے قیام کا انتظام کیا۔ اور حاضرین سے تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ حضرت جلال بخاریؒ کا پوتا ہم سے ملاقات کرنے کے لئے نہیں بلکہ تحصیل علم کے لئے آیا ہے‘‘۔

مخدوم جہانیاں کے ملفوظات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حصول تعلیم کی خاطر ایک سال تک ملتان میں مقیم رہے۔

مخدوم جہانیاں نے شیخ صدر الدین عارفؒ کا تعارف کراتے ہوئے ارشاد فرمایا

’’شیخ العارف ہر مبتدی وفقہی کو بلا کسی امتیاز کے تعلیم دیتے تھے تصرف جدولی ان کی تصنیف ہے‘‘۔

مخدوم جہانیاں جہانگشت رحمۃاللہ علیہ کے مذکورہ بالا بیانات سے یہ امر ظاہر وثابت ہے کہ ملتان کی سہروردی خانقاہ کے ساتھ ایک مدرسہ بھی تھا جس میں مشائخ سہرورد درس بھی دیا کرتے تھے۔ ملتان کے ایک اور مقامی دانشور سید محمداولاد علی گیلانی نے اپنی تالیف ’’مرقع ملتان‘‘ میں نور احمد خان فریدی ہی کی طرح کسی حوالے کے بغیر لکھا ہے کہ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے ہاں درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ بڑے بڑے جید علماء یہاں آتے اور علوم شرعی کی گتھیاں سلجھا کر جاتے۔ مدرسہ کے علاوہ شیخ کے ہاں عظیم القدر لنگر خانہ بھی تھا جس میں خورد ونوش کی اشیاء بکثرت رہتیں۔ شیخ کی دریا دلی مشہور عام تھی اور لاکھوں ان کے فیض باطنی سے بہرہ یاب ہو کر سرفراز وکامران ہوئے۔

ملتان کے ایک مقامی اہل قلم منشی عبد الرحمن خان نے بھی اسی انداز میں ملتان کے ’’قابل ذکر مدارس‘‘ کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ سلسلہ سہروردیہ کا ملتان میں سب سے پہلا مدرسہ ’’مدرسہ بہائیہ زکریا‘‘ تھا جو شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے دین ودنیا کی تعلیم کیلئے قائم کیا۔

ہمارے قریب العہد اور معروف وممتاز شیخ طریقت، حکیم الامت، عالم ربانی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی متقدمین ومتاخرین مشائخ کرام کے ارشادات گرامی کی روشنی میں مرشد کی شرائط کو وضاحت سے بیان کیا ہے چنانچہ شاہ صاحب موصوف اپنی مشہور تصنیف ’’القول الجمیل‘‘ میں فرماتے ہیں کہ بیعت لینے والے میں یعنی پیر اور مرشد میں چند اُمور شرط ہیں:

- شرط اول : علم قرآن اور حدیث کا اور میری یہ مراد نہیں کہ پلے سرے کا مرتبہ علم کا مشروط ہے۔ بلکہ قرآن میں اتنا علم ہونا کافی ہے کہ تفسیر مدارک یا جلالین یا سوا

ان کے مانند تفسیر وسیط یا وجیز واحدی کے محفوظ کر چکا ہو اور کسی عالم سے اس کو تحقیق کر لیا ہو اور اس کے معنی اور ترجمہ لغات مشکلہ کو اور شان نزول اور اعراب قرآنی اور قصص اور جو اس کے قریب ہے اس کو جان چکا ہو۔ (یعنی دو مختلف چیزوں میں تطبیق دینا اور معرفت ناسخ اور منسوخ اور احکام مستنبطہ قرآنی کی) اور حدیث کا علم اتنا کافی ہے کہ ضبط اور تحقیق کرچکا ہو مانند کتاب مصابیح یا مشارق کے اور اس کے معانی دریافت کر چکا ہو اور اس کی شرح غریب یعنی لغات مشکلہ کا ترجمہ اور اعراب مشکل اور تاویل معضل کے برابر رائے فقہائے دین کی معلوم کر چکا ہو۔ (مُشْکل اور مُعْضَل میں فرق یہ ہے۔ مشکل اس دشوار لفظ کو کہتے ہیں جو باعتبار لفظ اور ترکیب نحوی کے صعب ہو اور معضل وہ ہے جس کے معنی مشتبہ ہوں اور ایک معنی کی تعیین نہ ہو سکے یا دوسری حدیث اس کے معارض اور مخالف ہو۔ اس کی وضاحت میں مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ انہوں نے اپنے والد بزرگواار یعنی حضرت شاہ ولی االلہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ لفظ محتمل المعنی اور احادیث متعارضہ میں اتباع مذاہب کے اس واسطے تصریح کی کہ چاروں اماموں کی مخالفت میں ضلالت صریح ہے۔ یعنی اس نے ترک اجماع کیا۔)اور بیعت لینے والا مکلف نہیں علم قرآن میں اختلافات قرات کے یاد رکھنے کا اور نہ علم حدیث میں حال اسانید کے تجسس کا کیا تُو نہیں جانتا کہ تابعین اور تبع تابعین، حدیث منقطع اور مرسل کو لیتے تھے۔ مقصود تو حصول ظن ہے ساتھ پہنچ جانے حدیث کے رسول االلہﷺ تک سو اتنی بات تو کتب معتمدہ حدیث میں تفحص رواۃ پر منحصر نہیں اگرچہ تحقیق فن حدیث میں بدون علم رجال کے حاصل نہیں۔ (منقطع وہ حدیث ہے جس کا راوی اول سند میں مذکور نہ ہو اور مرسل وہ ہے جو آخر سند میں

راوی مذکور نہ ہو۔ چنانچہ تابعین حدیث کو بدون ذکر صحابی کے مذکور کرے چونکہ تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ مشہور وبالخیر تھا اور وسائط سند قلیل ہوتے تھے تو انقطاع سے بھی حصول ظن بلوغ خبر متصور تھا۔ بخلاف غیر تابعین اور تبع تابعین کے کہ ان کو یہ دولت قریبہ خداداد کہاں حاصل۔

- خلاصہ یہ ہے کہ پیری مریدی کے واسطے اتنا علم بھی قرآن اور حدیث کاکافی ہے۔ لیکن عمل بالحدیث اور استنباط احکام کے واسطے کو بہت کچھ درکار ہے) اور بیعت لینے والا علم اصول فقہ اور اصول حدیث اور جزئیات فقہ اور احکام حوادث کے یاد رکھنے کا مکلف نہیں (شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃاللہ علیہ نے حاشیے میں لکھا ہے کہ جزئیات فقہ سے مقابل کلیات مراد نہیں بلکہ صور مفروضہ مراد ہیں جن کی طرف کم ترحاجت ہوتی ہے۔ گویا کہ جزئیات فقہ جو کثیر الوجود اور کثیر الحاجت ہیں ان کا حفظ مشروط ہے) اور مرشد کا عالم ہونا اس لئے شرط کیا ہے کہ غرض بیعت سے مرید کو امر کرنا ہے مشروعات کا اور روکنا اس کو خلاف شرع سے اور اس کی رہنمائی طرف تسکین باطنی کے اور دور کرنا بدخوؤں کا اور حاصل کرنا صفات حمیدہ کا پھر مرید کا عمل میں لانا اس کو جمیع اُمور مذکورہ میں سو جوشخص عالم اور واقف ان اُمور سے نہ ہوگا اس سے یہ کیونکہ متصور ہوگا۔(اس شرط پر القول الجمیل کے مترجم تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا معاملہ بالعکس ہوگیا ہے فقرائے جہال کو اس زمانے میں یہ خبط سمایا ہے کہ پیری مریدی میں علم کا ہونا کچھ ضروری نہیں بلکہ علم درویشی کو مضر ہے اس واسطے کہ شریعت کچھ اور ہے اور طریقت کچھ اور حالانکہ صوفیان قدیم کے کتب اور ملفوظات میں مثل قوت القلوب اور عوارف اور احیاء العلوم اور

کیمیائے سعادت اور فتوح الغیب اور غنیۃ الطالبین تصنیف حضرت عبد القادر جیلانی رحمۃاللہ علیہ میں صاف مصرع ہے کہ علم شریعت شرط ہے طریقت اور تصوف کی۔ یہ بھی جہالت کی شامت ہے کہ جن مرشدوں کا نام صبح وشام مثل قرآن اور درود کے ذکر کیا کرتے ہیں ان کے کلام سے بھی غافل ہیں کہ وہ کلام کیا فرماگئے ہیں)۔ اور متفق ہے مشائخ کا قول اس پر کہ وعظ نہ کرے لوگوں کو مگر وہ شخص جس نے کتابت حدیث کی ہو۔ یعنی روایت کی ہو استاد سے اور جس نے قرآن پڑھا ہو۔ جس نے متقی علماء کی بہت مدت تک صحبت اختیار کی ہو اور ان سے ادب سیکھا ہو اور حلال اور حرام کامکمل شناسا ہو۔ اورکتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺکا عامل ہو اور اپنے افعال اور اقوال اور حالات کو کتاب وسنت کے موافق کرلیتا ہو تو امید ہے کہ اس قدر معلومات بھی اس کو کفایت کرے۔

- حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مرشد کے لئے دوسری شرط عدالت اور تقویٰ بیان فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ مرشد کے لئے واجب ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز رکھتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اڑ نہ جاتا ہو۔ حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی نے حاشیے میں لکھا ہے کہ تقویٰ مرشد کا اس واسطے مشروط ہوا کہ بیعت مشروع ہوئی ہے واسطے صفائی باطن کے اور انسان مجہول ہے۔ اپنے بنی نوع کی اقتدائے افعال پر اور صفائی باطن میں فقط قول بدون عمل کے کفایت نہیں کرتا۔ سو جو مرشد کہ اعمال خیر سے متصف نہ ہو فقط زبانی تقریروں پر کفایت کرتا ہو وہ شخص حکمت بیعت کا برہم زن ہے۔
- مرشد کے لئے تیسری شرط بیعت لینے کی یہ ہے کہ دنیا کا تارک ہو اور آخرت کا راغب ہو محافظ ہو طاعات موکدہ اور اذکار منقولہ کا صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں۔

مدام تعلق دل کا اللہ پاک سے رکھتا ہو اور یادداشت کی مشق کامل اس کو حاصل ہو۔

- مرشد کے لئے بیعت لینے کی چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ امر کرتا ہو مشروع کا اور خلاف شرع سے روکتا جو مستقل ہو اپنی رائے پر نہ کہ مرد ہر جائی ہر دم خیالی جس کو نہ رائے ہو نہ امر مر وت والا اور صاحب عقل کامل کا ہو تاکہ اس پر اعتماد کیا جاوے اس کے بتائے اور روکے ہوئے فعل پر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ گواہی ان کی مقبول ہے جن گواہوں کو تم پسند کرو سو کیا تیرا گمان ہے صاحب بیعت کے ساتھ یعنی جب مشاہدوں میں عدالت شرط ہوئی تو بیعت لینے والے مرشد میں بطریق اولیٰ عدالت اور تقویٰ شرط ہوگا۔
- مرشد کے لئے بیعت لینے کی پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ مرشدان کامل کی صحبت میں رہا ہو اور ان سے ادب سیکھا ہو۔ زمانہ دراز تک اور ان سے باطن کا نور اور اطمینان حاصل کیا ہو۔ صحبت کاملین مرشد کے واسطے اس لئے مشروط ہوئی کہ عادت الٰہی یوں جاری ہوئی ہے کہ مراد نہیں ملتی جب تک مراد پانے والوں کو نہ دیکھے جیسے انسان کو علم نہیں حاصل ہوتا مگر علماء کی صحبت سے اور ایسی قیاس پر مختلف پیشے ہیں جیسے آہن گری بدون صحبت آہن گر یا نجاری بدون صحبت نجار کے نہیں آتی۔ بیعت لینے کے لئے نہ تو کرامات اور خوارق عادات کا ظاہر کرنا شرط ہے اور نہ اپنے دنیاوی کاروبار اور پیشہ کو ترک کرنا شرط ہے۔ اس لئے کہ ظہور کرامات اور خوارق عادات ثمرہ ہے مجاہدات اور ریاضت کشی کا نہ شرط کمال کے اور ترک اکتساب مخالف شرع ہے اور دھوکہ نہ کھاؤ اس سے جو درویش مغلوب الاحوال کرتے ہیں۔ یعنی جو صاحب حال بسبب غلبہ اپنے حال کے کسب حلال کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ ان کے فعل کو دلیل نہ پکڑنا ترک کسب پر

منقول تو یہی ہے کہ تھوڑے پر قناعت کرنا اور شبہات سے پرہیز کرنا یعنی مال مشتبہ اور پیشہ مکر اور مشتبہ سے بچنا ضرور ہے۔ اس ضمن میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ؒرقمطراز ہیں کہ:

’’یہی شرط ارشاد نہیں کہ کمال ترہب اختیار کرے یعنی عبادات شاقہ کا اپنے اوپر لازم کرنا چنانچہ صوم دیر اور تمام رات جاگنا اور گوشہ گیری نساء سے کرنا اور طعام لذیذ کا نہ کھانا اور جنگل یا پہاڑوں پر رہنا چنانچہ ہمارے زمانے کے عوام میں اس کو شرط کمال کی جانتے ہیں۔ جب کہ یہ اُمور ’’تشدد فی الدین‘‘ اور ’’تشدید علی النفس‘‘ میں داخل ہیں رسول خدا ﷺنے فرمایا کہ سخت نہ پکڑو اپنی جانوں کو تو اﷲ تعالیٰ تم کو سخت پکڑے گا اور فرمایا کہ رہبانیت اسلام میں جائز نہیں۔‘‘[1]

مرشد طریقت کو جن اعلیٰ وارفع صفات سے آراستہ ہونا چاہئے اور منصب مرشد پر فائز ہونے یعنی بیعت لینے والے شیخ کے لئے جن شرائط کو پورا کرنا لازمی ہے۔ ان اُمور کا جاننا زیر مطالعہ تصنیف کے قارئین کے لئے بالعموم اور ان حضرات کے لئے بالخصوص مفید، معلومات افزاء اور ضروری ہے جو مسلک طریقت کو اختیار کرنے اور کسی شیخ کامل کے دست حق پرست پر بیعت کرنے کے خواہشمند ہیں چنانچہ ایسے سالکان طریقت کی سہولت اور رہنمائی کے لئے ہم نے مرشد کی منجملہ شرائط اور صفات کو یہاں پیش اور بیان کیا ہے تاکہ تصوف وطریقت سے شغف رکھنے والے حضرات مرشد کا انتخاب کرتے وقت صفات مرشد کے علاوہ اس اعلیٰ معیار کو پیش نظر رکھ سکیں جو ہر دور اور ہر زمانے کے اکابر مشائخ نے مقرر فرمایا ہے۔ مزید برآں ان صفات وشرائط کو یہاں قلمبند کرنے کا بڑا مقصد جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے یہ جاننا

---

[1] ۔ شفاء العلیل ترجمۃ القول الجمیل ص ۲۰ تا ۲۸، مصنفہ حضرت شاہ ولی اﷲرحمۃ اللہ علیہ ، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔

تھا کہ قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتاؔنی کی ذات گرامی میں شیخ طریقت کی صفات کس درجہ موجود تھیں اور وہ کس مرتبہ ومقام کے مرشد طریقت تھے؟

شیخ رکن الدین ملتانی نے ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کا زمانہ پایا

شیخ رکن الدین ملتانی رحمۃاللہ علیہ کی ولادت کے بارے میں لکھا جا چکا ہے کہ ساتویں صدی ہجری کے عین وسط یعنی ۶۴۹ھ میں ہوئی اور انہوں نے آٹھویں صدی ہجری کے چوتھا عشرے کے وسط یعنی ۷۳۵ھ میں وفات پائی۔ اس طرح انہوں نے ساتویں صدی ہجری کے نصف آخر اور آٹھویں صدی ہجری کے تقریباً نصف اول کا زمانہ پایا۔ اسی لئے مناسب ہوگا کہ ان فتنوں اور خطرات وخدشات کی وضاحت کردی جائے جن سے اُمت مسلمہ ان دو صدیوں کے دوران دو چار رہی تاکہ ہمیں حضرت شیخ رکن الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد کے حالات وواقعات سے پوری طرح آگاہی ہو سکے اور ہمیں معلوم ہو سکے کہ انہوں نے کن نازک، مشکل اور پریشان کن حالات میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا اہم اور بنیادی فریضہ ادا کرنے کے علاوہ ملت اسلامیہ کے تہذیبی ورثوں اور روحانی اثاثوں کی حفاظت اور مسلمانوں کے ملی تشخص کو قائم وبرقرار رکھنے کے باب میں تاریخ ساز جدوجہد کی ۔

شیخ رکن الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد کے اہم خطرات وخدشات

شیخ رکن الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں ملت اسلامیہ جن اہم اور بڑے خطرات خدشات سے دو چار تھی ان میں مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں :

- تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی تخریب وتباہی ۔
- قرامطیوں اور باطنیوں کی اسلام دشمنی اور ہلاکت آفرینی۔
- اباحتیوں کی شرم ناک اور ناقابل برداشت سرگرمیاں ۔

- بھگتی تحریک کے پردے میں برہمنوں کی خطرناک سازشیں۔
- سلاطین دہلی کے گمراہ کن مذہبی رحجانات، متضاد رویے اور ان کی اخلاقی پستی ۔
- ہندوستان کے مسلمانوں کی بے بسی اور مفلسی ومحرومی ۔

اب ہم شیخ الاسلام رکن الدین ابوالفتح سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد کے مذکورہ بالاُ امور ومسائل اور خطرات وخدشات کو الگ الگ قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں جن سے شیخ رکن الدین کے عہد کے مسلمان ملکی اور عالمی سطح پر دو چار تھے اور شیخ رکن الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر مسلم فرمانرواؤں کے مخصوص مذہبی رحجانات، ان کے نظام حکومت اور سیرت وکردار پر روشنی ڈالتے ہیں تاکہ ان کے عہد کے احوال وآثاراور ان کی تبلیغی سرگرمیاں، دینی وتجدیدی خدمات اور اصلاحی کارنامے نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آسکیں ۔

شیخ زادہ ہود شیخ رکن الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کا پوتا تھا اور بادشاہ شیخ رکن الدین قریشی کی بہت تعظیم کرتا تھا اور اسی طرح ان کے بھائی (شیخ) عماد الدین کی بھی۔ (شیخ) عماد الدین رحمۃاللہ علیہ کی شکل بادشاہ سے ملتی جلتی تھی۔ چنانچہ کشلوخان کے خلاف جنگ کے دن دشمنوں نے عماد الدّین کو بادشاہ سمجھ کر قتل کردیا۔ جب (شیخ) عماد الدّین کو ہلاک کر دیا گیا تو بادشاہ نے ان کے بھائی شیخ رکن الدّین کو مصارف خانقاہ کے لئے ایک سو گاؤں جاگیر میں دیئے۔

شیخ رکن الدّین کی وفات کے بعد شیخ ہودؒ اپنے دادا کی وصیت کے مطابق خانقاہ کے متولی مقرر ہوئے لیکن شیخ رکن الدینؒ کے ایک بھتیجے نے تنازعہ کیا اور کہا کہ میں اپنے چچا کی مراث کا زیادہ تر مستحق ہوں۔ پھر وہ دونوں بادشاہ کے پاس دولت آباد پہنچے۔ دولت آباد ملتان سے اسی (۸۰)منزل ہے بادشاہ

نے شیخ کی وصیت کے پیش نظر ہود کو سجادہ نشین مقرر کردیا۔ ہود عمر میں بڑا تھا اور شیخ رکن الدّین کا بھتیجا ابھی نوجوان تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ ہود کی نہایت تعظیم وتکریم کی جائے اور جس منزل میں وہ قیام کرے بادشاہ کی جانب سے اس کی دعوت کی جائے۔ شہر کے مشائخ اور حکام کو حکم دیا کہ اس کے استقبال کو جائیں۔ جب وہ دارالسلطنت (دہلی) میں پہنچا تو شہر کے تمام علماء، قاضی اور مشائخ اس کے استقبال کے لئے آئے۔ (یعنی ابن بطوطہ) بھی ان میں شامل تھا۔ شیخ (ہود) ایک پالکی میں سوار تھا جسے کہار لئے جاتے تھے۔ اس کے گھوڑے کو تل چلے آرہے تھے۔ ہم نے اسے سلام کیا مگر اس نے پالکی میں سوار ہونا پسند نہ کیا۔ میں نے کسی سے کہا کہ اس کو چاہئے کہ گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ تاکہ جو قاضی اور مشائخ اس کے استقبال کے لئے آئے ہیں ان کے ساتھ سوار ہو کر چلے۔ یہ بات کسی نے اس تک پہنچا دی۔ چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار ہوگیا اور عذر کیا کہ تکلیف کے باعث وہ گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتا تھا۔

اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ وقت کے دبیز پردوں کو اٹھایا اور زمانے کی گرد کی تہوں کو ہٹایا جائے اگر ہم ان گردتہوں معروف ومستند کتب تاریخ وتذکرہ کا بغور مطالعہ کریں جن میں حضرت کے حالات زندگی مرقوم ہیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ حضرت قطب الاقطابؒ اپنے منصب سجادگی سے کبھی بھی دستبردار نہیں ہوئے اور نہ ان کی زندگی میں علم الدین خانقاہ معلیٰ کے سجادہ نشین بنے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ علم الدین نے حضرت قطب سے دہلی میں مناظرہ کیا ہو۔ لیکن یہ مناظرہ اس انداز سے نہیں ہوا جس طرح مولوی اور شیخ نے بیان کیا ہے اور نہ اس مناظرے میں فریقین کی جانب سے وہ سوال جواب ہوئے جو شیخ نے تحریر کئے ہیں ۔

ہماری تحقیق کے مطابق اب ہم اپنے مذکورہ بالا بیانات کے ثبوت میں ناقابل تردید تاریخی حقائق وشواہد پیش کرتے ہیں۔ جن سے مسئلہ زیر بحث میں اصل حقیقت نمایاں ہو کر ہمارے سامنے

آجائے گی اور تذکرہ نگاروں کی کم فہمی سہل انگاری غلط بیانی اور ان کی غیر محتاط اور غیر ذمہ دارانہ روش سے جو تلخ اور تکلیف دہ صورت حال پیدا ہوگئی ہے وہ رفع ہو جائے گی۔ اس ضمن میں ہم سب سے پہلے گذشتہ اوراق یعنی یہ بات تو صاف ہو چکی ہے کہ نسبی علم الدین علامہ نہ تونسبی قربت میں حضرت قطب الاقطابؒ سے بڑھ کر تھے اور نہ انہیں حضرت قطب الاقطاب پر کسی بھی لحاظ سے فضیلت حاصل تھی۔ با الفاظ دیگر وہ وجوہات ہی موجود نہیں تھیں جن کی بناء پر مولانا علم الدین یا کوئی اور شخص حضرت قطب کے خلاف اس نوع کا دعویٰ دائر کر سکتا تھا۔ یعنی جب بنائے دعویٰ ہی موجود نہیں تھی۔ پھر دعویٰ کیونکر ہو سکتا تھا؟ اس لئے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بنائے دعویٰ موجود نہیں ہے تو دعویٰ چہ معنی دارد؟

لیکن اس دنیائے رنگ وبُو میں ہر بات ممکن ہے اس لئے ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ علم الدین علامہ نے حضرت قطب الاقطابؒ کے خلاف اس نوع کے الزام عائد کئے۔ ہمیں یہ بات اس لئے بھی فرض کرلینی چاہئے کہ ماضی اور حال کے تذکرہ نویسوں اور ارباب اہل قلم علم ودانش نے اس واقعہ کو قلمبند کیا ہے اور آج کے صاحب علم وفضل قارئین اور دانشور اس واقعہ کو پڑھتے ہیں اور کوئی سوال یا اعتراض ان کے ذہنوں میں نہیں ابھرتا۔

کشلوخان کی بغاوت کی کہانی ابن بطوطہ کی زبانی

کشلو خان کی بغاوت کے اسباب وحالات بیان کرتے ہوئے ابن بطوطہ رقمطراز ہے:

’’بہاء الدین گستاشپ اور بہادر بھنورا (غیاث الدین) کی بھوسہ بھری کھالیں جب ملک سندھ میں پہنچیں تو اس وقت سلطان (غیاث الدین تغلق) کا دوست کشلوخاں وہاں کا حاکم تھا۔ سلطان محمد بھی اس کی بہت تعظیم کرتا تھا اور اسے چچا کہا کرتا تھا۔ کشلو خان جب دارالسلطنت میں آتا تو اس کے استقبال کو

جایا کرتا تھا۔ کشلوخان نے ان دونوں کھالوں کو دفن کرادیا۔ سلطان کو خبر ہوئی تو وہ بہت خفا ہوا۔ اور اس نے کشلو خان کے قتل کا قصد کیا اور اسے بلوا بھیجا۔ کشلوخان نے بھی بھانپ لیا کہ سلطان اسے سزا دینا چاہتا ہے۔ اس نے سلطان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور آمادۂ بغاوت ہوا۔ کشلوخان نے ترکوں، افغانوں اور اہل خراساں کو اپنی مدد کے لئے طلب کرلیا۔ بہت سے لوگ اس کی مدد کو آئے اور اس کا لشکر شاہی لشکر کے برابر بلکہ اس سے پہلے ہی از خود مسئلے کا حکم ان کے سامنے بیان کردیا۔)پھر قابل ذکر امر یہ ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق صوفیاء بالخصوص مشائخ سہروردی کا بہت مداح تھا اور ان کی خدمت میں حاضری دینے کے علاوہ ان کے بارے میں معلومات بھی حاصل کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک روز مولانا ظہیر الدین سے دریافت کیا کہ آپ نے شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ کی کبھی کوئی کرامت بھی دیکھی ہے؟ جس کے مولانا ظہیر الدین نے حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ کرامت اور وضو کے مسئلہ کے بارے میں حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کا تفصیلی جواب بادشاہ کے اس استفسار پر مولانا ظہیر الدین نے جو جواب دیا اسی سے جہاں حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب کشف وکرامات ہونے کا ثبوت ملتا ہے وہاں ان کے علمی مرتبہ ومقام اور احکام شریعت میں ان کے درجہ کمال پر فائز ہونے کی واضح نشاندہی ہوتی ہے -[1]

قطب الاقطاب کی بے پناہ سخاوت

---

[1] - رحلۃ ابن بطوطہ، ص۳۲۱-۳۲۰۔ مورخ فرشتہ نے یہ حالات ذرا مختلف انداز سے قلم بند کئے ہیں اور ملک بہاء الدین گشتاسب کو محمد بن تغلق کا چچا زاد اور اسی کا لقب گرشاسپ لکھا ہے ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ جلد ۱ ص ۴۳۱۔ ہم نے ابن بطوطہ کی تحریر کو اس لئے ترجیح دی ہے چونکہ وہ محمد بن تغلق کا ہم عصر تھا اور مورخ فرشتہ زمانہ مابعد کا مورخ ہے۔ (مصنف)

آپ کو لاکھوں روپے نذرانے کے طور پر وقتاً فوقتاً پیش کئے گئے جو انہوں نے کھڑے کھڑے ضرورتمندوں اور غرباء ومساکین میں تقسیم کردیئے اور ایک حبہ بھی اپنے پاس نہیں رکھا۔ ان واقعات کی تفصیلات زیر مطالعہ تصنیف کے باب ''سیرو فی الارض'' میں شیخ رکن الدیؒن کے دارالسلطنت دہلی کے دورے کے عنوان کے تحت دیکھی جا سکتی ہے۔

شیخ رکن الدینؒ کے سلاطین سے روابط پر مؤرخین کی تنقید اور تبصرہ

شیخ رکن الدین سہروردی قدس سرّہٗ اور شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلاطین دہلی کے ساتھ روابط پر کڑی نکتہ چینی کر کے ان کی دولت وثروت پر سخت تنقید کی ہے۔ [1]

مشائخ سہروردیہ کے ناقدین کے اس گروہ میں ڈاکٹر شمیم زیدی اور ''پنجاب کے صوفی دانشور'' کے مؤلف قاضی جاوید خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[2]

پروفیسر خلیق احمد نے بھی مشائخ سہرورد رحہم اللہ کے طرز زیست اور سلاطین دہلی کے ساتھ ان کے روابط پر اپنے انداز سے تنقید کی ہے۔ [3]

مشائخ سہرورد کے ناقدین اور معترضین کی تحریروں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اعتدال وتوازن کے دامن کو چھوڑ کر افراط وتفریط کا راستہ اختیار کیا ہے اور مشائخ سہروردیہ بالخصوص شیخ رکن الدّین کے احوال وآثار بیان

---

[1] ۔ مشائخ سہروردؒیہ کا طرز زیست، دینی خدمات، اصلاحی وتجدیدی کارنامے اور سلاطین دہلی کے ساتھ ان کے روابط اصل نوعیت اور تاریخی اہمیت کو جاننے کے لئے ملاحظہ ہو ہماری زیر طبع تصنیف ''مشائخ سہرورد کا مزاج وکردار اور تاریخ ساز۔

[2] ۔ ڈاکٹر شمیم محمود زیدی کی تصنیف احوال وآثار شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۲ اور قاضی جاوید کی تالیف پنجاب کے صوفی دانشور۔

[3] ۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رحجانات در متن۔

کرتے وقت ان کے مزاج وکردار، مقاصد ان کے عہد کے حالات کو پیش نظر نہیں رکھا ہے۔ جب کہ مؤرخین اور اہل قلم کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جنہوں نے مثبت انداز فکر اختیار کیا ہے اور مشائخ سہرورد رحہم اللہ تعالیٰ کے طرز زیست اور سلاطین دہلی کے ساتھ ان روابط پر اپنے افکار وآراء کا اظہار کرتے ہوئے اس دور کے حالات اور مشائخ سہرورد کے حالات اور ان کے مزاج وکردار کو بھی مدنظر رکھا ہے۔ اس ضمن میں ''تذکرہ مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ'' کے مقدمہ نگار ثناء الحق صاحب کا تبصرہ تو قارئین کی نگاہ سے گزر چکا ہے۔ علاوہ ازیں ہم نے زیر مطالعہ تصنیف کے باب ''حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کا عہد'' میں معاصر مؤرخ ضیاء الدین برنی کے حضرت قطب الاقطاب سے متعلق متعدد بیانات کے حوالے دیئے ہیں جن سے حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلاطین دہلی کے ساتھ تعلقات کی نوعیت اور ان کے اصل مقاصد کی واضح نشاندہی ہوتی ہے۔

سید صباح الدین عبد الرحمن جو عصر حاضر کے نامور فاضل، مشہور مؤرخ اور معروف تذکرہ نگار ہیں۔ جنہوں نے سلاطین ہند اور بزرگان پر قابل قدر تحقیقی کام کیا ہے اور بزم صوفیہ، بزم مملوکیہ اور بزم تیموریہ کے علاوہ کئی اور اہم کتابیں لکھی ۔ سید صاحب موصوف کی تحقیقی آراء کو علمی وادبی اور دینی حلقوں میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھاجاتا ہے۔ حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلاطین دہلی کے ساتھ روابط پر تبصرہ کرتے ہوئے سید صباح الدین عبد الرحمن رقمطراز ہیں: ''یہ تعلقات محض خدمت خلق کے لئے تھے''۔[1]

شیخ رکن الدّین بڑی روحانی صلاحیتوں اور زبردست روحانی اقدار کے مالک تھے۔ انہوں نے سلسلہ کے نظام کو بڑی خوبی سے چلایا۔ لیکن ان کے وصال کے بعد حالات بدل گئے۔ ان کے ورثاء نے جانشینی کے مسئلہ پر جھگڑے شروع کردیئے اور

---

1 ۔ بزم صوفیہ، ص ۲۷۰۔

اختلافات نے ایسی بدنما صورت اختیار کر لی کہ یہ مقدمہ محمد بن تغلق کے سامنے پیش کیا گیا۔ سلطان نے شیخ ہود کے حق میں فیصلہ دیا۔ شیخ ہود جب دیوگیرے وطن آنے لگے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ ہود کی نہایت تعظیم وتکریم کی جائے اور جس منزل میں ٹھہریں بادشاہ کی طرف سے دعوت کی جائے۔[1]

محمد بن تغلق کی ناکام زندگی میں یہ واقعہ نہایت اہم تھا وہ روحانی سلسلوں کو اپنے زیر اثر لانے کی مسلسل جدوجہد کررہا تھا لیکن کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس وقت امید کی ایک کرن نظر آئی اور کم از کم ایک سلسلہ کا پورا نظام اس کے قابو میں آگیا۔

شیخ رکن الدین کے مابین جو سوال جواب ہوئے اس سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں اول یہ کہ علم الدین علامہ سلوک ومعرفت کی منزلوں سے ناواقف اور تصوف وطریقت کے اسرار ورُموز سے ناآشنا تھے دوسرے یہ کہ وہ شیخ سے مختلف دینی اُمور ومسائل اور روحانی معاملات کے بارے میں استفسار کیا کرتے تھے۔ سیر العارفین کی مجلس سماع کی مذکورہ بالا روایت کو یہاں بیان کرنے کے یہی دو مقاصد ہمارے پیش نظر تھے۔

علماء ظواہر کا اہل طریقت سے بحث مباحثہ

مولانا علم الدین علامہ چونکہ صرف ظاہری علوم کے ماہر تھے اور علماء ظواہر کا شروع ہی سے یہ معمول رہا ہے کہ وہ اہل طریقت سے بحث مباحثہ کرتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے قرین از قیاس امر یہ ہے کہ مولانا علم الدین نے اپنے مخصوص مزاج اور عادت کے مطابق شیخ رکن الدین سے کوئی سوال کیا ہو یا ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا ہوگا جس کے جواب میں انہوں نے جو ارشاد فرمایا۔ مولانا علم الدین اپنی کم فہمی وکم مائیگی اور باطنی علوم میں دسترس نہ ہونے کے باعث اس کو سمجھ

---

[1] ۔ عجائب الاسفار، ص ۱۵۷۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رحجانات، ص ۱۳۳۔

نہ پائے ہوں اور گفتگو نے سوال جواب اور افہام وتفہیم سے آگے بڑھ کر بحث ومباحثہ کی ناخوشگوار صورت اختیار کر لی جسے بعد ازاں ناسمجھ راویوں اور غیر محتاط تذکرہ نگاروں نے مناظرے کا نام دے دیا۔

مولانا علم الدین کا شیخ رکن الدینؒ سے مناظرہ

ایک عالم دین ہونے کی حیثیت سے یہ بھی ممکن مولانا علم الدین علامہ نے کسی شرعی مسئلہ پر شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کو مناظرے کی باقاعدہ دعوت دی ہو۔ اور فی الحقیقت یہ مناظرہ منعقد بھی ہوا ہو۔ نام ونمود کی خواہش رکھنے والے علماء ایک دوسرے کو بالعموم اور صوفیاء کرام کو بالخصوص دعوت مناظرہ دیتے رہے ہیں ان مناظروں کی غرض وغایت اور مقصد دینی اُمور کی افہام وتفہیم، اسلام کی تبلیغ واشاعت یا درپیش مسائل کو حل کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس نوع کے مناظروں کا اصل مقصد سطحی شہرت حاصل کرنے کے علاوہ مالی منفعت اور دنیاوی عز وجاہ کا حصول ہوتا ہے۔ یا پھر خود غرض، مفاد پرست اور دنیا دار علماء مذہبی مناظرے اور اس نوع کے دوسرے کام اور اقدام حکمرانوں کے ایماء پر یا ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر کرتے ہیں جو کسی بھی لحاظ سے ملک وقوم یا مذہب کے لئے مفید یا سود مند ثابت نہیں ہو تے۔

شیخ اور تعلیم وتدریس

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ ایک صاحب علم وفضل انسان تھے۔ ان کے علمی کمالات کا چرچا دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اور تشنگان علم اندرون ملک کے علاوہ بیرون ملک سے بھی جوق درجوق مدرسہ بہائیہ میں آتے تھے اور حضرت قطب الاقطاب سے فیض یاب ہوتے تھے۔ حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد گرامی کے دور خلافت میں خانقاہ معلٰی اور اس سے متعلقہ دیگر شعبہ جات میں انتظامی اُمور کے نگران رہ چکے تھے۔ چنانچہ انہیں ہر قسم کے امور کا تجربہ حاصل تھا۔ ان کے زمانے میں مدرسہ بہائیہ کی شہرت

اپنے نقطہ عروج تک پہنچ گئی۔ چنانچہ طلباء کی کثیر تعداد حصول علم کے لئے حاضر رہتی تھی۔ یہ طلباء حضرت قطب الاقطاب کی نگرانی اور سرپرستی میں علوم ومعارف حاصل کرتے۔ مریدین ومعتقدین بالالتزام تفسیر وحدیث اور کتب تصوف کا درس لیتے تھےمریدین خاص الگ سے حاضر خدمت ہو کر بھی فیض یاب ہوتے تھے۔

حضرت قطب الاقطاب سفر اور حضر میں تعلیم وتدریس اور تلقین وارشاد کا کام برابر جاری رکھتے۔ جہاں بھی تشریف لے جاتے فقہی اور شرعی مسائل بیان فرماتے۔ لوگوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی تاکید کرتے، احکام شریعت کا درس دیتے، اوامر ونواہی کی پابندی کی تلقین کرتے۔ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد ادا کرنے پر زور دیتے اور سنت رسول اللہ ﷺکی اتباع کو دنیاوی فلاح وبہبود اور اخروی نجات کے لئے ضروری اور لازمی قرار دیتے۔

شیخ رکن الدین ابوالفتح کی پرورش انتہائی پاکیزہ مذہبی اور روحانی ماحول میں ہوئی اور انہوں نے عظیم المرتبت مشائخ اور قابل قدر اساتذہ کرام سے تعلیم وتربیت حاصل کی۔ اس سے بڑھ کر خوش قسمتی اور کیا ہو سکتی تھی کہ وہ شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور شیخ صدر الدین عارفؒ کے فرزند ارجمند تھے اور انہوں نے حضرت بی بی راؔستی جیسی نیک سیرت اور پاکباز خاتون کے بطن سے جنم لیا تھا۔ پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کے دادا والد اور والدہ نے ان کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی۔ شیخ رکن الدین نے بھی ان انتہائی سازگار حالات کو قدرت کا عطیہ عظیم سمجھتے ہوئے ان سے پورا پورا فائدہ حاصل کیا اور اخلاق وآداب سیکھے، علم وفضل حاصل کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی اپنے باطنی کمالات کی بناء پر شیخ رکن الدّین کی ولادت سے پہلے ہی یہ جان چکے تھے کہ ان کے ہاں کس گوہر بے مثال نے جنم لیا ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف شیخ رکن الدّین کی ابتدائی تعلیم وتربیت میں ذاتی طور پر دلچسپی لی بلکہ اپنے دور کے معروف وممتاز اساتذہ کرام اور اکابر مشائخ کو اس امر پر مامور کیا کہ وہ شیخ رکن الدین کو مروجہ علوم وفنون کی باقاعدہ تعلیم دیں۔ چنانچہ صاحب کمال برادر علمائے دین اور اکابر مشائخ کی صحبت خاندانی پاکیزہ ماحول والد بزرگوار اور دادا حضور کی ذاتی نگرانی سے شیخ رکن الدینؒ نے بھرپور استفادہ کیا اور انتہائی محنت وجانفشانی اور لگن کے ساتھ مروجہ علوم فنون میں مہارت تامہ حاصل کرنے کے علاوہ معرفت الٰہی اور حیات وکائنات کے اسرار ورُموز کو جاننے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ شیخ بہت کم عمری میں ظاہری وباطنی علوم وفنون میں درجہ کمال کو پہنچ گئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کو دیکھ کر بخاری نے انہیں رکن عالم کا خطاب دیا ۔

شیخ کا بچپن

حضرت بہاء الدین زکریا قدس سرہٗ العزیز مادر زاد ولی تھے۔ [1]

اور اکثر اکابر مشائخ کی طرح بچپن ہی سے بزرگی وعظمت کے آثار نمایاں اور روحانیت کے اسرار ظاہر ہونے لگے تھے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کی ولادت ۲۷ رمضان المبارک کو ہوئی تھی۔ روایت ہے کہ جب تک شوال کا چاند دکھائی نہیں دیا۔ حضرت نے دودھ نہ پیا۔ مخدوم جلال بخاری لکھتے ہیں کہ :

’’وبعد ازونہ مکید شیر از پستان مادر تا روز عید شد‘‘۔[2]

---

[1] ۔ تذکرہ حضرت بہاء الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ از نور احمد خان فریدی ص ۴۰۷، علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف لاہور وخم خانہ تصوف از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب ص ۴۴، صابری دار الکتب لاہور۔

[2] ۔ ایضاً۔

حضرت شیخ الاسلام کے بچپن کا یہ واقعہ بھی تذکرہ نگاروں نے بیان کیا ہے کہ : حضرت شیخ کے والد مولانا وجیہ الدین محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ جب کلام اللہ کی تلاوت کرتے تو وہ فوراً دودھ پینا چھوڑ دیتے تھے اور قرآن شریف سننے میں محو ہو جاتے تھے۔ [1]

ان کی یہ کیفیت دیکھ کر ان کے والدین خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ ابھی مکتب میں زیر تعلیم تھے کہ حضرت شیخ نے فرمایا: ''جس وقت خداوندتعالیٰ نے ''الست بربکم'' فرمایا تھا اس وقت سے لے کر اب تک کے واقعات مجھے یاد ہیں''۔[2]

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی اور ان کے والد گرامی سلطان العارفین شیخ صدر الدین عارفؒ نے اپنے مرشد طریقت شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے رشد وہدایت کے سلسلے کو پورے جذبہ جوش عزم واستقامت استقلال سے جاری رکھا۔ مشائخ سہرود نے راسخ الاعتقاد کی روایت کو فروغ دینے اور مسلمانوں کو احکام شریعت کا پابند بنانے کے علاوہ تبلیغ اسلام اور اصلاح معاشرہ کا کام اس منظم ومنضبط طریقے اور ایسی ٹھوس بنیادوں پر انجام دیا۔ جس بناء پر مستقبل میں قیام پاکستان کے قیام کی راہیں واہوئیں۔

شیخ کی مسند نشینی

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد بزرگوار سلطان العارفین شیخ صدر الدین عارف رحمۃ اللہ علیہ اور اپنی والدہ ماجدہ اُم المریدین رابعہ عصر بی بی راستی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کی طرح شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین

---

[1] ۔ ایضاً۔

[2] ۔ سالک السالکین جلد دوم ص۵۱۱ دس ولی ص ۱۲۵ بشیر احمد سعدی ، لطیف پبلشرز لاہور۔

زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور وہ اپنے والدگرامی اور دادا بزرگوار دونوں کے خلیفہ مجاز تھے۔ مولانا جمالی کا بیان ہے کہ حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین ہوئے تو انہوں نے شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکرؒیا کی دستار مبارک سر پر رکھی اور اپنے والد شیخ صدر الدین عارؒف کا وہ خرقہ پہنا جو شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ بہاء الدین زکرؒیا کو عطا فرمایا تھا۔ [1]

شیخ کی ولادت کا زمانہ

شیخ رکن الدین کی ولادت ۶۴۷ھ/۱۲۴۹ء میں ہوئی اس زمانے میں سلطان ناصر الدین محمود کی حکومت تھی۔ ناصر الدین محمود کے عہد سے لیکر ۷۳۵ھ/ ۱۳۳۵ء میں اپنی وفات تک شیخ رکن الدین نے سلاطین کا دور دیکھا۔ برصغیر میں مسلم اقتدار کا یہ دور اپنے سیاسی ومعاشی حالات، ذہنی وفکری رحجانات، ثقافتی تبدیلیوں، ہندومسلم کشمکش اور اپنے مخصوص تاریخی پس منظر کے باعث زبردست اہمیت کا حامل دور تھا۔

شیخ کو کن مشکلات کا سامنا تھا

برصغیر میں مسلم اقتدار کے اس مخصوص دور کے گہرے اور دور رس اثرات مرتب ہوئے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے سیاسی معاشی حالات اور مذہبی رحجانات پر روشنی ڈالی جائے اور اس دور کی ہیئت مقتدرہ کا جائزہ لیا جائے تاکہ ہم یہ جان سکیں کہ شاہ رکن عالم ملتاؒنی کو کن مشکلات کا سامنا تھا؟ ان کا سابقہ کس قسم کے لوگوں سے پڑا؟ کس مزاج کے اُمراء سلطنت اور کس افتاد طبع کے مالک حکمرانوں کے ساتھ انہوں نے تعلقات قائم کئے؟ ان تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟ سلاطین دہلی کے ساتھ ان کا رویہ کیا رہا؟ اپنے درویشانہ جاہ وجلال اور عزت نفس کو قائم وبرقرار رکھنے اور اپنے دینی اور تبلیغی مقاصد کو پورا کرنے کیلئے شیخ نے کیا

---

[1] ۔ الیواقیت الجواہر، ص ۱۳۰۔

حکمت عملی اختیار کی۔

مزید برآں شیخ کی شخصیت اور ان کی سیرت وکردار کی عظمتوں اور ان کے تبلیغی کارناموں اور دینی خدمات کی وسعتوں کا احاطہ کرنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ شیخ کے عہد کے حالات کا تاریخی تجزیہ کیا جائے۔ یہی وہ واحد طریقہ ہے جس کے ذریعے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ شیخ نے کس فہم وفراست، خداداد ذہانت اور باطنی کمالات سے کام لے کر انتہائی نامساعد وناموافق حالات اور ایک نازک دور میں ہر نوع کی مشکلات پر قابو پاکر ناقابل فراموش کامیابیاں حاصل کیں۔ بلکہ اپنے عہد کے امرائے سلطنت اور سلاطین دہلی سے خراج عقیدت وصول کرنے کے علاوہ اپنی ہمعصر شخصیات اور مشاہیر اسلام کو بھی غایت درجہ متاثر کیا اس طرح ہم نہ صرف شیخ کے ظاہر وباطنی کمالات اور ان کے مرتبہ ومقام سے آشنا ہو سکیں گے۔ بلکہ ہمیں شیخ کے اس تاریخ ساز کردار کو سمجھنے میں بھی آسانی ہوگی جو شیخ نے برصغیر میں تبلیغ دین، شوکت اسلام اور افراد انسانی کی اخلاقی اصلاح وتربیت کے باب میں ادا کیا۔

ایک روایت کے مطابق شاہ رکن عالم ملتانیؒ کو قطب الاقطاب کا لقب براہ راست روحانی طور پر شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ نے عطا کیا تھا۔ یہاں اسلامی علوم وفنون کی اعلیٰ تعلیم وتربیت کیلئے یگانہ روزگار اساتذہ کرام اور صاحب کمال مشائخ موجود تھے جن میں حضرت امیر حسینی سادات اور سید بلال بخاریؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں چنانچہ حضرت امیر حسینی سادات اور سید بلال بخاری کے علاوہ مدرسہ بہائیہ کے دیگر اساتذہ کرام کو شیخ رکن الدّین کی تعلیم وتربیت کیلئے بطور خاص مامور کیا گیا۔ شیخ الشیوخ کے نواسے اور مولانا فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے شیخ کبیر الدین عراقی، شیخ رکن الدینؒ کے ہم درس تھے۔ چونکہ دونوں شاگردان

رشید غیرمعمولی ذہانت وفراست اور خدادا ذہانت کے مالک تھے۔[1]

شیخ رکن الدینؒ نے اپنے والد بزرگوار کی نگرانی میں قرآن حکیم کو تجوید، ترتیل اور علم قرأت کے ساتھ حفظ کیا جس کی تفصیلات آگے بیان کی جائیں گی۔ اور انہوں نے سات سال کی عمر میں پانچ وقت کی نماز باجماعت ادا کرنی شروع کردی تھی۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی دلی خواہش تھی کہ ان کا روحانی جانشین ان کی زندگی میں ظاہری وباطنی علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کرکے دین ودنیا کی تمام سعادتوں سے بہرہ ور ہو جائے چنانچہ وہ شیخ رکن الدین کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور ان کی روحانی تربیت کیلئے تہجد، اشراق، چاشت، ضحیٰ، زوال، بین العشائین اور دیگر نوافل معمولہ اور مقررہ میں شیخ رکن الدین کو بھی شامل کرتے تھے۔[2]

چنانچہ یہ حضرت بہاء الدین زکریا سہروردؒی کی صحبت کا اثر واعجاز تھا کہ شیخ رکن الدینؒ مراقبہ، مکاشفہ، محاربہ، مجادلہ، مکالمہ اور معاملہ میں مدرسہ بہائیہ تمام طلباء اور خانقاہ بہائیہ کے تمام درویشوں پر سبقت لے گئے۔ شاہ رکن عالم ملتاؒنی کے بارے میں تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ شیخ ۲۵ برس کی عمر میں ظاہری وباطنی کمالات کے نقطہ عروج پر پہنچ چکے تھے۔ اور قطب الاقطاب کے اعلیٰ ترین روحانی منصب پر فائز ہو چکے تھے۔

- حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم وتربیت اپنی ذاتی نگرانی میں کروائی۔ خود حضرت زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور کے معروف

---

[1] ۔ نور احمد فریدی، شاہ رکن عالم ملتاؒنی، ص ۳۳۔
[2] ۔ ایضاً۔

وممتاز اساتذہ کرام اور اکابر مشائخ کو شاہ رکن عالم کی تعلیم وتربیت کیلئے مقرر کیا۔

- ۶۰سال کی عمر میں اپنے والد صدر الدین عارف کے وصال پر مسند ارشاد پر بیٹھے۔
- علمی اور روحانی کمالات کی بدولت روحانی عظمتوں سے ہمکنار ہوئے۔
- علاء الدین خلجی نے شیخ الاسلام کے منصب جلیلہ پر فائز کیا۔
- شیخ الاسلام کے منصب پر خلجی دور کے بعد تغلق عہد میں بھی فائز رہے۔
- کئی بار دارالسلطنت دہلی تشریف لے گئے۔
- اُمرائے سلطنت اور شاہان وقت حد درجہ ادب واحترام سے پیش آتے تھے۔ ان کے عہد میں سہروردی سلسلہ اپنی شہرت وعظمت کے نقطہ عروج پر پہنچ گیا ہر مکتبہ فکر کے بزرگان دین تشنگان علم اور طالبان حق دور ونزدیک کے علاقوں سے جوق درجوق ان کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالمؒ اگر روحانی عظمتوں کے دائرے سے نکل کر کسی اور سمت قدم بڑھاتے تب بھی اپنے علمی کمالات، خداداد ذہنی وفکری صلاحیتوں، مزاج سلیم، ملکہ اجتہاد اور دلآویز شخصیت کی بناء پر میرکارواں ہی ہوتے۔ حضرت قطب الاقطاب نے علم وفن کی تکمیل اپنے عہد کے معروف وممتاز اساتذہ کرام سے کی تھی۔ اور اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ جو شروع میں ان کے مرید نہیں بلکہ شاگرد تھے۔ ان کے تبحر علمی اور معلمانہ خصوصیات کے آئینہ دار ہیں۔

حضرت قطب الاقطابؒ نے ظاہری وباطنی علوم کو بڑی محنت لگن اور تن دہی سے حاصل کیا تھا۔ وہ اپنے ہم درسوں میں سب سے زیادہ ذہین وزیرک، روشن خیال اور دانشمند سمجھے جاتے

تھے۔ بحث مباحثے میں کوئی ان سے بڑھ کر نہیں تھا۔ ہر سوال کرنے والے کے سوال کا جواب دیتے تھے۔ جب کہ ان کے سوالوں کا جواب دینے سے لوگ عاجز رہتے تھے۔

حضرت قطب الاقطاب کی تعلیمات کے ان ہم اور بنیادی نکات پر ہم نے گذشتہ اوراق میں روشنی ڈالی ہے۔ یہ نکات حضرت قطب الاقطاب کے ارشادات واقوال اور ان کے ملفوظات ومکتوبات اور وصایا سے لئے گئے تھے۔ جو اپنی جگہ انتہائی قابل قدر، فکر انگیز اور ناقابل فراموش ہونے کے علاوہ اسلامی تعلیمات کے ترجمان اور اسلام کی صداقت وحقانیت کے مظہر ہیں۔

اس مرحلے پر ہم اس امر کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ تعلیمات صرف وہی نہیں ہوتی جو کسی بزرگ کے اقوال وارشادات اور ملفوظات ومکتوبات میں ملیں یا جن کی کوئی مبلغ یا مصلح یا مذہبی پیشوا اپنے خطبات اور مواعظ کے ذریعے نصیحت اور تلقین وتاکید کرے۔ بلکہ کسی بزرگ اور ولی اللہ کی اصل تعلیمات اس کی عملی زندگی ہوتی ہے۔ اس حقیقت سے کون آشنا نہیں کہ صوفیائے کرام اور بزرگان دین کی عملی زندگی کی خصوصیات اور ان کے سیرت وکردار کی عظمتوں سے متاثر ہو کر ہی لوگ انشراح صدر کرتے ہیں اور اپنے گناہوں سے تائب ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہوتے ہیں اس لئے شیخ یعنی مرشد طریقت کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے۔ اس اصول کا اطلاق تمام صوفیائے کرام پر ہوتا ہے اور یہ فی الحقیقت انبیائے کرام کا طریقہ ہے جس پر صوفیائے کرام سختی سے عمل کرتے ہیں۔ اس احوال کے پیش نظر قطب الاقطابؒ کی تمام زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہمارے سامنے موجود ہے اور ان کی ولادت سے لے کر ان کے وصال تک کی اسی سالہ زندگی کے تمام حالات وواقعات ہمارے سامنے ہیں۔ یہ سب واقعات فی الحقیقت ان کی تعلیمات ہیں ان حالات واقعات میں ان کے افکار ونظریات اور عقائد اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

صوفیاء کے قول اور فعل میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کے اعمال اور احوال بھی نہ صرف ان کی تعلیمات میں ہی شمار

ہوتے ہیں بلکہ ان کی تعلیمات کا ناقابل فہم حصہ ہونے میں ان کے ہمعصر عوام وخواص اور آنے والے نسلوں کے لئے ان کے اعمال واموال میں ان کا پیغام مضمر ہوتا ہے۔

قطب الاقطابؒ اسلامی علوم کا خزینہ

ان تاریخی حقائق وشواہد اور قرائن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف مروجہ علوم میں کامل دستگاہ درکھتے تھے اور انہیں فقہ، حدیث، تفسیر اور علم الکلام پر مکمل عبور حاصل تھا بلکہ وہ اپنے دور کے جدید ترین علمی افکار ونظریات اور روحانی اُمور سے بھی پوری طرح سے آشنا تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ رکن عالم کے ارشادات واقوال، ان کے مکتوبات ووصایا اور ملفوظات سے قطع نظر اگر صرف حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مابین ہونے والی ملاقاتوں کے مباحث اور مکالمات ہی سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے۔کہ حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ اسلامی علوم بالخصوص سیرت حدیث، فقہ، تاریخ اور علم الکلام کاخزینہ تھے یہ الگ بات ہے کہ اکثر مشائخ کرام نے شاہی درباروں میں جانے اور اُمراء وسلاطین سے میل ملاپ رکھنا گوارا نہیں کیا۔ لیکن بعض اکابر مشائخ اُمراء وسلاطین سے ملاقات کرنے میں قباحت محسوس نہیں کرتے تھے۔ اگر اہل تصوف کے نزدیک بادشاہوں سے کسی بھی مقصد کے لئے خواہ وہ رفاہ عامہ اور خدمت خلق ہی کے سے کیوں نہ ہو۔ ملاقات کرنا ایک فعل قبیحہ یا ناپسندیدہ امر ہے تو اس صورت میں اس قباحت یا نحاست کا سد باب سب سے پہلے حضرت قطب الاقطاب نے کیا ہوگا۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ حضرت قطب الاقطاب سے جو اعمال وافعال دہلی میں سرزد ہوئے ان کے اثرات ان سے دہلی سے سینکڑوں کوس دور ہونے والی ملاقات میں معانقے کے ذریعے حضرت شیخ علاء الدّین تک پہنچے۔ ہمارے علم میں شریعت اور طریقت میں ایسا کوئی حکم نہیں جس میں اُمراء یا حکمران خود چشتی بزرگان دین میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے

سوا باقی تمام مشائخ کرام کا شاہان وقت اور اُمرائے سلطنت سے ملاقات کرنا ثابت ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے صرف شاہان وقت سے ملاقات کرنے سے احتراز کیا۔ اُمراء وزراء تو ان کی خدمت میں باقاعدہ حاضری دیا کرتے تھے اور ان سے آکر ملاقات کی تھی کہ حلقہ ارادت میں شامل تھے۔ بادشاہوں کے بیٹے یا ولی عہد سے ملاقات کرنے کی ممانعت کی گئی ہو۔ یا اسے کوئی ایسا فعل بد یا گناہ قرار دیا گیا ہو جس کی تلافی ممکن نہ ہو۔ اور مفاد عامہ کی خاطر یا کسی شرعی ضرورت یا ملی تقاضے کو پورا کرنے کے لئے انہوں نے بادشاہوں سے ملاقات کرنے یا شاہی درباروں میں جانے سے ظاہر ہے کہ حضرت قطب الاقطاب نے دہلی سے روانگی سے قبل غسل کیا ہوگا اور اجودھن تک سفر کے عرصے میں انہوں نے عبادت وریاضت بھی کی ہوگی اور اوراد ووظائف میں بھی مشغول رہے ہوں گے اور ان کے اجودھن میں ان کے رکنے کی وجہ شیخ الشیوخ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے مزار مبارک کی زیارت کرنا تھی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت شیخ الشیوخ کے مزار مبارک پر حاضری دینے کے بعد حضرت شیخ علاء الدینؒ سے ملاقات کی تھی۔

اگر روایت میں بیان کردہ اس واقعہ کو بھی درست تسلیم کر لیا جائے کہ بعض لوگوں نے قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالؒم تک یہ بات پہنچائی کہ ان سے معانقہ کرنے کے بعد شیخ علاء الدینؒ نے غسل وغیرہ کیا جس کے جواب میں حضرت قطب الاقطاب نے فرمایا کہ "تم مولانا علاء الدین" تو یہ بھی مشائخ کے عمل کے عین مطابق امر ہے۔ جب لوگ صوفیاء کے رُوبُرو اس نوع کے واقعات بیان کرتے تھے تو وہ جواب میں اس قسم کے تعریفی کلمات کہہ کر بات کو وہیں ختم کر دیا کرتے تھے۔ شیخ علاء الدؒین کی شان میں حضرت قطب الاقطابؒ کے ان جملوں سے اس روایت کی صحت وصداقت ثابت نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں اس سے اخذ شدہ روایت کو تسلیم کرنے میں ۔۔۔الخ کو تسلیم کرنے میں اور بہت سے اُمور مانع ہیں۔

اس سے بیشتر دہلی میں منعقد ہونے والی ایک محفل سماع کا ذکر بھی امیر خورد ہی نے کیا ہے۔ جس میں حضرت سلطان المشائخ پر وجد وحال کی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ چاہتے کہ اٹھ کر حالت وجد میں رقص کریں مگر حضرت قطب الاقطابؒ نے ان کا دامن پکڑ لیا۔ اسی کی تفصیلات زیر مطالعہ تصنیف میں قطب الاقطاب اور سلطان المشائخ کی یادگار ملاقاتیں کے عنوان کے تحت دیکھی جا سکتی ہیں۔ قطب الاقطاب نے سلطان المشائخ کو وجد میں آنے سے روک دیا ۔

غرض یہ کہ امیر خورد کرمانی ہی نے بہت سے ایسے واقعات قلمبند کئے ہیں جن سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ان احساسات وجذبات کی ترجمانی ہوتی ہے جو جذبات حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کے بارے میں رکھتے تھے۔

سلطان المشائخؒ کا قطب الاقطاب کو اپنی چارپائی پر بٹھانا

امیرخورد کرمانی ہی نے یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کی علالت کے دوران شیخ رکن الدینؒ عیادت کے لئے تشریف لائے۔ اس وقت سلطان المشائخ چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنی طاقت نہ تھی کہ چارپائی سے نیچے اتر سکیں۔ سلطان المشائخ نے شیخ رکن الدؒین کو اپنی چارپائی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔[1]

یہ واقعہ غالباً سلطان المشائخ اور حضرت قطب الاقطاب کے مابین ہونے والی آخری ملاقات کے دوران ہوا ہوگا۔

حضرت قطب الاقطاب کا نذرانہ قبول کرنے سے انکار

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اُمراء وسلاطین کے نذرانے قبول فرماتے تھے حتی کہ انہوں نے خسروخان برادر بچہ کا

---

[1] ۔ سیر الاولیاء، ص ۲۵۹۔

نذرانہ بھی قبول کر لیا تھا جب کہ حضرت قطب الاقطاب کے مرید خاص اور خلیفہ شیخ عثمان سیاح اور بعض دوسرے اکابر مشائخ نے خسروخان کا نذرانہ قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اس کی وجہ تھی کہ خسروخان نیچ ذات کا ایک ہندو تھا جس کے حسن پر قطب الدین مبارک شاہ فریفتہ ہوگیا تھا۔ خسروخان نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا اور اس نے سازش کے ذریعے اپنے محسن ِآقا سلطان قطب الدین کو قتل کرکے اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا اور ناصر الدین خسروخان کے لقب سے دہلی کا بادشاہ بن بیٹھاوہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ کرکے خالص ہندوحکومت قائم کرنا چارہا تھا۔ حاکم دیبالپور غازی ملک (حیات الدین) نے اس نمک حرام کو شکست دے کر کیفر کردار تک پہنچایا۔

قطب الدین بختیار کاکیؒ کا سلطان دہلی سے ملاقات کو جانا

چشتی بزرگان دین میں سے حضرت خواجہؒ اور ان کے مرشد حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے ذاتی طور پر شاہان وقت سے ملاقات کرنے میں سب سے زیادہ محتاط روش اختیار کی ان دونوں بزرگوں نے نہ صرف اُمراء وسلاطین کے نذرانے قبول کئے بلکہ اُمراء کو بادشاہ بننے کی بشارت دی اور اپنے ہمعصر سلاطین کی سلامتی درازی عمر اور فتوحات کے لئے دعا بھی کی۔

سیدامیرخورد کرمانی ہی کے بیان سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے سفارت کے فرائض بھی انجام دیئے۔

سلطان معز الدین بہرام شاہ کے عہدمیں

۶۳۹ھ میں مغل لاہور پر حملہ آور ہوئے تو سلطان نے نظام الملک اور دیگر اُمراء کو شاہی لشکر کے ساتھ لاہور بھیجا نمک حرام نظام الملک نے حملہ آور مغلوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے اُمراء کو ساتھ ملا کر سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کو بھی اسی بغاوت کے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے پاکستان کا قیام نظریاتی اعتبار سے مطالبہ پاکستان مسلمانوں کا ایک نظریاتی نصب العین ہونے کے علاوہ سیاسی اعتبار سے وقت کی اہم ضرورت اور معاشی لحاظ سے ایک عصری تقاضا تھا۔ اور تحریک پاکستان کو اس تاریخی عمل نے جنم دیا تھا۔ جو تاریخی عمل برعظیم میں مسلمانوں کی آمد سے آغاز پذیر ہوا تھا۔

سب سے افضل گروہ

شیخ روز بہان بقلی قرآنی آیت : ’’ وَقَطَّعْنَاهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا ‘‘ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل اللہ کے گروہ بارہ (۱۲) ہیں۔ ان میں سب سے افضل موحد ہیں۔ ان کے علاوہ عارف، عاشق، سابق، محب، موقن (یقین کرنے والے) مکاشف (کشف کرنے والے) مشاہد (مشاہدہ کرنے والے) سالک، صادق، راضی بہ راضا، اور مرید ہیں۔ ان گروہوں کی مزید وضاحت کرتے ہوئے شیخ روزبہان نے لکھا ہے کہ یہ بارہ (۱۲) چشمے ہیں۔ جن سے شربت ازلی حاصل ہوتا ہے۔ موحدوں کا چشمہ توحید، عارفوں کا چشمہ عبودیت واطمینان، عاشقوں کا چشمہ اخلاص، سابقوں کا چشمہ صدق، محبوں کا چشمہ تواضع، موقنوں کا چشمہ تسلیم ورضا، مکاشفوں کا چشمہ تسکین ووقار، مشاہدوں کا چشمہ سخا واعتماد، سالکوں کا چشمہ یقین، صادقوں کا چشمہ عقل، راضیوں کا چشمہ محبت اور مریدوں کا چشمہ انس وخلوت ہے۔

عارف

وہ شخص جسے ذات وصفات کا مشاہدہ حاصل ہو اور جملہ موجودات کی حقیقت وماہیت سے آگاہ ہو اور مراتب عروج نزول سے گزر کر مقام ’’من عرف نفسہ فقد عرف ربہ‘‘ اس کا حال ہو اور’’رایت ربی بعین ربی‘‘ کے اسرار اس پر منکشف ہوں۔

عاشق

طالب ذات حق سبحانہ تعالیٰ اور شیفتہ جمال وجلال حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو کہتے ہیں۔ سالک جب جملہ مراتب ومقامات عروج

ونزول طے کرکے حب ذاتی عشق یعنی حقیقت محمدیہ میں پہنچتا ہے تو عاشق کامل کہلاتا ہے۔

حضرت قطب الاقطابؒ کی مجلسی زندگی

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کا زیادہ تر وقت عبادت وریاضت، وعظ وارشاد اور درس وتدریس میں گزرتا تھا۔ خانقاہ معلیٰ اور مدرسہ عربیہ بہائیہ اور ان سے ملحقہ اصلاحی اور معاشرتی اداروں کے نظم ونسق کو چلانا بھی ان کے فرائض منصبی میں شامل تھا۔ حضرت قطب الاقطاب چونکہ اپنے مریدوں اور شاگردوں کی اخلاقی اصلاح وتربیت کے علاوہ ان کے معاشی حالات کو بہتر بنانے میں بھی ذاتی دلچسپی لیتے تھے۔ بنابریں مصروفیات اس قدر زیادہ تھیں کہ درس وتدریس تبلیغ دین اور خدمت خلق کے کاموں سے انہیں فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ اور ان بے پناہ دینی اور تبلیغی مصروفیات اور اصلاحی وفلاحی خدمات کے باعث ان کی مجلسی زندگی اور حلقہ احباب بہت محدود تھا۔ حضرت قطب الاقطاب نے اپنے شب وروز کے معمولات کو اس طرح سے ترتیب دیا تھا اور وہ اپنے روز مرہ کے معمولات پر اس سختی سے کاربند تھے کہ ان کے پاس کوئی فارغ وقت ہی نہیں تھا کہ وہ آرام وآسائش یا تفریح طبع کا کوئی سامان کرسکیں ان کی یہ دینی وتبلیغی خدمات اور تعلیمی، تدریسی اشغال ہی کو ان کی مجلسی زندگی قرار دیا جا سکتا ہے۔

حضرت قطب الاقطاب کا حلقہ احباب

حضرت قطب الاقطاب کے حلقہ احباب میں مذکورہ بالابزرگان دین کے علاوہ اور کسی کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ اپنے اس حلقہ احباب میں بھی حضرت قطب الاقطاب جووقت گزارتے اور ان سے جو ملاقاتیں کرتے ان میں یا تو دینی مسائل حل کئے جاتے۔ مسائل تصوف پر گفتگو ہوتی۔ مسلمانوں کی اخلاقی اور معاشی فوز وفلاح کے منصوبے بنائے جاتے یا پھر تبلیغ دین اور غلبہ اسلام کی باتیں ہوتیں اور تبلیغی دوروں کے پروگرام بنائے جاتے۔ حضرت سلطان المشائخ کے ساتھ دہلی میں جو ملاقاتیں ہوتی تھیں ان میں دہلی کے اکابر مشائخ کے علاوہ بڑے بڑے

علماء ادباء اُمراء اور شعراء شامل ہوتے اور وہ سب حضرات حضرت قطب الاقطاب کے فرمودات سے مستفیض ومستفید ہوتے تھے۔ ملتان میں حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دوست سید محمد زندہ پیر قفالی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کے ساتھ حضرت قطب الاقطاب تبلیغی دوروں پر تشریف لے جاتے تھے۔

جب بھی آپ ملتان سے دہلی جاتے اور دہلی سے ملتان واپس آتے تو شیخ الاسلام رکن الدینؒ شیخ الشیوخ حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری بھی دیا کرتے تھے ایسے ایک واقعہ کو بیان کرتے امیر خورد لکھتے ہیں کہ :

''ایک مرتبہ شیخ رکن الدینؒ دہلی سے ملتان جارہے تھے۔ راستے میں وہ شیخ شیوخ العالمؒ کے روضہ مبارک کی زیارت کیلئے گئے۔ جب وہ شیخ شیوخ العالمؒ کے روضہ متبرکہ کی زیارت سے فارغ ہو کر نکلے اور شیخ علاء الدین سے ملاقات کی۔ شیخ علاء الدینؒ مصافحے اور معانقے کیلئے آگے بڑھے۔ انہوں نے شیخ علاء الدینؒ سے بغل گیر ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کووہ استقامت بخشی ہے کہ کوئی شخص بھی آپ کو اپنی جگہ سے نہیں ہلاسکتا۔ اگرچہ یہاں سے جانے کو جی نہیں چاہتا لیکن مجھے بعض ان عزیزوں کا خیال کشاں کشاں لئے جارہا ہے۔ جو مجھ سے متعلق ہیں۔ یہ فرماکر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور رخصت ہوگئے۔ شیخ علاء الدین جیسے ہی گھر آئے تازہ غسل کیا اور دوسرے کپڑے بدلے اور مصلی پربیٹھے ۔ لوگوں نے ان کی یہ بات شیخ رکن الدّین تک پہنچائی اور کہا کہ یہ کیا بزرگی اور تکبر ہے کہ آپ جیسے پاک اور پاک زادہ شخصیت سے معانقہ کرکے انہوں نے ایسا کیا ۔ شیخ رکن الدینؒ نے فرمایا کہ تم مولانا علاء الدین کی قدر کیا جانوان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسا کریں اس لئے کہ ہم سے دنیا کی بو آتی ہے اور وہ اس سے پاک زندگی بسر کرتے ہیں ۔

حضرت قطب الاقطاب کے عہد کے علماء

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں برعظیم میں بالعموم اور دارالسلطنت دہلی میں بالخصوص قابل قدر اور صاحب کمال علماء وفضلاء کثیر تعداد میں موجود تھے۔ صرف علاء الدین خلجی کے عہد میں دہلی کے علماء کا ذکر کرتے ہوئے مورخ ضیاء الدین برنی لکھتا ہے کہ

"سلطان علاء الدین کے ارادے اور اہتمام کے بغیر اس کے سارے عہد میں لوگوں نے دیکھا کہ ہرگروہ کے بزرگ ہر علم کے استاد اور ہر ہنر کے ماہر (دہلی میں) جمع ہوگئے تھے اور دارالحکومت دہلی ان بے نظیر اور مستثنیٰ شخصیتوں کے وجود سے ایک عظیم شہر (سواد اعظم) بن گیا تھا۔ درحقیقت دارالحکومت دہلی رشک بغداد ، غیرت مصر، ہمسرقسطنطنیہ اور بیت المقدس کا ہم پلہ ہوگیا تھا"۔[1]

سلطان علاء الدین کے عہد میں دارالحکومت دہلی میں ایسے علماء اور استاد موجود تھے۔ جن میں ہر ایک علامہ وقت سمجھا جاتا تھا اور ان جیسے علماء صرف بخارا، سمرقند، بغداد، مصر، خوارزم، دمشق، تبریز، اصفہان، رے اور روم میں ہی نہیں بلکہ ساری دنیا(ربع مسکون) میں کہیں بھی نہ تھے۔[2]

اس کے بعد مؤرخ برنی نے چھیالیس علماء کے نام گنوائے ہیں جن میں سے ہر شخص اپنی ذات میں انجمن تھا۔ ان کے بارے میں برنی نے لکھا ہے کہ یہ چھیالیس علماء اور اساتذہ جن کے نام اور القاب میں نے لکھے ہیں وہ ہیں جن میں سے بعض کی میں نے شاگردی کی ہے۔ بعض کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور اکثر وہ ہیں جن کو میں نے مسند درس پر یا محفلوں اور مجلسوں میں دیکھا ہے۔[3]

---

[1] ۔ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۹۸۔
[2] ۔ ایضاً ص ۵۱۳۔
[3] ۔ ایضاً ۔

ان علماء میں قاضی فخر الدین ناقلہ، قاضی شرف الدین، مولانا نصیر الدین غنی، مولانا تاج الدین مقدم، مولانا ظہیر الدین، قاضی مغیث الدین، مولانا رکن الدین اور قاضی محی الدین کاشانی جیسے برزرگ شامل تھے۔

حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ جب دہلی تشریف لے جاتے تو یہ سب حضرات وہاں موجود ہوتے تھے لیکن حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ اپنے باطنی کمالات کے علاوہ اپنے تبحر علمی اور ملکہ اجتہاد کی بدولت اس قدر عظمت وجلالت کے حامل تھے کہ یہ سب علماء ان کے سامنے طفل مکتب کی حیثیت رکھتے تھے۔ دہلی میں صرف حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ہی ایک ایسی شخصیت تھے جن سے حضرت قطب الاقطابؒ کے دوستانہ مراسم قائم ہوئے ۔ حضرت سلطان المشائخ کے علاوہ دہلی کے تمام مشائخ اور علماء وفضلاء حضرت قطب الاقطابؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے روحانی فیوض وبرکات اور ان کے علمی کمالات سے استفادہ تو ضرور کر سکتے تھے لیکن حضرت قطب الاقطابؒ کے پورے عہد میں پورے برعظیم میں سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہیؒ اور حضرت خواجہ علاء الدین اجودھنیؒ کے سوا اور کوئی بزرگ ایسا نہیں تھا جسے علم وفضل، صدق وصفا، زہد وورع اور باطنی کمالات میں حضرت قطب الاقطابؒ کا ہم پلہ یا ہمسر قرار دیا جاسکے۔ چنانچہ ان دو بزرگان دین سے حضرت قطب الاقطابؒ کے خواشگوار اور دوستانہ تعلقات استوار تھے۔ ان دو خواجگان چشت کے علاوہ پورے ہندوستان میں اور کوئی بزرگ ایسے نہیں تھے۔ جن کے حضرت قطب الاقطاب سے دوستانہ تعلقات قائم ہو سکتے یا وہ حضرت قطب الاقطاب کے حلقہ احباب میں شامل ہو سکتے۔ کتب تاریخ وتذکرہ سے ثابت ہے کہ حضرت قطب الاقطاب کی دہلی میں حضرت سلطان المشائخ کے ساتھ ملاقاتوں میں اکثر علماء وفضلاء حاضر رہتے تھے اور وہ بڑے ادب واحترام کے ساتھ ہر دو بزرگان دین کے مابین ہونے والی علمی گفتگو کو سنتے تھے اور اپنی

اپنی استطاعت کے مطابق مستفید ومستفیض ہوتے تھے لیکن ان میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا حضرت قطب الاقطابؒ کے حلقہ احباب میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہو۔ ہمارے اس موقف کی تائید معاصر مؤرخ ضیاء الدین برنی کی تحریوں سے بھی ہوتی ہے۔ اس نے اپنی تصنیف تاریخ فیروز شاہی میں حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کے ساتھ صرف دو بزرگان دین کا ذکر کیا ہے۔ یعنی شیخ علاء الدین اجودھنیؒ اور سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہیؒ۔ ان بزرگوں کے سوا برنی نے اور کسی بزرگ کا ذکر حضرت قطب الاقطابؒ کے نام کے ساتھ اپنی پوری تصنیف میں کہیں نہیں کیا۔ چنانچہ ایک جگہ برنی رقمطراز ہیں۔

چنانچہ عہد علائی کے مشائخ میں سے شیخی کا سجادہ جو پیغمبری کی نیابت ہے۔ شیخ الاسلام نظام الدینؒ شیخ الاسلام علاء الدینؒ اور شیخ الاسلام رکن الدینؒ سے آراستہ تھا۔[1]

بنابریں کہا جاتا ہے کہ یہ بزرگ ہی حضرت قطب الاقطاب کے حلقہ احباب میں شامل تھے ان کے علاوہ کتب تاریخ وتذکرہ میں بھی اس حقیقت پر کلام ہے۔

شیخ کے ایک ہم مکتب دوست

حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کے ساتھیوں میں حضرت مولانا فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے اور شیخ الاسلام کے نواسے کبیر الدین عراقی کا نام ملتا ہے جو حضرت شیخ رکن الدین کے ہم مکتب اور ہم درس تھے ان دونوں نے مدرسہ بہائیہ میں اکٹھے تعلیم حاصل کی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان کے ساتھ اور بھی طلباء بھی ہوں گے۔ مگر کتب تاریخ تذکرہ میں ان کے بارے میں خاموش ہیں ۔ البتہ بسر الدین عراقی کے علاوہ ایک اور بزرگ سید محمد زندہ پیر قفالؒ کے حالات ملتے ہیں جو حضرت قطب الاقطاب کے دوستوں میں شامل تھے۔

---

1 ۔ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۹۸۔

قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کے دوست سید محمد زندہ پیر قفالیؒ

ملتان میں سادات کا ایک خاندان آباد تھا جو قفالی خاندان کے نام سے مشہور تھا۔ اس خاندان کے ایک بزرگ سید محمد زندہ پیر قفالیؒ تھے جن کے حضرت قطب الاقطابؒ سے گہرے مراسم تھے اور حضرت قطب الاقطابؒ اپنے تبلیغی دوروں میں بھی سید محمد زندہ پیر کو اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ سید محمد زندہ پیر کے آباء واجداد مشہد سے ہجرت کرکے پہلے کھروز پکا (لودھراں) میں آباد ہوئے تھے اور پھر ان کے جد امجد شیخ فخر الدّین کا اپنے بھائی سید محمد کے ساتھ ان تبرکات کی تقسیم پر تنازعہ ہوگیا جو ان کے آباء مشہد سے اپنے لائے تھے جس کے نتیجے میں شیخ فخر الدین کھروزپکا سے نقل مکانی کرکے ملتان میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ سید محمد زندہ پیر ان ہی شیخ فخر الدین قفالیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت قطب الاقطاب نے کھروز جانے کا قصد فرمایا تو سید محمد زندہ پیر کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ اس زمانے میں کھروز کا شہر ویران ہو چکا تھا۔ مگر اس کے گرد وپیش میں جو یہ قوم کے خوشحال افراد آباد تھے۔ حضرت قطب الاقطابؒ نے اپنے ساتھیوں سمیت ایک ٹیلے پر قیام کیا جو یہ قوم کے سرداروں کو جب حضرت قطب الاقطابؒ کی آمد کا علم ہوا تو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت قطب الاقطابؒ نے انہیں اسلام کی دعوت دی جو مقبول ہوئی۔

شیخ کے کھانے کے آداب

صوفیائے کرام کی طرح شیخ رکن الدین سہرورد یؒ کھانے کے آداب کو پوری طرح ملحوظ خاطر اور اپنی غذا کا خاص خیال رکھتے تھے اور ایسی غذا استعمال کرتے تھے جو عبادت وریاضت اور مجاہدات کیلئے موزوں ہو۔ دراصل صوفیائے کرام نے جہاں اوراد واشغال، مراقبہ ومکاشفہ اور محاسبہ ومعاملہ کے اصول وضح کئے اور طہارت، پاکیزگی، وضو، نماز اور روزے کے آداب واسرار بیان کئے ہیں۔ وہاں سفر وحضر اور مجلس میں نشست وبرخاست کے طور طریقے، لباس کے احکام

اور تناول طعام کے آداب بھی مقرر کئے ہیں۔ تصوف کی کم وبیش تمام کتب معتمدہ میں ان اُمور کی تفصیلات ملتی ہیں۔ شیخ المشائخ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بانی سلسلہ عالیہ سہروردیہ نے بھی اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''عوارف المعارف'' میں ان تمام اُمور پر روشنی ڈالی ہے اور ان کو بیان کرنے کیلئے الگ الگ باب باندھے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ آداب طعام کے بارے میں فرماتے ہیں:

صوفی حسن نیت سے آراستہ ہوتا ہے اس کا مقصد درست اور اس کا علم درست ہوتا ہے بنابریں وہ آداب کی پابندی کرتا ہے اس طرح اس کی تمام عادات، عبادات بن جاتی ہیں اس طرح صوفی کا نہ صرف تمام وقت اللہ تعالیٰ کیلئے وقف ہوتا ہے ۔ بلکہ اس کی تمام زندگی ہی اللہ تعالیٰ کیلئے ھبہ ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرمﷺکو حکم دیا:

"قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ "۔[1]

(اے رسولﷺ)آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری قربانیاں اور میری زندگی اور موت تمام جہانوں کے پروردگار کیلئے ہے۔

چونکہ صوفی ضرورت بشریہ کا محتاج ہے اس لئے عادات سے متعلق چیزیں اس کے کاموں میں خلل انداز ضرور ہیں۔ لیکن اس کی بیدار مغزی اور حسن نیت ان عادات کو محصور کر لیتی ہے۔ اس وقت اس کی عادتیں منور ہو کر عبادات کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اسی بناء پر کہا گیا ہے کہ ''عالم کی نیند عبادت ہے اور اس کا تنفس تسبیح ہے'' بایں ہمہ کہ نیند سراپا غفلت بلکہ عین غفلت ہے۔ لیکن ہر وہ چیز جو عبادت میں ممدومددگار ہو وہ عبادت میں داخل ہے۔(اسی بناء پر عالم کی نیند کو بھی عبادت میں شمار کیا گیا ہے)۔

تناول طعام کی اصل

---

[1] ۔ القرآن، سورہ انعام: ۱۶۲۔

تناول‌طعام کی اصل بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ:

’’تناول‌طعام بھی ایک اہم امر ہے۔ چنانچہ اس کیلئے بھی معلومات کثیرہ کی ضرورت ہے کہ یہ دینی اور دنیاوی فوائد پر مشتمل ہے۔ کھانے کا تعلق جسم اور قلب دونوں سے ہے۔ اس سے بدن کا قوام (زندگی) ہے۔ جیسا کہ اس سلسلہ میں قانون الٰہی جاری وساری ہے۔ علاوہ ازیں جسم قلب کیلئے بمنزلہ سواری کے ہے اور ان ہی دونوں چیزوں سے دنیا اور آخرت کی تعمیر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے آدمی کو مخصوص ترین روحانی اور جسمانی جوہر سے مرکب فرمایا ہے۔ اور اس کو زمینوں اور آسمانوں کو منتخب اشیاء کا خزینہ بنایا ہے۔ چنانچہ اس عالم شہادت (عالم ظاہر) اور اس کی تمام اشیاء کو خواہ وہ از قسم نباتات ہوں یا ان کا تعلق حیوانات سے ہو۔ انسانی جسم کی بقاء کا ذریعہ بنایا ہے۔ (نباتات اور حیوانات کو بطور غذا استعمال کرکے اپنے جسم کی بقاء کا سامان فراہم کرتا ہے۔ ‘‘

جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایاہے:

’’جو کچھ زمین میں ہے سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے‘‘۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے اخلاط اربعہ کے اعتدال پر روشنی ڈالی ہے، اور پھر صوفیاء کے تناول طعام کے آداب کو بیان کرنے سے پہلے صرف اس حلال غذا کو کھانے کی ہدایت کی ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے مندرجہ ذیل احادیث نبوی ﷺبیان کی ہے۔

کھانے کے بارے میں ارشادات نبویﷺ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرمﷺ نے فرمایا :

’’جو کوئی چاہے کہ اس کے گھر کی خیر وبرکت میں اضافہ ہو تو اسے چاہئے کہ جب اس کے سامنے کھانا لایاجائے تووہ وضو کرے اور اللہ کا نام لے‘‘۔

یہ بھی ارشاد نبویﷺ ہے:

’’کھانا کھانے سے پہلے وضو کرنے سے مفلسی دور ہوتی ہے‘‘۔

کھانے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ :

احادیث نبویﷺ روایت کرنے کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت قرآنی بیان کی ہے: ’’جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے اس چیز میں سے نہ کھاؤ‘‘۔

پھر حضرت شیخ نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی نگارشات سے حوالے پیش کئے۔ امام غزالیؒ نے کیمیائے سعادت میں، کسب معاش اور آداب طعام پر الگ الگ باب رقم کئے ہیں۔ اور شیخ ابونجیب سہروردیؒ نے ’’آداب المریدین ‘‘ (۱)میں کھانے کے آداب بھی بیان کئے ہیں۔ [1]

شیخ موصوف نے حضرت ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول رقم کیا ہے کہ میں کھانے کے دوران بھی نماز پڑھتا ہوں۔ اس قول میں اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ حضرت شیخ کھانا کھاتے وقت بھی حضور قلب اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور عظیم اثرات مشاہدہ فرمایا کرتے تھے۔

قدرت الٰہی میں غور وفکر

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کھانا کھاتے وقت قدرت الٰہی میں غور وفکر کرنا بھی ذکر میں داخل ہے۔ مثلاً انسان دانتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی صناعی میں غور کرے کہ کچھ دانت ایسے ہیں جو غذا کو ریزہ ریزہ کرتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو اس کو کاٹتے ہیں اور کچھ دانت غذا کو پیتے ہیں۔ یا اس بات پر غور کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے منہ میں ایسا میٹھا پانی پیدا فرمایا جو منہ کا مزہ بگڑنے نہیں دیتا۔ اس کے برعکس آنکھوں میں نمکین پانی پیدا کیا تاکہ وہ خرابی سے محفوظ رہیں۔ یا اس بات پر غور کرنا کہ منہ اور

---

[1] ۔ آداب المریدین (مطبوعہ تصوف فاؤنڈیشن، لاہور)تصوف کی اہم اور بنیادی کتب میں شمار ہوتی ہے اور اسے گذشتہ آٹھ صدیوں سے مشائخ صوفیہ کے دستور العمل کی حیثیت حاصل ہے۔

زبان سے ایسی رطوبت خارج ہوتی ہے۔ جس سے غذا کو نگلنے اور چبانے میں آسانی ہوتی ہے۔ اسی طرح قوت ہاضمہ کو کھانے (غذا) پر اس طرح غلبہ عطا فرمایا ہے کہ وہ غذا کے اجزاء کو الگ الگ کر دیتی ہے۔ اور جگر بھی قوت ہاضمہ کو مدد دیتا ہے۔ اس کے بعد شیخ موصوف نے اور بہت سی تفصیلات بیان کرنے کے بعد کھانا کھانے کے آداب (یعنی کھانا کس طرح سے کھانا چاہئے) پر روشنی ڈالی ہے اور اس ضمن میں احادیث نبوی ﷺکے علاوہ اکابر مشائخ کے اقوال بیان کئے ہیں اور کھانے کی مختلف اشیاء از قسم سرکہ اور سبزیاں وغیرہ کی خصوصیات بیان کرنے کے علاوہ وہ دعائیں بھی نقل کی ہیں جو رسول اکرم ﷺکھانا کھانے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔[1]

قطب الاقطاب شیخ رکن الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دیگر معمولات کی طرح اپنی خوراک میں بھی تناول طعام کے ان آداب واسرار کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے جو شیخ المشائخ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ''عوارف المعارف'' اور حضرت شیخ ابونجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''آداب المریدین'' میں پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ قطب الاقطاب نہ صرف ان آداب پرخود عمل کرتے تھے بلکہ اپنے مریدوں اور شاگردوں کو بھی ان آداب پر عمل کرنے کی تاکید وتلقین فرماتے تھے۔

شیخ کی غذا

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت شاہ رکن عالؒم کھانے کے ان تمام آداب کو بطور خاص ملحوظ خاطر رکھتے تھے جو صوفیاء کیلئے مقرر کئے گئے اور ایسی غذا استعمال کرتے تھے جو ان کی عبادات ومجاہدات میں ممد ومددگار ثابت ہو۔ وہ شروع ہی سے ایک قسم کی غذا کھانے کے عادی تھے۔ شیخ کی غذا کے بارے میں ان کی والدہ ماجدہ حضرت مخدومہ بی بی

---

[1] ۔ ملاحظہ ہو شیخ شہاب الدین سہروردؒی کی تصنیف ''عوارف المعارف'' باب ۴۲ اور ۴۳۔

راؔستی فرماتی ہیں کہ ’’قطب الاقطاب کی غذا بالعموم یہ ہوتی تھی کہ میں روزانہ پیالہ بھردودھ کو جوش دے کر کچھ مغزیات اور میوے اس میں ڈال دیتی۔ حضرت قطب الاقطاب چند لقمے اس کے کھالیتے تھے اور پھر کسی چیز کے کھانے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی‘‘۔[1]

شیخ کا علمی امتیاز اور ذہنی وفکری تفوق

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی ہمعصر شخصیات میں قابل ذکر علمی امتیاز اور غیرمعمولی ذہنی وفکری تفوق حاصل تھا۔ ان کا یہ علمی امتیاز وتفوق ان کی خداداد ذہانت اور خرد حکیمانہ کے علاوہ وسعت مطالعہ کا نتیجہ تھا۔ حضرت قطب الاقطابؒ نے انتہائی محنت وجانفشانی اور لگن کے ساتھ مروجہ علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کی تھی۔ وہ علمی مباحث اور صوفیانہ مسائل سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ اور اپنے دور کے اعلیٰ اخلاق وآداب سے پوری طرح آراستہ تھے۔ دینی اور علمی وادبی تقاضوں بالخصوص تعلیمی اُمور ومسائل سے آگاہ تھے۔ علمی مجالس، بحث مباحثہ اور سوال وجواب میں ان کی مثال کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا تھا کہ جس علمی مسئلے پر بھی اظہار خیال فرماتے اپنے مخاطب اور رفقاء کو لاجواب کردیتے تھے اور حاضرین مجلس پر ان کے تبحر علمی اور فہم وفراست کا سکہ بیٹھ جاتا تھا۔ جو شخص جس نوعیت کا سوال کرتا حضرت قطب الاقطاب خاطر خواہ جواب دیتے تھے اور جو سوال آپ دوسروں سے کرتے لوگ اس کے جواب سے قاصر رہتے۔ [2]

یہ تو بچپن میں ان کی حالت تھی۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کے علم وفضل میں بھی برابر اضافہ ہوتا چلاگیا حتی کہ ان کا شمار برعظیم ہی کے نہیں بلکہ پوری دنیائے اسلام کے قابل قدر

---

[1] ۔ قطب الاقطاب شاہ رکن عالم ملتاؔنی مؤلفہ مولانا نور احمد خان فریدی، ص ۳۸۔

[2] ۔ تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتاؔنی، ص ۳۳۔

علماء اور عظیم المرتبت مشائخ میں ہوتا تھا۔ مشہور عالم سیاح ابن بطوطہ کو سکندریہ میں ایک بزرگ شیخ برہان الدینؒ نے یہ بتایا تھا کہ وہ ہندوستان اور چین کی سیاحت کرے گا۔ شیخ برہان الدین اعرجؒ نے ابن بطوطہ سے کہا تھا کہ جب وہ ہندوستان جائے تو میرے دینی بھائی شیخ رکن الدّین کو میرا سلام پہنچانا۔ ابن بطوطہ نے سفر نامے میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قطب الاقطاب کی شہرت پوری دنیائے اسلام میں پھیل چکی تھی۔

برعظیم کے مشائخ میں شاہ رکن الدّین کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ ہر چند کہ انہیں حضرت داتا گنج بخشؒ یا خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی طرح برعظیم میں تبلیغ اسلام کے باب میں اولیت کا شرف تو حاصل نہیں اور نہ ان کی تبلیغی سرگرمیاں اس طرح ممتاز ہیں جس طرح ان کے پیرومرشد حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ یاان کے دیگر ہمعصر بزرگان دین مثلاً حضرت فرید الدین مسعود گنج شکرؒ اور حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی۔ لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کو جو روحانی اثر واقتدار اور دنیاوی مرتبہ ومقام حاصل ہوا وہ بہت کم بزرگوں کو نصیب ہوا ہوگا۔

حضرت شاہ رکن عالؒم کا ظہور ہوا تو تصوف کے ابتدائی زاہدانہ دور کو ختم ہوئے ایک زمانہ گزر چکا تھا۔ اب یہ طریق زندگی فقط وہی لوگ اختیار کرتے تھے جو سخت سے سخت ریاضتیں اور مشقتیں سہتے اور دنیائے دوں سے فقط قوت لایموت لے کر دور آخرت میں اپنے حصے کے منتظر رہتے تھے۔ غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک ہاتھوں تدوین تصوف کا مرحلہ طے ہو چکا تھا۔ اب اسلامی تصوف اور درویشی کی نئی ترجمانی ہو رہی تھی۔ اور تصوف کی انقلابی روایت پروان چڑھ رہی تھی۔ حضرت غوث الاعظم کے شاگرد اور ان کے خلفاء ایک نیا جذبہ اور نیاولولہ لے کر اٹھے تھے۔ شیخ ابونجیب عبدالقاہر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف

"آداب المریدین" اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف عوارف المعارف منظر پر آچکی تھی۔

حضرت شاہ رکن عالم η کا وصال

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ العزیز کی رحلت کے دس برس بعد ۷۳۵ھ/۱۳۳۵ء میں وفات پائی۔ قطب الاقطابؒ نے اپنے وصال سے تین ماہ پہلے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ لوگوں سے ملنا جلنا اور بولنا چالنا بالکل ترک کردیا تھا اور صرف باجماعت نماز ادا کرنے کی غرض سے اپنے حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لاتے تھے۔ نماز پڑھ کر پھر حجرے میں واپس چلے جاتے تھے۔ [1]

مولانا جمالؒ اس ضمن میں مولانا اسماعیل احمد زالؒ کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ نے رحلت فرمانے سے تین مہینے پہلے مخلوق کی طرف سے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور کسی وقت اپنے خاص حجرے سے باہر نہیں آتے تھے۔ مگر فرض نماز کے وقت مقررہ امام حجرے کے اندر چلا جاتا تھا اور فرض ادا کرنے کے بعد باہر چلا آتا تھا۔ [2]

نور احمد خان فریدی نے بھی مولانا جمال کی یہی روایت نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ ’’عام تذکرہ نگاروں کا یہ بیان کہ نماز کے وقت حضرت قطب الاقطاب مسجد میں تشریف لے جاتے تھے، اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتا‘‘۔ انہوں نے سیر العارفین کی یہ عبارت تحریر کی ہے۔

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ :

---

1. بزم صوفیہ ص ۲۷۳، مطبع معارف اعظم گڑھ
2. مولانا جمال، سیر العارفین، ص ۲۰۸، مرکزی اردو بورڈ

’’اصلاً از حجرہ خود بیروں نیامندند مگر در وقت نماز فرض امام معہود اندرون مے رفت وبعد ادائے فرض بیرون مے آمد‘‘۔[1]

’’لیکن سیر العارفین کے نسخہ اول (۲:۱۱) میں یہ لکھا ہے کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح ادائے فرض کی غرض سے باہر آتے اور پھر حجرے میں چلے جاتے‘‘۔[2]

مولانا نور احمد خان فریدی نے حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا آخری وعظ بھی بغیر کسی حوالے کے نقل کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ نے اشارۂ غیبی پاتے ہی اپنے خادم خاص مولانا ظہیر الدین محمد کو طلب فرمایا اور انہیں ہدایت کی کہ حجرے کو اپنی نگرانی میں لے لو۔ تمہارے سوا کوئی شخص حجرے میں نہ آئے۔ اور تم ہر وقت حجرے میں حاضر رہو۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ العزیز کا عرس مبارک قریب تھا۔ چنانچہ مولانا موصوف کے بیان کے مطابق شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تمام مریدوں کو طلب فرمایا۔ عرس مبارک کی تمام تقریبات میں بنفس نفیس شرکت فرمائی اور ۷ صفر ۷۳۵ھ/۱۳۳۵ء کو لاکھوں کے اجتماع میں اپنے ارادتمندوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

قطب الاقطاب کا آخری وعظ

دوستو یہ دنیا ایک سرائے ہے جو لوگ اس میں مسافرانہ وار رہتے ہیں اور اس کی کسی چیز سے دل نہیں لگاتے۔ جب پیغام اجل کا بلاوا آتا ہے، تووہ شاداں وفرحان اپنے اصلی ملک کو سدھار جاتے ہیں۔ انہیں اس دنیا کو چھوڑنے کا ذرہ برابر بھی ملال نہیں ہوتا۔ لیکن جو لوگ اس دار فانی کو اپنا وطن بنالیتے ہیں۔ انہیں اس دنیا کو چھوڑتے ہوئے ضرور تکلیف ہوتی ہے۔

اے لوگو! سنو میں تم ہی میں پیدا ہوا۔ تم میں ہی پلا بڑھا۔ جوان

---

[1] ۔ سیر العارفین قلمی نسخہ ص ۲۴۳۔

[2] ۔ سیر العارفین حاشیہ ص ۲۰۸ ترجمہ محمد ایوب قادری۔

ہوا۔ اور پھر کھو لت کی منزلیں طے کرتا ہوا آج اس مقام پر پہنچ چکا ہوں جہاں سے انسان ایسے ملک کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ جس میں اسے ابدی سکون نصیب ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ آج کے بعد پھر ہمیں ایک دوسرے سے مل بیٹھنے کا موقع نہ ملے۔ اس لئے کسی نے مجھ سے کچھ لینا ہو تو مانگ لے۔ اگر کسی کو مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو تو وہ اسی دنیا میں اپنا بدلہ چکا لے۔

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالمؒ کے آخری وعظ کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد تذکرہ نگار موصوف لکھتے ہیں کہ اس عظیم الشان اجتماع میں حضرت کے لاکھوں خدام جمع تھے۔ حضرت کے ارشادات سے فراق کا احساس ہوا تو روپڑے اور پھر ایک طرف سے دوسری طرف آہ وبکا اور شور وشیون کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ حضرت شاہ رکن عالمؒ نے اپنے سلسلہ وعظ کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

’’لوگو! وقت تھوڑا اور کام زیادہ ہے۔ بے سود رونے دھونے میں وقت ضائع نہ کرو۔ دیکھو اس مسند پر میرے باپ دادا نے برسوں تک امربالمعروف کی شمع روشن کئے رکھی ہے۔ میں بھی کافی عمر آپ میں بسر کر چکا ہوں۔ خدائے بزرگ وبرتر جو قادر وقیوم ہے اس نے مجھ کو جتنی توفیق عطا فرمائی میں نے بھی آپ کی خدمت کی۔ اب یوں معلوم ہوتا ہے کہ میرے رخصت ہونے کا وقت قریب آچکا ہے۔ مجھے خوشی خوشی الوداع کہو۔ اور کچھ وقت دو تاکہ میں اپنے آپ کو سفر آخرت کے لئے تیار کر سکوں۔ میں اپنے بعد تمہارے درمیان طریقت ومعرفت کے ایسے درخشندہ وتابناک مہر وماہ چھوڑے جارہا ہوں جو ہند کے ظلمت کدے کو نور سے معمور کر دیں گے اور لاکھوں گمراہوں اور خطاکار انسانوں کو صراط مستقیم پر گامزن کریں گے‘‘۔

اس تلقین وارشاد کے بعد حضرت قطب الاقطابؒ نے اپنے دائیں جانب نظر دوڑائی، اس طرف قطب الاقطاب کے جواں سال بھتیجے شیخ صدر الدین محمد بیٹھے ہوئے تھے۔ قطب الاقطاب

نے انہیں اپنے دست مبارک سے اٹھاکر اپنے پہلو میں کھڑا کرکے اپنے ارادت مندوں سے مخاطب ہو کر فرمایا :

’’یہ جوان رعنا میرے بھائی عماد الدین اسماعیل شہیدؒ کا بیٹا اور عارف دوراں شیخ صدر الدین عارفؒ کا پوتا اور میری اور میرے باپ دادا کی مسند کا مالک ہے۔ تم سب لوگ جس طرح میری مدد کرتے رہے ہو اس کے ساتھ بھی مکمل تعاون کا وعدہ کرو۔ تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ سب سے بڑا مرکز اسی طرح سرگرم عمل رہے۔ ہم شیخ حمید الدین حاکمؒ کے زیر احسان ہیں کہ انہوں نے اس عزیز کی تربیت فرمائی۔ میں انہیں وصیت کرتا ہوں کہ جب تک وہ زندہ رہیں میرے اس عزیز کی تربیت میں برابر کوشاں رہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ ان کی سعی وکوشش سے یہ نوجوان حضرت غوث العالمین رحمۃ اللہ علیہ کی اس عظیم خانقاہ کی ذمہ داریوں کو احسن طور پر نبھانے کے قابل ہو جائے گا۔ میں اس نوجوان کو بھی وصیت کرتا ہوں کہ اپنی زندگی بندگان خدا کو گناہ ومعصیت کے گرداب سے نکالنے کے لئے وقف کردے۔ عوام الناس کو خدائے بزرگ وبرتر اور اس کے رسول ﷺاور اپنے مسلمان حاکم کی اطاعت کی تلقین وتاکید کرے اور سلاطین کو اللہ تعالیٰ سے ڈرانے اور رعایا پر شفقت وعنایت کرنے کی نصیحت کرے۔

یاد رکھو کہ خانقاہ کا مطبخ، مدرسہ اورحجرہ نشین درویش آپ سب لوگوں کی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ مقبرہ شریف میں درس دینے کی اجازت نہ دی جائے۔ کبوتروں کو روضہ کی عمارت سے نہ نکالا جائے۔ اور حجرہ نشین درویشوں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے۔

اس ارشاد وتلقین اور تنبیہہ وتاکید کے بعد قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالمؒ نے اپنے روحانی جانشین شیخ صدر الدین محمد کو خرقہ خلافت عطا کیا اور حضرت غوث العالمین رحمۃ اللہ علیہ کی دستار مبارک منگواکر ان کے سرپر رکھوائی۔

تذکرہ نگار لکھتا ہے کہ اس وقت لوگوں میں بے پناہ جوش پیدا ہو چکا تھا۔ ہر طرف نمناک آنکھیں اور غمناک چہرے دکھائی دے رہے تھے اور حضرت قطب الاقطاب دونوں ہاتھ اٹھائے خشوع وخضوع سے دعا مانگ رہے تھے۔ ہر طرف سے آمین آمین کی صدائیں آرہی تھیں۔ حضرت قطب الاقطاب نے بہ آواز بلند فرمایا:

’’برادران ملت تم سب کو خدا کی امان میں دیتا ہوں۔ اب تم بھی مجھے خدا کے سپرد کردو‘‘۔

اپنی زندگی کا یہ آخری وعظ ارشادفرمانے کے بعد حضرت شاہ رکن عالمؒ مسند غوثیہ سے اٹھے اور اپنے خلفاء اور خدام کے ہمراہ آنسوؤں کے سیلاب اور آہوں کے ہجوم سے گزر کر خانقاہ معلیٰ میں تشریف لے گئے۔ اپنے والد گرامی اور دادا حضور کی قبر شریف پر فاتحہ پڑھی اور اپنے خلیفہ شیخ صدر الدین محمد کے سر پر حضرت غوث العلمیؒن کا غلاف مبارک رکھ کر دعا کی اور پھر الٹے پاؤں خانقاہ معلیٰ سے باہر تشریف لے آئے۔ سندھی خدام، مریدین اور معتقدین مناقب پڑھ رہے تھے اور خانقاہ معلیٰ کی فضائیں ہزاروں ارادت مندوں کی تکبیر وتہلیل کی ایمان افروز صداؤں سے گونج رہی تھیں۔ حضرت قطب الاقطابؒ اپنے کسی مرید کو گلے سے لگاتے، کسی معتقد سے مصافحہ کرتے۔ کسی بزرگ کی داڑھی کو بوسہ دیتے کسی شاگرد کو آغوش میں لیتے اپنے حجرے کی جانب چلے حجرے کے دروازے پر مولانا ظہیر الدین موجود تھے۔ حضرت قطب الاقطابؒ دہلیز پر پہنچے تو وہاں رک کر مجمع پر اک نگاہ واپس ڈالی تو دیکھا کہ خانقاہ معلی تک اعزاواقارب اور ارادت مندوں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ قطب الاقطابؒ کچھ دیر تک خاموشی اور متانت کے ساتھ اپنے ارادت مندوں اور مشتاقان دید کے اس عظیم الشان اجتماع کو دیکھتے رہے۔ اس قابل قدر اجتماع میں حضرت قطب الاقطاب کے بچپن کے ساتھی اور ہم جولی بھی تھے اور جوانی وپیری کے اصحاب بھی دوست احباب بھی تھے اور جان نثار ووفادار ارادت مند بھی۔ ان سب حضرات کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ قطب الاقطاب کی آنکھیں بھی

بے اختیار اشکبار ہوگئیں۔ یہ مشتاقان دید کی محبت وعقیدت کا جواب تھا۔ حضرت قطب الاقطاب نے اپنے مشتاقان دید پر آخری نگاہ ڈالی اور دونوں ہاتھوں سے سلام کرکے اپنے حجرے میں داخل ہوگئے۔[1]

حضرت شاہ رکن عالم η کا یوم وصال

حضرت قطب الاقطاب کو اپنے حجرہ مبارک میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے اور اپنے خالق ومالک حقیقی سے ملاقات کی تیاریاں کرتے ہوئے تین ماہ کا عرصہ گزر گیا۔۷جمادی الاول ۳۸ھ کی صبح کو مولانا ظہیر الدینؒ حسب معمول حضرت قطب الاقطاب کو وضو کرارہے تھے۔ وضو ختم کرنے پر قطب الاقطابؒ نے دعا پڑھنے کی بجائے صرف الحمد اللہ کہا۔ مولانا نور احمد خان فریدی کا بیان ہے کہ مولاناظہیر الدین عرصہ دراز تک حضرت قطب الاقطاب کی مصاحبت میں رہنے کے باعث ان کی طبیعت اور معمولات سے پوری طرح آشنا ہو چکے تھے اور انہیں یہ علم تھاکہ حضرت قطب الاقطاب اپنے معمولات کو کس حزم واحتیاط اور اہتمام کے ساتھ قائم رکھتے تھے۔ اس روز مولانا ظہیر الدین نے خلاف معمول وضو کے بعد حضرت قطب الاقطاب کو الحمد اللہ کہتے ہوئے دیکھاتو حیرت زدہ ہوگئے لیکن اس کے بارے میں قطب الاقطاب سے کوئی سوال کرنے کی جرات نہ کر سکے۔ لیکن حجرے سے باہر آکر ایک بزرگ سے اس خلاف معمول امر کا ذکر کیا۔ وہ بزرگ حضرت قطب الاقطابؒ کے ننھیال میں سے تھے اور انہیں حجرے میں داخل ہو کر حضرت قطب الاقطابؒ کی خدمت میں حاضری دینے کی اجازت تھی۔ چنانچہ وہ بزرگ حضرت قطب الاقطابؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا سبب دریافت کیا جس کے جواب میں حضرت قطب الاقطابؒ نے فرمایا:

---

[1] ۔ یہ واقعات مولانا نور احمد خان فریدی کی تالیف تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی سے لئے گئے ہیں لیکن مولانا موصوف نے ان کا کوئی تاریخی حوالہ نہیں دیا۔

’’آج وضو کرتے وقت میرے دل میں دنیا اور آخرت کا خیال نہیں گزرا۔ اس لئے میں نے سمجھ لیا کہ آج میرا یوم وصال ہے۔ اس امر کے پیش نظر میں نے صرف ’’الحمد اللہ‘‘ کہا‘‘۔

حضرت قطب الاقطابؒ کی اس وضاحت سے وہ بزرگ متفکر ہو کرحجرہ مبارک سے باہر آئے۔ چونکہ حضرت قطب الاقطابؒ نے یہ وضاحت رازدارانہ طور پر کی تھی۔ اس لئے انہوں نے اس کا کسی سے ذکر نہیں کیا۔ مولانا ظہیر الدین کے دریافت کرنے پرانہوں نے صرف اتنا کہا کہ ’’خاص بات ہے بعد میں بتاؤں گا‘‘ یہ کہہ کر وہ بزرگ حجرے کی بیرونی دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئے۔ ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے عیاں تھاکہ وہ کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہیں۔

جاؤ میری تجہیز وتکفین کا انتظام کرو

روایت ہے کہ عصر کی نماز کے بعد مولانا ظہیر الدین حجرے میں گئے تو حضرت قطب الاقطاب نے اشارے سے انہیں اپنے قریب بلایا اور فرمایا کہ ’’جاؤ میری تجہیز وتکفین کا انتظام کرو‘‘۔

قطب الاقطابؒ کا یہ حکم سن کر مولانا ظہیر الدین دم بخود رہ گئے اور حجرے سے باہر آکر یہ سوچنے لگے کہ کہیں ان کی سماعت نے دھوکہ تو نہیں کھایا ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ حضرت قطب الاقطابؒ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اچھے خاصے ہیں اور مصلی پر بیٹھے اللہ اللہ کررہے ہیں۔ پھر تجہیز وتکفین چہ معنی دارد؟ چنانچہ پریشانی اور گومگو کے عالم میں مولانا ظہیر الدین حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز اور روحانی جانشین شیخ صدر الدین محمد کی خدمت میں پہنچے اورسارا ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ حضرت غوث العالمین قدس سرہٗ العزیز بھی تو اپنے وصال کے وقت بھلے چنگے تھے۔ بزرگان دین کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کاکسی کو پتہ نہیں چلتا۔

تم جاؤ اور شیخ کے حکم کی تعمیل کرو۔

شیخ صدر الدینؒ اور دیگر خلفاء کی آمد

مولانا ظہیر الدین کو شیخ کی تجہیز وتکفین کے سامان کی تیاری کے بارے میں ضروری ہدایات دے کر شیخ صدر الدین حضرت قطب الاقطابؒ کے حجرے کے باہر پہنچ گئے۔ حضرت قطب الاقطاب کے دیگر اکابر خلفاء کو بھی قطب الاقطاب کے اس حکم کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی وہاں پر حاضر ہوگئے اور حجرے کے گرد جمع ہوگئے۔ انہیں اس امر کا یقین ہو چکا تھا کہ حضرت قطب الاقطاب کے وصال کا وقت قریب آچکا ہے۔ اس لئے سب کی حالت غیر تھی۔ اور سب سکوت اور تحیر کے عالم میں تھے۔ شیخ صدر الدین محمد نے حجرے میں جھانک کر دیکھا تو حضرت قطب الاقطاب بخیریت تمام مصلی پر رونق افروز تھے اور ذکر الٰہی میں مشغول تھے۔ مغرب کی نماز کا وقت آیا تو سب حضرات اور خدام نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں چلے گئے۔ مولانا ظہیر الدین حسب معمول مقررہ امام کو لے کر حضرت قطب الاقطاب کے حجرہ مبارک میں داخل ہوئے۔ شیخ صدر الدین محمد اس سوچ میں تھے کہ نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جاؤں یا حضرت قطب الاقطاب کے ساتھ نماز پڑھوں۔ انہیں حجرے کے اندر جانے کا حوصلہ نہیں ہورہا تھا۔ بالآخر ہمت کرکے حجرے میں داخل ہوگئے۔ اس وقت حضرت قطب الاقطاب نماز کے لئے کھڑے ہو چکے تھے اور مولانا ظہیر الدین تکبیر کہہ رہے تھے۔ شیخ صدر الدین خاموشی کے ساتھ حضرت قطب الاقطاب کے پہلو میں کھڑے ہوگئے۔ فرض ختم ہوئے تو امام حسب معمول حجرے سے باہر چلا گیا۔ لیکن شیخ صدر الدین حجرے کے اندر موجود رہے۔ انہوں نے حضرت قطب الاقطاب کی رحلت کے امکان کے پیش نظر ان کے حجرے میں ان کے پاس ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ خاموشی اور کمال ادب کے ساتھ عبادت الٰہی میں مصروف رہے۔

حضرت قطب الاقطاب نماز ختم کر چکے تھے اور صلوٰۃ اوابین ادا کررہے تھے جب اس سے فارغ ہوئے تو سر سجدے میں رکھا اور روح اعلیٰ علیین کو پرواز کر گئی ۔[1]

---

[1] ۔ مولانا نور احمد خان فریدی تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۵۴۔۲۵۵ قصرالادب جگو والا ضلع ملتان۔

شیخ صدر الدین محمدؒ نے یہ صورت حال دیکھی تو ان کے منہ سے بے اختیار ایک کرب ناک چیخ نکل گئی۔ ان کی چیخ کی آواز حجرے سے باہر موجود حضرات وخدام تک پہنچی تو سب نے سمجھ لیا کہ شریعت وطریقت کا آفتاب غروب ہوگیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مولانا ظہیر الدین نے حجرہ مبارک کا دروازہ جو گذشتہ تین ماہ سے بند چلا آرہا تھا۔ سب کے لئے کھول دیا۔ سب سے پہلے سلطان التارکین حمید الدین حاکمؒ حضرت قطب الاقطابؒ کے دیگر اکابرخلفاء کے ہمراہ حجرۂ مبارک میں داخل ہوئے۔ اور دیکھا کہ حضرت قطب الاقطابؒ کا جسد اطہر ابھی تک سجدے کی حالت میں ہے۔ شیخ صدر الدین محمد مولانا ظہیرالدین اور حمید الدین حاکمؒ نے مل کر حضرت قطب الاقطاب کے وجود اطہر کو مصلے پر سے اٹھایا اور نہایت ادب واحترام سے پلنگ پر لٹادیا۔

حضرت قطب الاقطابؒ کے جسد اطہر کی تجہیز وتکفین کے بعد ان کے جنازے کو خانقاہ معلیٰ کے صحن میں رکھ دیا گیا۔ جہاں جنازے کے اردگرد کثیر تعداد میں لوگ تسبیح وتہلیل میں مصروف تھے۔ قطب الاقطاب کے وصال کی خبر بجلی کی سرعت کے ساتھ شہر ملتان اور اس کے مضافاتی علاقوں میں پھیل گئی۔ اور لاکھوں افراد حضرت قطب الاقطابؒ کا آخری دیدار کرنے کے لئے امڈ پڑے رات بھر ارادت مندوں کا تانتا بندھا رہا۔ صبح ہوتے ہوتے اس قدر مخلوق جمع ہوگئی کہ دونوں مقبروں اور ان کے درمیان علاقے میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔

حضرت شاہ رکن عالمη کی تدفین

عام خیال یہ تھا کہ حضرت شاہ رکن عالؒم کو اس مقبرے میں دفن کیا جائے گا جو سلطان غیاث الدین تغلق نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے قرب میں دفن ہونے کی خواہش کے تحت اپنے لئے تعمیر کرایا تھا اور جسے سلطان محمد بن تغلق نے اپنے دور حکومت میں قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالمؒ کی نذر کردیا تھا۔ مگر حضرت قطب الاقطاب کے خادم خاص اور خلیفہ مولانا ظہیر الدین نے لوگوں کو حضرت قطب الاقطاب کی

اس وصیت سے آگاہ کیا کہ انہیں ان کے دادا حضور کے قدموں میں دفن کیا جائے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت قطب الاقطاب سلطان غیاث الدین تغلق کے تعمیر کردہ مقبرے میں اس لئے دفن ہونا پسند نہیں کرتے تھے کہ انہیں اس امر کا خدشہ تھا کہیں اس مقبرے کی تعمیر پرسرکاری خزانے کی رقم صرف نہ ہوئی ہو۔ انہوں نے اس مقبرے کی عظیم الشان عمارت مدرسہ بہائیہ کو دے دی تھی۔ چنانچہ حضرت قطب الاقطابؒ کی وصیت کے مطابق انہیں حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے مقبرے میں ان کے قدموں میں دفن کیا گیا۔[1]

تاریخ ہائے وفات

حضرت قطب الاقطابؒ کے مریدین ومعتقدین میں بہت سے شاعر بھی تھے۔ مولانا نور احمد خان فریدی کا خیال ہے کہ حضرت قطب الاقطاب کے مرید شاعروں نے ان کے مرثیے اور قطعات لکھے ہوں گے مگر ہمیں صرف دو تاریخیں مل سکی ہیں جو یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ میاں محمد افضل نے اپنی کتاب خلاصۃ الاحباب۔ [2]

میں ملتانی زبان کا یہ شعر لکھا ہے:

ست سو پنج تر یہہ سَن تے ستویں ماہ جمادی الاولیٰ

چلو تاں سیو ڈیکھن چلو ستا شاہ جلولا ۔[3]

۷ جمادی الاوّل ۷۷۵ھ

حضرت کے اکابر خلفاء میں سے سلطان التارکینؒ حمید الدین حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت قطب الاقطابؒ کی وفات پر

---

[1] ۔ حضرت قطب الاقطاب کے وصال اور ان کی تجہیز وتکفین اور تدفین کی یہ تمام تفصیلات مولانا نور احمد خان فریدی کی تالیف تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانی سے لی گئی ہیں اور کسی تذکرے یا تاریخ کی کتاب میں یہ احوال وواقعات نہیں ملتے۔ مولانا نوراحمد خان فریدی نے بھی یہ واقعات کسی تاریخی حوالے کے بغیر ہی قلمبند کئے ہیں۔

[2] ۔ میاں محمد افضل کی کتاب خلاصۃ الاحباب شائع نہیں ہوئی اور قلمی صورت میں ہے۔

[3] ۔ حضرت قطب الاقطاب کا لقب۔

یہ قطعہ لکھا تھا۔[1]

’’شب جمعہ وثلث شب بدو ہفتم جماد اول گذشتہ سال ہفتصد سی وپنج از ہجرت احمد برحمت ایزدی پیوستہ شد آں شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کہ ابوالفتح است وفیض اللہ واز اہل صفا امجد‘‘۔

مذکورہ بالا قطعات اور مولانا نور احمد خان فریدی کے بیانات سے قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم قدس سرہٗ العزیز کی وفات ۷ جمادی الاول سن ۷۳۵ھ کو ہوئی جب کہ ’’سیر العارفین‘‘ کے مؤلف مولانا حامد بن فضل اللہ جمال جو کہ مشائخ سہرورد کے اولین تذکرہ نگار ہیں کے بیان کے مطابق حضرت شاہ رکن عالم کا وصال ۱۶ رجب بروزپنجشنبہ کو ہوا۔ مولانا جمال لکھتے ہیں کہ :

’’۱۶ ماہ رجب پنجشنبہ کے دن نماز کے بعد مولانا ظہیر الدین محمد کو جو حضرت قطب الاقطاب کے خادم خاص تھے حضرت قطب الاقطاب نے اپنے حجرے میں طلب کیا اور حکم دیا کہ جاؤ اور ہماری تجہیز وتکفین کا سامان کرو۔ چنانچہ مولانا ظہیرالدین مذکور باہر آئے اور انہوں نے اس بات کو درویشوں سے جو محرم راز تھے اور معرفت میں مستثنیٰ اور ممتاز تھے بیان کیا سب نے سمجھ لیا کہ آج کی رات ضرور حضرت قطب الاقطاب کی رحلت ہے۔ مغرب کی نماز کے وقت مقررہ امام کو اندر بلایا اور فرض نماز ادا کی۔ نماز اوابین کے بعد سجدے میں سر رکھا اور انتقال فرماگئے۔‘‘[2]

سید حسام الدین عبد الرحمن نے بھی سیر العارفین، تاریخ فرشتہ اور مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دارالمصنفین کے حوالے سے حضرت شاہ رکن عالم کی تاریخ وفات ۱۲ رجب المرجب ہی لکھی ہے۔[3]

شیخ محمد اکرام نے بھی سیر العارفین کے حوالے سے شیخ کی تاریخ وفات ۱۶ رجب بیان کی ہے۔ [4]

---

[1] ۔ تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ص ۲۸۸۔

[2] ۔ سیر العارفین ص ۲۰۹ اردو ترجمہ پروفیسر محمد ایوب قادری مرکزی اردو بورڈ لاہور۔

[3] ۔ بزم صوفیہ ص ۲۷۳، سید صباح الدین عبد الرحمن نے اپنے اس بیان کے ثبوت میں سیر العارفین جلد۲ ص۱۱، تاریخ فرشتہ جلد ۲ ص ۴۱۲ اور مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کے حوالے دیئے ہیں۔

[4] ۔ آب کوثر ص۲۶۷۔

مشہور تذکرہ نگار مفتی غلام سرور لاہوری نے بھی حضرت قطب الاقطاب کی تاریخ وفات ۱۲ رجب المرجب ۷۳۵ھ ہی لکھی ہے۔[1]
ڈاکٹر ظہور الحسن شارب نے سالک السالکین کے حوالے سے حضرت قطب الاقطاب کی تاریخ وفات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شیخ ۱۶ رجب ۷۳۵ھ کو جوار رحمت میں داخل ہوئے۔[2]
اولیائے ملتان کے مؤلف بشیرحسین ناظم نے حضرت قطب الاقطاب کی تاریخ وفات ۱۶ رجب المرجب ۷۳۵ھ تحریر کی ہے۔ [3]

ملتان کے مقامی اہل قلم میں سے سید محمد اولاد علی گیلانی مؤلف ''مرقع ملتان'' اور منشی عبد الرحمن مؤلف ''آئینہ ملتان'' نے حضرت قطب الاقطاب کی تاریخ وفات کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے۔ جب کہ شہزادہ داراشکوہ نے قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالؒم کی تاریخ وفات ۹ جمادی الاول ۷۳۵ھ تحریر کی ہے۔[4]

گویا کہ حضرت قطب الاقطاؒب کی وفات کے ضمن میں مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے صرف تاریخ اور مہینے کے بارے میں اختلاف کیا ہے لیکن جہاں تک سن وفات کا تعلق ہے تو اس مسئلے میں سب کی رائے اور تحقیق ایک ہے۔ تمام مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے حضرت قطب الاقطاؒب کا سن وفات ۷۳۵ھ/۱۳۳۵ء لکھا ہے۔

شیخ کے بچپن کے بعض اہم حالات وواقعات

دنیائے تصوف کی اکثر عظیم المرتبت روحانی شخصیات کی

---

[1] ۔ حدیقۃ الاولیاء ص ۱۵۴ از مفتی غلام سرور لاہوری اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور

[2] ۔ خم خانہ تصوف (تذکرہ اولیائے پاکستان وہند) ص ۱۲۴ بحوالہ سالک السالکین جلد ۲ ص ۵۲۷۔

[3] ۔ اولیائے ملتان، ص ۵۱ ، سنگ میل پبلیکشنز لاہور۔

[4] ۔ سفینۃ الاولیاء، ص ۱۵۴، مؤلفہ شہزادہ داراشکوہ قادری مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔

طرح شیخ رکن الدین ملتانؒی کی ذات بابرکات سے بھی بچپن ہی کے زمانے میں روحانیت کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے بلکہ ان کی ولادت باسعادت سے پہلے بھی بعض ایسے غیر معمولی واقعات رونما ہوئے جن سے شیخ رکن الدین ملتانؒی کے مادر زاد ولی ہونے اور پیدائشی طور پر روحانی قوتوں کے مالک ہونے کے واضح ثبوت ملتے ہیں۔ اس ضمن میں مختلف تذکروں اور کتب سیر میں کئی ایسی کرامتیں اور بشارتیں ملتی ہیں جن سے ہمارے اس مؤقف کو تقویت فراہم ہوتی ہے کہ شیخ اپنی زندگی کے ابتدائی ایام ہی سے اعلیٰ روحانی مرتبہ ومقام پر فائز تھے۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانؒی کی بشارت

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پوتے شیخ رکن الدین کی ولادت سے پہلے بشارت دی تھی کہ ان کی وجہ سے ان کے خاندان کا چراغ روشن ہوگا۔ بعد میں رونما ہونے والے حالات وواقعات نے یہ ثابت کردیا کہ شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی بشارت حرف بہ حرف درست تھی۔

شیخ کی پیدائش سے پہلے کا ایک اہم واقعہ

مشہور تذکرہ نگار مولانا جمالؒ نے شیخ رکن الدین ملتانؒی کی ولادت سے پہلے کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ شیخ موصوف کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں :

''اپنے بزرگوار دادا شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے منظور نظر اور اپنے والد حضرت شیخ المشائخ صدر الدین عارفؒ الٰہی کی آنکھوں کے نور تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام راؒستی تھا۔ وہ اپنی راستی اور درستی میں رابعہ عصر تھیں اور روزانہ ایک قرآن ختم کرتی تھیں۔(اپنے خسر حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی مرید تھیں ایک دفعہ وہ شب ماہ (چودھویں تاریخ) کو حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے سلام کے لئے آئیں۔ تو اس وقت حضرت شیخ قطب الاقطاب سات ماہ کے ان کے شکم میں تھے۔ حضرت شیخ الاسلام نے خلاف معمول اور دنوں سے ان کی بہت زیادہ

تعظیم کی چنانچہ ان کو تعجب ہوا کہ حضرت شیخ الاسلام نے اتنی زیادہ تعظیم و تکریم کیوں کی تو حضرت نے فرمایا۔ بی بی یہ تمام تعظیم و تکریم اس بچے کی ہے جو تیرے شکم میں ہے اور یہ ہمارے خاندان کا چراغ اور ہمارے دومان کی شمع ہے۔

غرض یہ کہ امیر خورد ہی نے سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور شاہ رکن عالم ملتآنی کے گہرے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے اور ان بزرگوں کی زندگی کے حالات رقم کرنے کے علاوہ ان کے بارے میں چشم دید واقعات بھی بیان کئے ہیں جن سے شاہ رکن عالم ملتآنی کی روحانی عظمتوں کی صاف نشاندہی ہوتی ہے۔ امیر خورد کے بیان کردہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان قطب الدین مبارک سے ملاقات سے پہلے شاہ رکن عالم ملتآنی سے کئی مرتبہ ملاقات کی۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ دہلی میں کئی مرتبہ قیام کے دوران شیخ رکن الدین نے سلاطین دہلی سے ملاقات کے بعد بھی سلطان المشائخ سے ضرور ملاقاتیں کی ہونگی۔ امیر خورد نے ان ملاقاتوں کی تفصیلات لکھی ہیں لیکن انہوں نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اشارے یا کنائے سے اس نوع کا تاثر دیا ہو جس قسم کا تاثر شیخ علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ والے واقعے سے قائم ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس سلطان المشائخ نے ہمیشہ شاہ رکن عالم کی مناسب پذیرائی کی جس کی تفصیلات امیر خورد کے تذکرے ’’سیر الاولیاء‘‘ کے علاوہ معاصر مورخین کی کتب معتمدہ سے بھی ملتی ہیں۔ جس کا ذکر ہم نے ’’شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ‘‘ اور سلطان المشائخ کی ملاقاتیں کے عنوان سے اس کتاب میں کیا ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ امیر خورد مبارک کرمانی نے اس واقعے کے راوی یا راویوں کے نام نہیں دیئے بلکہ صرف منقول ہے کہنے پر اکتفاء کیا ہے۔ یعنی معاصر تذکرہ نگار اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں بیعت ہونے کے باوجود انہیں اس واقعے کے گواہوں اور اس کے راویوں کا علم نہیں تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس عظیم روحانی شخصیت کی تعظیم وتکریم سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہوں، ان کے استقبال کیلئے جاتے ہوں ان کی خدمت میں تحائف اور نذرانے پیش کرتے ہوں اپنی زندگی کے آخری ایام میں انہیں اپنے بستر پر بیٹھنے کی دعوت دیتے ہوں اور جس بزرگ انسان سلطان المشائخ کی نماز جنازہ پڑھائی ہو شیخ علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ یا سلسلہ چشتیہ کا کوئی بھی بزرگ ان مصافحہ اور معانقہ کرنے کے بعد غسل کی حاجت کیونکہ محسوس کر سکتا ہے؟

قطب الاقطاب کا لقب

حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو قطب الاقطاب کہا جاتا ہے، غوث، قطب، ابدال اور اوتاد مختلف روحانی مقامات ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اپنے مقربان خاص کو فائز کرتاہے۔ یہاں پر ہم لفظ قطب پر روشنی ڈالتے ہیں جو حضرت شاہ رکن عالَم کا لقب ہے۔

قطب کے لغوی معنی

قطب لوہے کی اس کیل کو کہتے ہیں جس پر چکی گھومتی ہے۔ قطب قوم کے سردار اور اس افضل برتر شخص کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جس پر اس قوم کا مدار ہو۔ ہر شے کی اصل کو بھی قطب کہتے ہیں۔ وہ نقطہ زمین جو شمال اور جنوب پر ساکن ہے اور وہ دو ستارے جو ان دونوں قطبوں کے محل پر واقع ہیں۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک کو مجازاً قطب کہا جاتا ہے۔[1]

علاوہ ازیں قطب اس ولی کا لقب بھی ہے جس کے قبضہ قدرت میں خدائے بزرگ وبرتر کی جانب سے عالم معنوی میں کسی ملک کا انتظام سپرد ہو۔[2]

---

[1] ۔ لغات کشوری، ص ۳۶۶ مطبع نامی منشی نول کشور لکھنؤ ۱۹۲۶ء۔

[2] ۔ ایضاً۔

لقب قطب کی تحقیق

قطب کی روحانی اصطلاح پر تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون رقمطراز ہیں کہ اب صوفیاء کی تحریروں میں لفظ قطب بھی آنے لگا ہے۔ قطب کے معنی سردار عرفاء کے ہیں۔ ان لوگوں کا گمان ہے کہ معرفت میں قطب کے برابر کوئی نہیں ہوتا۔ جب تک حق تعالیٰ اسے اپنے پاس نہ بلالے اور اس کا وارث کسی ولی اللہ کو نہ بنادے۔ شیخ بوعلی سینا نے بھی اشارات میں تصوف کی فصلوں میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات اس سے بلند وبالا ہے کہ وہ ہر گھسنے والے کے لئے گھاٹ بن جائے اور ہر شخص اپنے دل میں اس کی معرفت کا نور روشن کرے۔ یہ مقام یکے بعد دیگرے ایک شخص کو نصیب ہوتا ہے۔ لیکن اس دعوے کی نہ تو کوئی عقلی حجت ہے اور نہ نقلی۔ ایسے خطابت کی ایک نوع سمجھنا چاہئے۔ [1]

بعض حضرات نے قطب کو غوث کا مترادف قرار دیا ہے ان کا بیان ہے کہ قطب، غوث ہی کا دوسرا نام ہے۔[2]

غوث کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ساری دنیا میں ایک ہوتا ہے اور اپنے دور کے جملے اولیاء اللہ پر حاکم اور سب سے اعلیٰ وافضل ہوتا ہے۔ سارا نظام عالم ظاہر وباطن اس کے تصرف میں ہوتا ہے اور وہ (غوث) اپنے ظاہر اور باطن میں حضور خاتم الانبیاءﷺ کے قدم مبارک پر ہوتا ہے۔[3]

اہل اللہ کے گروہ

اہل اللہ کے گروہ کا تذکرہ کرتے ہوئے داراشکوہ لکھتا ہے کہ جن برگزیدہ لوگوں کو اہتمام وانتظام سونپا گیا ہے۔ نیز وہ بارگاہ الٰہی کے سپاہی ہیں ان کی تعداد تین سو ہے۔ انہیں ''اخیار'' کہتے

---

[1] ۔ مقدمہ ابن خلدون باب تصوف۔

[2] ۔ اصطلاحات صوفیہ مرتبہ خواجہ شاہ محمد عبد الصمد، مکہ بکس لاہور۔

[3] ۔ اصطلاحات صوفیہ مرتبہ خواجہ شاہ محمد عبدالصمد۔

ہیں۔ ان میں چالیس ’’ابدال‘‘ سات ’’ابرابر‘‘ چار ’’اوتاد‘‘ اور تین ’’نقباء‘‘ ہیں۔ ایک کو غوث وقطب کا درجہ حاصل ہے۔ یہ سب ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں اور بعض اُمور میں ایک دوسرے کی اجازت کے محتاج ہیں۔ اس بارے میں حدیثیں بھی ہیں ان کی صحت پر اہل سنت متفق ہیں۔

شیخ روز بہان بقلیؒ آیت کریمہ "وَقَطَّعْنَاهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا "۔[1]

کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اہل اللہ کے گروہ بارہ ہیں۔ ان میں سب سے افضل مؤحد ہیں۔ ان کے علاوہ عارف، عاشق، سابق، محب، موقن (یقین کرنے والے) مکاشف (کشف کرنے والے)، مشاہد (مشاہدہ کرنے والے)، مسالک، صادق، راضی بہ رضا اور مرید ہیں۔ ان گروہوں کی مزید وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ یہ بارہ چشمے ہیں جن سے شربت ازلی حاصل ہوتا ہے۔ مؤحدوں کا چشمہ توحید، عارفوں کا چشمہ عبودیت اور اطمینان، عاشقوں کا چشمہ اخلاص، سابقوں کا چشمہ صدق، محبوب کا چشمہ تواضع، موقنوں کا چشمہ تسلیم ورضا، مکاشفوں کا چشمہ تسکین ووقار، مشاہدوں کا چشمہ سخا واعتماد، سالکوں کا چشمہ یقین، صادقوں کا چشمہ عقل، راضیوں کا چشمہ محبت اور مریدوں کا چشمہ انس وخلوت ہے ا ور ان ہی بارہ چشموں کا اشارہ اس آیت کریمہ میں آیا ہے:

" فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ "۔[2]

ترجمہ: بس (مارنے کی دیر تھی) فوراً اس میں بارہ چشمے پھوٹ نکلے چنانچہ ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع معلوم کر لیا۔

---

1 ۔ القرآن سورة الاعراف۱۶۰۔
2 ۔ القرآن سورة البقرہ: ۶۰۔

آیت کریمہ کی اس تشریح کے بعددار اشکوہ لکھتا ہے کہ بحر توحید کے محقق عارف، اہل یقین کے رہبر شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سات برگزیدہ انسانوں کو ''ابدال'' کہتے ہیں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے روئے زمین کو سات اقلیموں میں تقسیم کیا اور اپنے بندوں میں سے سات برگزیدہ افراد کو چنا اور انہیں ''ابدال'' کا نام دیا ۔ ان میں سے ہر فرد، ایک اقلیم پر نظر رکھتا ہے۔ مجھے (یعنی شیخ عبدالقادر جیلانؒی) ان کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔

خراسان کے اکابر میں سے ایک نے کہا کہ شیخ حرم نجم الدین اصفہانؒی نے مجھ سے پوچھا کیا یہ حدیث تم تک پہنچی ہے؟

"بدلاء امتی اربعون اثنا عشر فی العراق وثمانیۃ وعشرون فی الشام"۔

(یعنی میری اُمت کے ابدال چالیس ہیں جن میں بارہ عراق میں ہیں اور اٹھائیس شام میں)۔
میں نے عرض کی جی ہاں یہ حدیث مجھ تک پہنچی ہے لیکن میرے لئے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ یہ سب کے سب شام اور عراق ہی میں کس طرح ہو سکتے ہیں؟ شیخ نے فرمایا کہ حضرت رسالت پناہﷺ نے تمام دنیا کو دوحصوں میں منقسم کیا ہے۔ نصف حصہ شرقی ہے اور نصف غربی۔ عراق سے مراد نصف شرقی حصہ ہے اور شام سے مراد نصف غربی ہے۔ حصہ شرقی میں عراق، خراساں، ہندوستان، ترکستان اور تمام مشرقی علاقے شامل ہیں اور نصف حصہ غربی میں شام، مصر اور مغربی ممالک شامل ہیں۔ [1]

دار اشکوہ کی ان توضیحات کے بعد اب ہم حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کے لقب قطب الاقطاب کی طرف آتے ہیں۔ بعض اہل قلم کے نزدیک قطب الاقطاب بھی غوث کو کہتے ہیں ان کا مؤقف یہ ہے کہ قطب اور غوث ہم معنی الفاظ ہیں۔ باعتبار حاجت

---

[1] ۔ سکینۃ الاولیاء از داراشکوہ ص ۱۵ تا ۱۷ پیکجز لمیٹڈ، لاہور۔

روائی خلق کے ’’غوث ‘‘نام ہے اور باعتبار قرب ذات حق کے ’’قطب ‘‘نام ہے۔

قطب ابدال اور قطب ارشاد

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سنبھلی کا بیان ہے کہ قطب ابدال اور قطب ارشاد میں بہت بڑا فرق ہے۔ قطب ابدال ان فیوض کے پہنچنے کا واسطہ ہوتا ہے۔ جو اس عالم وجود اور بقاء سے تعلق رکھتے ہیں اور قطب ارشاد ان فیوض الٰہیہ کے حصول کا واسطہ ہوتا ہے جو ہدایت اور ارشاد سے متعلق ہیں۔ لہٰذا پیدا ہونا، رزق کا ملنا، آفات وامراض کا رفع ہونا اور صحت وعافیت کا حاصل ہونا ان فیوض سے وابستہ ہے جو قطب ابدال سے مخصوص ہیں اور ایمان وہدایت اور نیکیوں کی توفیق اور برائیوں سے توبہ قطب ارشاد کے فیوض کا نتیجہ ہے۔ قطب ابدال اپنے کام میں ہر وقت مشغول رہتا ہے اور دنیا کبھی قطب ابدال سے خالی نہیں رہتی کیونکہ دنیا کا انتظام اس سے متعلق رہتا ہے اگر قطب ابدال کے افراد میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا مقرر کیا جاتا ہے۔ لیکن قطب ارشاد کا ہمیشہ موجود ہونا ضروری نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ کسی وقت دنیا ایمان اور ہدایت سے خالی ہو جاوے۔

اس درجہ ولایت حاصل کرنے کے بعد اقطاب میں کمال کے اعتبار سے فرق ہوتاہے۔ قطب ارشاد فرد اکمل جناب خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے قدم مبارک پر ہوتا ہے اور اس کا کمال آنحضرتﷺ کے کمال کے مطابق ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضرتﷺ اپنے وقت میں قطب ارشاد تھے اور خواجہ اویس قرؒنی اسی وقت میں قطب ابدال تھے۔ دنیا میں قطب سے فیض یوں پہنچتا ہے کہ قطب جامعیت حاصلہ کی وجہ سے مبداء فیاض کے لئے صورت اور ظل کی مانند ہے اور تمام جہان اسی قطب جامع کی تفصیل ہے۔ پس اس کا یہ فیض حقیقت سے صورت کی طرف بے تکلف آتا ہے اور صورت جامع سے جو اس کی تفصیل ہے عالم میں بے تحاشہ فیض پہنچتا ہے۔ فیاض مطلق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے فیض کے پہنچنے میں واسطہ کو چنداں دخل

نہیں بلکہ اکثر واسطہ کو اس فیاض سے آگاہی بھی نہیں ہوتی:
از ما وشما بہانہ ساختہ اند۔

مگریہ شبہ ہو کہ ایمان وہدایت عام خلقت کو حاصل نہیں اس لئے قطب ارشاد کے فیوض عام نہ ہوتے بلکہ وہ ہدایت اور ایمان والوں ہی تک منحصر رہتے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ پھر قطب ارشاد کے کیا معنی ہوئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ مبداء فیاض سے ملتا ہے وہ سب کا سب خیر وبرکت اور ایمان وہدایت ہے۔ شر ونقص کی اس میں مطلق گنجائش نہیں خواہ وہ فیض اہل شقاوت کو پہنچے خواہ اہل سعادت کو لیکن وہی ارشاد وہدایت اہل فساد میں مقام گندگی کے باعث گمراہی وشرارت پیدا کرتی ہے۔ جس طرح عمدہ غذا مریض کے فاسد مزاج کی وجہ سے اس کے لئے اخلاط ردی اور مہلک امراض کا مادہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح اہل فساد میں بھی ہدایت ان کے دلوں کی گمراہی کی وجہ سے گمراہی پیدا کردیتی ہے۔ دریائے نیل کی طرح دوستوں کیلئے پانی اور محجوبوں کے لئے بلا ہے۔ یعنی قبطی کے لئے دریائے نیل کا پانی خون معلوم ہوتا ہے جو اس کے خبث باطن کے سبب سے ہے ورنہ اس کا پانی تو صاف ہے، اس میں کوئی فساد نہیں۔ صفراوی مزاج والے کو شیرینی اس لئے تلخ معلوم ہوتی ہے۔ کہ اس کا اپنا مزاج بگڑا ہوا ہوتا ہے۔ الغرض جو کچھ حق تعالیٰ کی طرف سے پہنچتا ہے۔ خیر وبرکت اور ہدایت ہے اور وہی خیر وبرکت محل فاسد میں فساد پیدا کرتی ہے۔ [1]

اس کے بعد مولانا محمد اسماعیل سنبھلی نے یہ آیت کریمہ بیان کی ہے :

"وما ظلمہم اللہ ولکن کانوا انفسہم یظلمون"

یعنی اللہ تعالیٰ ان پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

---

[1] ۔ مولانا محمد اسماعیل سنبھلی مقامات تصوف ص ۶۳۔۶۴ ، یونیورسل بکس لاہور ۱۹۸۲ء۔

قطب ارشاد صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے

قطب ارشاد جو کمالات فردیہ کا جامع ہے ۔ بہت نادر الوجود ہوتا ہے ۔ صدیوں اور قرنوں کے بعد اس قسم کا گوہر ظہور میں آتا ہے۔ اور عالم اس کے انوار سے منور ہوتا ہے اور اس کے ارشادات وہدایت کا نور عرش سے لیکر فرش تک شامل ہوتا ہے اور جس کسی کو رشد وہدایت اور ایمان ومعرفت کا حصول ہوتا ہے اس کا فیض ہوتا ہے اور اس کے واسطہ کے بغیر کوئی شخص اس دولت کو نہیں پاسکتا۔ یوں سمجھو کہ اس کے نور نے بحر محیط کی طرح تمام جہان کو گھیر رکھا ہے اور بالکل منجمد ہے اور جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہو کر اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے یا وہ بزرگ خود طالب کے حال پر متوجہ ہوتا ہے گویا اس طالب کے دل میں نورانی روزن کھل جاتا ہے۔ پھر وہ توجہ واخلاص کے موافق اس دریا سے سیراب ہو جاتا ہے۔ [1]

شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ قطب تھے

صاحب مراۃ المناقب نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شاہ رکن عالمؒ قطب اور مادر زاد ولی تھے۔ نیز یہ کہ انہیں اپنی ولایت اور قطبیت کا علم تھا۔ اس واقعے کی تفصیلات یوں ہیں کہ شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ رکن عالمؒ سے فرمایا کہ میں نے عالم مکاشفہ میں دیکھا کہ ایک شخص بہاء الدین جو زہد وورع میں صاحب کمال اور علم وعمل میں یگانہ روزگار تھا، فو ت ہوگیا۔ اسکی عبادت وطاعت کسی کام نہ آئی۔ اس کے تمام اعمال اس کے منہ پر مارے گئے اور ایمان سلب کر لیا گیا ۔ یہ حال دیکھ کر مجھ پر خوف طاری ہوا کہ خدا جانے اس فقیر بہاء الدین سے کیا سلوک ہوگا؟ دوسرے یہ کہ روز میثاق جب تمام ارواح خداوند کریم کے حضور پیش ہوئیں ارشاد ہوا : ” الست بربکم“ جواب عرض ہوا: ”بلیٰ“ حکم ہوا میں تمہارا معبود ہوں مجھے سجدہ کرو۔

---

[1] ۔ مولانا محمد اسماعیل سنبھلی مقامامت تصوف، ص ۶۴ یونیورسل۔

پہلے حکم پر کئی سجدے میں چلے گئے اور کئی کھڑے رہے۔ دوسرے حکم پر پہلے لوگوں کے ساتھ کئی اور لوگ شریک ہوگئے۔ یہ سب مخلصین کہلائے اول مسعود اور آخر محمود، لیکن جنہوں نے سجدہ کیا تھا۔ وہ ''خسر الدنیا والآخرۃ'' کے مصداق بنادیئے گئے۔ خدا معلوم یہ ناچیز کس گروہ میں تھا؟

یہ بیان کرنے کے بعد صاحب مرآۃ المناقب لکھتے ہیں کہ حضرت رکن عالم اس وقت اگرچہ کمسن تھے لیکن مادر زاد ولی اور قطبیت عظمیٰ کے درجے پر فائز تھے۔ آپ نے عرض کی ''دادا جان آپ ہر دو اُمور کی بابت تسلی فرمائیں۔ کیونکہ حضور کی روح مخلصین کے اس گروہ میں ہے جس نے ہر دو مرتبہ خلوص دل سے سجدہ کیا اور اپنے مالک حقیقی کو وحدانیت اور یگانگت میں پہچانا۔ مجھے بخوبی یاد ہے کہ آپ کی روح اغواث کی صف میں تھی اور میں اقطاب کی صف میں تھا۔ میں نے چاہا کہ انبیاءعلیہم السلام کی صف میں جاکھڑا ہوں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ رکن الدین کو صف سے ہٹادو۔ حضرت جبرائیل نے ایک پر لگایا جس سے میرا پاؤں زخمی ہوگیا اور میں اقطاب کی صف میں لوٹ آیا۔ آپ کی روح پُرفتوح کو دیکھا کہ اغواث کی صف میں کھڑی ''رب العزت'' کی حمد وثنا کررہی تھی۔ [1]

اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام سندھ، ملتان اور پنجاب میں تمام تر مشائخ سہرورد اور حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔ اور فی الحقیقت یہی بزرگان دین اس زبان کے بانیوں مبانیوں میں سے ہیں جس نے آگے چل کر اردو زبان کی شکل اختیار کی۔ سندھ، بلوچستان، کشمیر اور پنجاب کے علاوہ برعظیم کے دوسرے علاقوں میں تبلیغی وفود بھیجنے کا آغاز شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریاملتانیؒ نے کیااور تبلیغ اسلام کی غرض سے وہ خودبھی دورے کرتے تھے۔ قطب

---

[1] ۔ شاہ رکن عالم ملتانیؒ از نور احمد خان فریدی ص ۳۰ بحوالہ مراۃ المناقب۔ یہ واقعہ ہم نے حضرت شاہ رکن عالم کے بچپن کے حالات کے بارے میں بھی نقل کیا ہے۔

الاقطاب حضرت شاہ رکن عالمؒ نے اس عمل کو برابر جاری رکھا اور برعظیم کے مختلف علاقوں میں تبلیغی وفود بھیجنے کے علاوہ حضرت قطب الاقطابؒ نے خود بھی تبلیغی دورے کئے اور سندھ سے لے کر دارالسلطنت دہلی تک کے مختلف زبانیں بولنے والے مقامی باشندوں سے براہ راست ذاتی رابطہ قائم کیا۔

اس تاریخی تحلیل وتجزیہ کے بعد ہم بجا طور پر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی اور ان کے خلفاء نے اردو زبان کی ابتدائی نشوونما میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ اہم اور بنیادی کردار بھی ادا کیا۔ حضرت قطب الاقطابؒ کے خلیفہ اعظم حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے بارے میں ان کے تذکرہ نگار پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مخدوم عربی وفارسی کے علاوہ مقامی بولیوں میں بھی تلقین وارشاد فرماتے تھے اور حسب ضرورت ان زبانوں میں تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ ہندی وہی زبان ہے جو بعد کے اردو کے نام سے موسوم ہوئی''۔[1]

ملتانی زبان نے اردو کے نشووارتقاء میں جواہم اور بنیادی کردار ادا کیا اس پر ایک مقامی محقق مہر الحق نے ملتانی زبان اور اس کا اردو تعلق کے عنوان سے ایک مفید اور قابل قدر تحقیقی کتاب تصنیف کی ہے۔ جس میں تاریخ کے مختلف ادوار میں ملتانی زبان نے اردو زبان پر جو اثرات مرتب کئے ان پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ [2]

اور حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی متعدد واقعات کتب تاریخ وسیر میں ایسے ملتے ہیں جن سے یہ ظاہر وثابت ہے کہ انہوں نے سندھی اور مقامی زبان ملتانی میں گفتگو فرمائی۔

---

[1] ۔ پروفیسر محمد ایوب قادری ، تذکرہ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت ، ص ۱۵۰۔

[2] ۔ تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو: ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق ، ڈاکٹر مہر الحق۔

حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخی اُمور میں دلچسپی

حضرت قطب الاقطاب باطنی علوم کے علاوہ ظاہری علوم وفنون اور دینی اور شرعی علوم کے ساتھ ساتھ ان دینوی علوم سے بھی گہرا شغف رکھتے تھے جو تبلیغی وتجدیدی اور اصلاحی مقاصد کی تحصیل وتکمیل کیلئے بہت ضروری تھے۔ ملکی حالات وواقعات پر بھی کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ یہاں پر ہم ایک واقعہ رقم کرتے ہیں جس سے حضرت قطب الاقطابؒ کی تاریخی اُمور میں دلچسپی اور ان کی معلومات عامہ کااندازہ ہوتا ہے۔

نامور مورخ اور شہرہ آفاق سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ الشیخ الامام رکن الدینؒ نے ملتان میں بیان فرمایا کہ :

''سلطان غیاث الدین تغلق کی قوم ان ترکوں میں سے ہے جس کو عرف عام میں قرونہ کہتے ہیں اور وہ سندھ اور ترکستان کے پہاڑوں کے درمیان رہتی ہے۔''

حضرت قطب الاقطابؒ نے سلطان غیاث الدین تغلق کے ابتدائی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے مزید فرمایا کہ:

''ابتدائے حال میں یہ ملک تغلق بالکل مفلس اور قلاش تھا۔ سندھ میں وہ ایک سوداگر کے ہاں ملازم ہوا۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ سلطان علاء الدین خلجی کا بھائی الخ خان سندھ کا حاکم تھا۔ اس نے اسے اپنے ہاں پیادوں میں نوکر رکھ لیا۔ مگر ملک تغلق نے ایسی بہادری اور شجاعت دکھائی کہ اسے بہت جلد سواروں میں جگہ مل گئی۔ پھر وہ میر آخور مقرر ہوا اور رفتہ رفتہ اس کا شمار امرائے کبار میں ہونے لگا۔ ''[1]

غیاث الدین تغلق کے بارے میں ابن بطوطہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے ملتان میں ایک مسجد تعمیر کرائی جس کی محراب پر یہ عبارت لکھی ہے کہ:

---

[1] ۔ سفرنامہ ابن بطوطہ۔

’’میں تاتاریوں سے انتیس دفعہ لڑا ہوں اور انہیں ہرلڑائی میں شکست دی ہے۔ اس لئے نمازی ملک میرا لقب ہوا۔‘‘

ابن بطوطہ لکھتا ہے :

’’مسجد کی محراب پر کندہ یہ تحریر اس نے اپنی آنکھوں سے پڑھی تھی۔‘‘

’’شیخ علم الدینؒ علامہ حضرت غوث العٰلمیؒن کے فرزندوں میں سے ایک بڑے عالم، طبیب اور فلسفی تھے۔‘‘[1]

شیخ شہر اللہؒ نے شیخ جمال اچیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ :

’’شیخ علم الدینؒ بڑے حکیم اور قیافہ شناس تھے۔‘‘[2]

امیر خورد کرمانی کی ’’سیرالاولیاء‘‘ میں بیان کردہ روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم الدین علامہ ایک ہوشیار وتجربہ کار اور زمانہ شناس شخص تھا۔[3]

مولانا جمالی کی ’’سیر العارفین‘‘ میں نقل کردہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ علم الدین علامہ سوال جواب اور بحث مباحثہ میں دلچسپی لینے والا ایک گفتگو طراز اور مجلس آراء شخص تھا۔

مولانا جمالی نے دہلی کی ایک مجلس سماع کا ذکر کیا ہے جس میں سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اور قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ علم الدین علامہ بھی شریک تھے۔ اس مجلس میں حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو وجد وحال آیا تو حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا دامن پکڑ لیا اور انہیں کھڑا نہ ہونے دیا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت خواجہؒ پر پھر کیفیت وجد طاری ہوئی اور وہ کھڑے ہوگئے اس مرتبہ حضرت قطب الاقطابؒ نے ان کا دامن نہیں پکڑا بلکہ دیگر مشائخ کی طرح خود بھی کھڑے ہوگئے۔ مجلس کے بعد علم الدین علامہ نے

---

1 ۔ تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتاؒنی، ص ۱۶۵۔

2 ۔ تذکرہ حمیدیہ اردو ترجمہ از غلام دستگیر نامی ص ۲۵۔

3 ۔ سیر الاولیاء اردو ترجمہ از اعجاز الحق قدوسی ص ۸۰۴۔ ۸۰۳۔

حضرت قطب الاقطابؒ سے دریافت کیا کہ :

’’آپ نے حضرت خواجہ کو پہلی بار وجد آنے پر ان کا دامن کیوں پکڑا؟ اور دوسری بار وجد آنے پر ان کا دامن کیوں نہیں پکڑا؟۔‘‘

جس کے جواب میں حضرت قطب الاقطاب ؒ نے فرمایا کہ :

’’میں نے حضرت (نظام الدین اولیاءؒ) کو پہلی مرتبہ عالم ملکوت میں پایا۔ میرا ہاتھ وہاں پہنچ گیا۔ اور دوسری مرتبہ میں نے انہیں عالم جبروت میں دیکھا اور اپنا ہاتھ روک لیا۔‘‘[1]

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء اور گھر کے بارے میں (ابوبکر قوال نے جوحضرت بہاء الدین زکرؒیا کی خدمت میں حاضر رہ کر دہلی گیا تھا) بتایا کہ حضرت بہاء الدین زکرؒیا کے ہاں یوں ذکر ہوتاہے اس طرح عبادت کی جاتی ہے۔ اوراد ووظائف یوں پڑھے جاتے ہیں اور لونڈیاں آٹا پیستی ہیں۔[2]

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میری عمر دس بارہ سال کی تھی۔ اس وقت میں لغت پڑھتا تھا کہ ابوبکر خراطہ (قوال ملتان سے میرے استاد کے پاس آیا اس نے شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے زہد وعبادت کی تعریف کی اور کہا کہ وہ ایسے بزرگ ہیں کہ ان کی کنیزیں بھی چکی پیستے پیسے ذکر الٰہی کرتی ہیں۔ وہ بہت دیر تک حضرت بہاء الدین زکریا ملتاؒنی کے فضائل ومناقب بیان کرتا رہا۔ [3]

---

[1] ۔ سیر العارفین اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری ص ۲۰۴۔۲۰۳۔ یہ مجلس سماع حضرت فرید الدین گنج شکر کے عرس کے موقع پر دہلی میں منعقد ہوئی تھی اس کی پوری تفصیل ہم نے حضرت سلطان المشائخ اور حضرت قطب الاقطاب ؒکے مابین ہونے والی ملاقاتوں کے باب میں دی ہے۔ (مصنف)

[2] ۔ فوائد الفواد، ص ۳۰۰۔

[3] ۔ سیر الاولیاء، ص ۲۰۵۔ ۲۰۴۔

خرقہ ارادت اور خرقہ تبرک

میں نے جتنے بھی خرقے دیئے ہیں ان میں سے صرف پانچ یا چھ خرقہ ارادت ہیں۔ باقی تمام خرقہ تبرک ہیں۔ [1]

سلطان غیاث الدین تغلق نے برادر بچہ خسروخان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا کر برعظیم میں مسلم اقتدار کو مضبوط ومستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش کی۔ حضرت شیخ رکن الدین ملتانؒی غیاث الدین تغلق اور اس کے بعد محمد بن تغلق کے عہد میں بھی کچھ عرصہ تک دہلی میں مقیم رہے۔ یہ دونوں سلطان بر سراقتدار آنے سے پہلے ملتان میں رہ چکے تھے اور مشائخ سہرورد کے عقیدت مند تھے۔

اس اجمالی تذکرہ کے بعد اب ہم قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی کے جو تاریخی دورے کئے ان کی عہد بہ عہد کیفیت اور روئیداد بیان کرنے کے علاوہ اس زمانے کے سیاسی ومعاشرتی حالات پر بھی روشنی ڈالتے ہیں تاکہ قارئین اس تہذیبی وثقافتی ، اخلاقی وروحانی اور سیاسی ومعاشرتی پس منظر سے آگاہ ہو سکیں۔ جس پس منظر میں حضرت قطب الاقطابؒ نے دارالسلطنت دہلی کے یہ تاریخی دورے کئے۔ لیکن اس سے پہلے مناسب ہوگا کہ حضرت قطب الاقطابؒ کے ان دوروں کے بارے میں مختلف مؤرخین تذکرہ نگاروں اور معاصرین کے بیانات کو قلمبند کردیا جائے۔

شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دورے اور مؤرخین کے بیانات

مختلف مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے دہلی کے دوروں کی روئیداد بیان کی ہے۔ حضرت شیخ کے قریب العہد تذکرہ نگار مولانا جمالؒی لکھتے ہیں:

---

[1] ۔ سیر الاولیاء، ص ۵۳۸۔

’’وہ دوبار سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں دہلی آئے اور تین مرتبہ سلطان قطب الدین مبارک کے زمانے میں دہلی آئے۔‘‘[1]

مؤرخ فرشتہ کا بیان ہے کہ حضرت قطب الاقطابؒ علاء الدین خلجی کے عہد میں دوبار دہلی میں تشریف لائے تھے اور بادشاہ قطب الدین کے عصر میں تین بار دہلی تشریف لائے۔[2]

بعد میں آنے والے تمام اہل قلم جن میں محمد غوثی مانڈوی، غلام سرور لاہوری، غلام دستگیر نامی، نور احمد خان فریدی، سید صباح الدین عبدالرحمن اور ڈاکٹر شیخ محمد اکرام وغیرہم شامل ہیں نے مولانا جمال اور فرشتہ ہی کے حوالوں سے ان دوروں کا ذکر کیا ہے۔

مولانا جمال الدین اور مؤرخ

شیخ رکن الدینؒ کے قریب العہد تذکرہ نویس ،مولانا جمال اور مؤرخ فرشتہ کے حوالے سے ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ شیخ رکن الدینؒ دوبار سلطان علاء الدین کے دور حکومت اور تین مرتبہ سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے عہد کے دوران دارالسلطنت دہلی میں رونق افروز ہوئے۔ گویا کہ وہ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں پہلی بار دہلی تشریف لائے۔

سلطان علاء الدینؒ نے ۶۹۵ھ/۱۲۹۶ء سے لے کر ۷۱۵ھ/۱۳۱۶ء کے دوران بیس برس تک حکومت کی اور ۷۱۵ھ/۱۳۱۶ء میں علاء الدین خلجی کی مشکوک حالات میں موت کے بعد اس کا سپہ سالار ملک کافور اس کے کم سن بیٹے شہاب الدین عمر خلجی کو تخت پر بٹھا کر خود حکومت کرتا۔ علاء الدین خلجی کے نمک خواروں نے ملک کافور کو جلد ہی کیفرکردار تک پہنچادیا۔ ملک نے سلطان علاء الدین کے دو بڑے بیٹوں خضرخان اور شادی خان کو اندھا کردیا تھا اور خلجی سلطان کی بیوی سے شادی کر لی تھی۔

---

[1] ۔ سیر العارفین، ص ۲۰۱۔

[2] ۔ تاریخ فرشتہ اردو، جلد دوم ص ۶۳۷۔

شیخ رکن الدینؒ کے دورے اور معاصرین کے بیانات

حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دار السلطنت دہلی کے جو یادگار تاریخی دورے کئے ان کا تذکرہ ان کی ہمعصر شخصیات کے ملفوظات اور معاصر اہل قلم کے بیانات میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں حضرت شیخ کی دہلی میں آمد کے حالات کو تذکرہ نگار مولانا جمالی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان کیا ہے اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے دور حکومت میں ان کے دوروں کی تفصیلات ان کے دو ہمعصر اہل قلم یعنی امیرخورد کرمانی علویؒ اور خواجہ احمد ایاز نے قلمبند کی ہیں۔ ان دونوں حضرات نے حضرت شیخ کی دہلی میں حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقاتوں کی دلچسپ، سبق آموز اور ایمان افروز تفصیلات بیان کرنے کے علاوہ اس دور کے سیاسی ومعاشرتی حالات وواقعات پر بھی روشنی ڈالی ہے جس دور میں وہ دہلی کے دوروں پر تشریف لے گئے تھے۔

شیخ رکن الدینؒ کے دوروں کی تاریخی اہمیت

حضرت شیخ رکن الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے دار السلطنت دہلی کے دوروں کو تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ جس زمانے اور جس دور میں یہ تبلیغی دورے کئے وہ برعظیم میں مسلم اقتدار کا انتہائی نازک اور تشویشناک دور تھا۔ مسلمان حکمران اور امراء عیش وعشرت میں غرق تھے۔ بدعنوانیوں کا دور دورہ تھا۔ ہندوسازشیں اپنا رنگ دکھارہی تھیں۔ مغلوں کے ہلاکت آفریں حملے جاری تھے۔ بھگتی تحریک اور اباحتی وقرامطی فرقوں کی سرگرمیاں زوروں پر تھیں۔ غربت وافلاس اور جہالت کے باعث مسلم عوام اور دولت وثروت کی کثرت اور عیش وعشرت کی وجہ سے مسلم خواص کی حالت ناگفتہ بہ ہو چکی تھی۔ ان نازک، تکلیف دہ اور تشویشناک حالات پر قابوپانا اور خود غرض، خود سر اور مطلق العنان حکمرانوں

اور مفاد پرست جاہ طلب اور بدعنوان امراء سلطنت پر اثر انداز ہونا اور ان سے اصلاح معاشرہ اور مسلمانوں کی فلاح وبہبود اور ملک کی آزادی وسالمیت کے کام کروانا بلاشبہ کوئی آسان بات نہیں تھی۔

شیخ رکن الدین η کی دارالسلطنت دہلی میں مصروفیات

دارالسلطنت دہلی میں قیام کے دوران شیخ رکن الدّین کی مصروفیات کے بارے میں ہمیں کتب تاریخ وتذکرہ سے معلوم ہوتا ہے دارالسلطنت دہلی میں اپنے قیام کے دوران شیخ رکن الدین کی مصروفیات کے بارے میں کتب تاریخ وتذکرہ سے ہمیں جو ملاقات اور اشارے ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں اپنے قیام کے دوران وہ عوام وخواص سے گھل مل جاتے ہیں ان کے حالات اور مسائل کو سمجھتے اور ان کی ہرممکن امداد واعانت فرماتے۔ علاوہ ازیں دہلی میں وہ سلاطین وقت سے بھی اکثر ملاقات کرتے اور ملکی اُمور ووسائل کے بارے میں ان سے گفتگو کرتے اور اپنی شخصی وجاہت اور اثر ورسوخ کے باعث ان پر اثر انداز ہو کر ان مسائل کوصحیح طور پر حل کرنے کی سعی وکوشش فرماتے۔ عوام کی شکایات کے ازالے اور عوام کوان کے حقوق دلوانے کے لئے سلاطین سے عوام کی درخواستوں پر فیصلے کراتے۔ دہلی میں شیخ رکن الدّین کی مصروفیات میں حضرت خواجہ نظام الدینؒ سے ملاقاتوں کو بھی وہ اہمیت حاصل نہیں ہے۔ آج کی دنیا اس کو جانے جس کی کوئی پہچان نہیں ہے۔

قطب الاقطاب η کی دہلی میں آمد کے احوال عہد بہ عہد

کتب تاریخ وتذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی رحمۃ اللہ علیہ خلجی اور تغلق سلاطین کے دور حکومت میں متعدد بار ملتان سے دہلی تشریف لائے اور انہوں نے برسوں دارالسلطنت دہلی میں قیام کیا۔ دہلی میں اپنے قیام کے دوران

حضرت شیخ نے بہت مصروف وقت گزارا۔ انہوں نے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءرحمۃ اللہ علیہ سے یادگار ملاقاتیں کرنے کے علاوہ سلاطین دہلی سے بھی اہم ملاقاتیں کیں۔ اور وہ ملکی حالات اور سیاسیات پر اثر انداز ہوئے۔ تاریخی حقائق وشواہد اور قرائن کی بناء پر یہ دعویٰ بلاخوف تردید کیا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخ نے نہ صرف شاہان وقت کو ذاتی طور پر متاثر کیا بلکہ اپنی شخصی وجاہت، مثالی کردار اور روحانی اثر ورسوخ کے باعث ملکی اُمور ومسائل کو حل کرنے میں بھی مؤثر کردار ادا کیا۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کی دارالسلطنت دہلی میں آمد اور دہلی میں قیام کے دوران ان کی گوناں گوں مصروفیات، تبلیغی سرگرمیوں اور دینی خدمات کو عہد بہ عہد بیان کیا جائے۔

صوفیاء کا اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا ولی کو اپنے ولی ہونے کا علم ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ولی کو اپنے ولایت کا علم ہونا جائز نہیں اس لئے کہ اس سے ولی کے دل سے انجام کا خوف جاتا رہتا ہے اور جب انجام کا خوف باقی نہ رہے تو انسان بے خوف اور آزاد ہو جاتا ہے۔ جس سے اس کی شان عبودیت زائل ہو جاتی ہے کیونکہ بندہ تو خوف ورجا کے درمیان ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

"ویدعوننا رغبا ورهبا"۔[1]

"اور وہ ہمیں اُمید کی حالت میں بھی اور خوف کی حالت میں بھی پکارتے ہیں"۔

اس ضمن میں سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر مجھے معلوم ہو کہ تمام بنی نوع انساں میں سے صرف ایک شخص دوزخ میں پھینکا جائے گا تو مجھے اس امر کا خوف ہوگا کہ کہیں وہ شخص میں نہ ہوں اور اگر مجھے یہ بتایا جائے کہ تمام نوع انسانی میں سے صرف

---

[1] ۔ القرآن سورۃالانبیاء : ۲۱ : ۹۰۔

ایک شخص کو جنت میں داخل کیا جائے گا تو میں یہ امید رکھوں گا کہ وہ خوش قسمت انسان میں ہوں گا۔

بعض جلیل القدر صوفیاء کے نزدیک یہ جائز ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کا علم ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر ایک انعام ہوتا ہے اور یہ جائز ہے کہ ولی کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا علم ہو تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا اور زیادہ شکر ادا کر سکے۔

ولایت کی قسمیں

سلطان المشائخ قدس سرہٗ نے اولیاء کی تین اقسام بیان کی ہیں۔ (ایک یہ کہ آدمی ولی ہو اور اپنی ولایت کی نہ اس کو خبر ہو اور نہ خلق کو)۔ دوسرے یہ کہ لوگ اس کی ولایت کو جانتے ہوں کہ وہ اولیاء میں سے ہے۔اور یہ جانتا ہو کہ وہ ولی ہے اور لوگ سبھی جانتے ہوں کہ وہ ولی ہے لیکن وہ خود نہ جانتا ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ ولی حق ہو۔

نام سلطان علی قاضی درج ہے۔ اگر یہ حضرات کوٹ کروڑ اور اس کے مضافات کے حاکم تھے تو پھر قاضی کیوں کہلاتے تھے؟ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ''سلطان'' کے لقب سے صاحب منبع البرکات کو ہے۔ اور انہوں نے سلطان کو حاکم اور حکمران کے معنوں میں سمجھا اور استعمال کیا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت سلطان باہورحمۃ اللہ علیہ ، سلطان احمد قتالؒ، روڈ وسلطان اور پیرجیون سلطان سب حکمران اور بادشاہ ہوئے۔

ابن بطوطہ کا بیان

مشائخ سہرورد کے ہندوستان میں آبائی وطن کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''شیخ رکن الدین بن شیخ شمس الدینؒ (عارف) بن شیخ بہاء الحق زکریا قریشی ملتانی مجھے بتایا کرتے تھے کہ ان کے جد اعلیٰ محمد بن قاسم فاتح سندھ کے اس لشکر میں تھے جو حجاج نے عراق سے بھیجا تھا۔ وہ اسی ملک میں رہ گئے اور پھر ان کی

اولاد بڑھ گئی۔‘‘۔[1]

سید سلیمان ندوی کی تحقیق

نامور مؤرخ اور محقق مولاناسید سلیمان ندوی کی تحقیق کے مطابق حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانؒی کا قبیلہ دوسری صدی ہجری میں سندھ میں آکر آباد ہوگیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد ان کا قبیلہ سکھر کے علاقے میں تور نامی قصبے میں جابسا اور پھر پانچویں صدی ہجری کی ابتداء میں وہاں سے منتقل ہو کر ملتان چلا آیا۔ [2]

شیخ کی بنیادی خصوصیات اور اس کی شناخت

شیخ اور اس کے اعلیٰ وارفع منصب سے متعلقہ فرائض واعمال کی اہمیت، اس کے بلند وبالا مقاصد کی جلالت وعظمت اور دائرہ عمل کی وسعت ورفعت کے پیش نظر صوفیہ کرام نے شیخ یعنی مرشد طریقت کی شناخت کے لئے ایک مستقل اور دوستانہ معیار مقرر کیا ہے اور منصب شیخ کے لئے درکار خصوصیات وصفات کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس امر پر زور دیا ہے کہ جو شخص ان معروف ومطلوبہ خصوصیات کا حامل نہیں وہ کسی طور بھی منصب شیخ پر متمکن ہونے کا اہل اور مجاز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ شیخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحب علم ہو اس لئے کہ کوئی ایسا شخص دوسروں کی رشد وہدایت کا باعث نہیں بن سکتا جو خود صاحب رشد وہدایت نہیں ہو سکتا جو ظاہری وباطنی علوم میں کامل دستگاہ رکھتا ہو۔ اور یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ اسلام نے حصول علم پر جس قدر زور دیا ہے دنیا کے کسی اور مذہب نے نہیں دیا۔

کتاب وسنت میں حصول علم کی اہمیت

---

[1] ۔ سفر نامہ ابن بطوطہ حصہ دوم ص ۲۰۔ ابن بطوطہ نے مزید لکھا ہے کہ یہ شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ وہی ہیں جن کی بابت شیخ برہان الدین اعرج نے مجھ سے سکندریہ میں کہا تھا کہ تو ان سے ملے گا۔ (مصنف)

[2] ۔ عرب وہند کے تعلقات از سید سلیمان ندوی ص ۲۵۵، نیز تاریخ سندھ ص ۳۵۸ از سید ابوظفر ندوی

قرآن حکیم دنیا میں حکمت ودانش کی سب سے عظیم کتاب ہے اس کتاب میں سوچنے، سمجھنے، لکھنے پڑھنے، غور وفکر کرنے یعنی علم حاصل کرنے کی اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ کسی اور کتاب بلکہ دنیا کی تمام کتابوں کو ملا کر بھی دیکھا جائے تو ہمیں ان سب کتابوں میں حصول علم کی اس درجہ تاکید وتلقین نہیں ملے گی۔ اسی طرح سرور کائنات فخر موجودات امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰﷺ کے اقوال، اعمال اور احوال سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ رسالت مآبﷺ نے علم کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کرنے کے علاوہ اس کی ضرورت پر اتنا زیادہ زور دیا ہے کہ اس کار زار ہستی میں آج تک جتنے بھی ارباب علم وحکمت اور دانشور اور مذہبی راہنما گزرے ہیں ان سب نے مل کرحصول علم پر اتنا زور نہیں دیا ہے۔ پہلے علم اور حصول علم کے بارے میں ارشادات خداوندی کو قرآن حکیم میں تلاش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن حکیم کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ قرآن نازل ہی اہل علم کے لئے ہوا ہے۔[1]

اور پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰﷺ نے ہدایت فرمائی کہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔ [2]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک بے علم (یعنی جاہل) شخص صاحب علم کا ہم مرتبہ نہیں ہو سکتا۔ [3]

رسول اکرمﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک عالم کو عابد پر ویسی ہی فضیلت حاصل ہے۔ جو فضیلت چاند کو ستاروں پر حاصل ہے۔ [4]

---

[1] ۔ القرآن: ۳:۴۱۔
[2] ۔ مشکوٰۃ شریف جلد۱ ص ۸۱ بحوالہ ابن ماجہ۔
[3] ۔ القرآن۔
[4] ۔ مشکوٰۃ شریف جلد۱ ص ۸۰ بحوالہ احمد، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ۔

قطب الاقطاب کی ولادت کا ایک اہم پہلو

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت کا ایک اہم اور قابل ذکر پہلو یہ بھی ہے کہ ان کی ولادت پر جس دھوم دھام سے خوشیاں منائی گئیں اور جس طرح اور جس انداز سے اس عالم ہستی میں ان کی آمد کا استقبال کیا گیا اس کے پیش نظر یہ دعویٰ بجا طور پر کیا جاسکتا ہے کہ اقلیم روحانیت کی کسی بھی شخصیت کی ولادت پر ایسا عظیم جشن نہیں منایا گیا اور نہ کسی صاحب مقام صوفی یا مادر زاد ولی کی اس دنیا میں آمد پر اس کا استقبال اس شاندار طریقے پر کیا گیا جس طرح قطب الاقطاب حضرت شیخ رکن الدین کی ولادت کے موقع پر اس عالم ہستی میں ان کا استقبال کیا گیا۔

قطب الاقطاب بی بی راؔستی کی واحد اولاد تھے

قطب الاقطاب شیخ رکن الدینؒ رابعہ عصر حضرت بی بی راؔستی کے بطن سے پیدا ہونے والے واحد فرزند تھے۔ حضرت بی بی راؔستی کے حالات پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔ ان کے ہاں شیخ رکن الدینؒ کے سوا اور کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔اس لحاظ سے بھی حضرت قطب الاقطاب ایک گوہر یکتا تھے۔

قطب الاقطاب کی دوسری والدہ ماجدہ

حضرت قطب الاقطاب کے والد بزرگوار سلطان العارفین شیخ صدر الدین عارؒف کی دوسری شادی ملتان کے ایک قاضی صاحب کی دخیر نیک اختر کے ساتھ ہوئی تھی جو شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمسائے تھے۔ [1]

شیخ الاسلام نے قاضی صاحب موصوف کی بیٹی کو اپنی تحویل میں لے کر اس کی پرورش اور تعلیم وتربیت اپنی ذاتی نگرانی میں کی اور جب وہ بچی سن بلوغت کو پہنچی تو اس کا نکاح شیخ صدر الدین عارفؒ سے کر دیا۔ جس سے شیخ عماد الدین

---

[1] ۔ تاج دار اولیاء از ڈاکٹر منظور جاوید خان ص ۳۹، مطبوعہ جاوید اینڈسٹریز (وقف) ملتان۔

اسماعیلؒ پیدا ہوئے۔ [1]

اس طرح حضرت قطب الاقطاب حضرت بی بی راؔستی کے بطن سے پیدا ہوئے اور شیخ صدر الدین عارؒف کی باقی اولاد ان کی دوسری اہلیہ کے بطن سے پیدا ہوئی۔

تبع تابعینؒ اور اکابر مشائخ نے پابند صوم وصلوٰۃ، متقی وپرہیزگار، شب زندہ دار اور خدمت گزار خواتین کے شکم سے جنم لیا اور ان حضرات کی شہرت وعظمت اور فضیلت وبزرگی کا اصل سبب اور بڑی وجہ وہ ابتدائی تعلیم وتربیت تھی جو ان کی نیک سیرت اور پاک طینت ماؤں کی جانب سے ملی تھی۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ چنداُن بزرگان دین اور عظیم المرتب روحانی شخصیات کا تذکرہ کیا جائے جن کی ابتدائی تعلیم وتربیت میں ان کی نیک سیرت اور پاکباز ماؤں کا دست شفقت کار فرما تھا۔ جس سے قارئین کو اس امر کا اندازہ ہو سکے کہ افراد وشخصیات کی تعمیر سیرت اور ان کے اعلیٰ اخلاق وآداب اور ان کی روحانی عظمتوں میں ماں کے جذبہ امومت اور فیض تربیت کو کس قدر اہمیت حاصل ہے۔

عظیم المرتبت شخصیات جنہیں نیک سیرت ماؤں نے پرورش کیا

یوں تو کم وبیش دنیا کے ہر بڑے شخص کی شہرت وعظمت اور اس کی کامیابیوں کے پس پشت کسی نہ کسی نیک سیرت اور قابل قدر خصوصیات کی حامل خاتون کا دست شفقت کار فرما ہوتا ہے اور نیک سیرت ماں کا دست شفقت فی الحقیقت پیغمبرکا دست شفقت ہوتا ہے۔ یہاں پرہم چند ایسے منتخب اور نادر روزگار شیوخ طریقت کا تذکرہ کرتے ہیں جن کی فضیلت وبزرگی اور روحانی عظمت بڑی حد تک ان کی قابل صد احترام ماؤں کی مرہون منت ہے ۔

حضرت اُم الخیر فاطمہؒ والدہ ماجدہ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہا

سب سے نمایاں مثال سیدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر

---

[1] ۔ ایضاً۔

جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو اقلیم روحانیت کی سب سے عظیم المرتبت شخصیت ہیں اور دنیا میں کشف وکرامات اور فیوض وبرکات کا سب سے زیادہ صدور ان ہی کی ذات اقدس سے ہوا، ان کے فیوض وبرکات کا سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے اور خود حضرت غوث الاعظمؒ کے ارشادات سے بھی یہ حقیقت ظاہر وثابت ہے کہ ان کی شہرت وعظمت، مراتب روحانی اور فیض رسانی میں ان کی والدہ ماجدہ کا بہت بڑا حصہ تھا۔ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی حضرت سیدہ اُم الخیر اُمۃ الجبار فاطمہؒ تھا۔ [1]

وہ حضرت سید عبد اللہ صومعی رحمۃ اللہ علیہ ([2])کی دختر بلند اختر تھیں۔ حضرت سیدہ اُم الخیر فاطمہؒ نہایت متقی وپرہیزگار اور صاحب کشف وکرامات خاتون تھیں۔ ان کی ذات گرامی سراپا خیر وبرکت تھیں۔ کتب تاریخ وتذکرہ میں ان کا ان کے والد گرامی اور ان کے شوہر نامدار حضرت ابوصالح سید موسیٰ جنگی دوستؒ ([3])کا کثرت سے ذکر ملتا ہے۔

---

[1] ۔ سیدہ ام الخیر فاطمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو قلائد الجواہر ص ۱۹۔۲۰ از محمد یحییٰ تادنی اردو ترجمہ مولانا زبیر افضل عثمانی نیز سیرت غوث الثقلین از مولانا ابوالحامد محمد ضیاء اللہ قادری اور شیخ عبدالقادر جیلانؒی از غلام حیدر سہیل ودیگر کتب تذکرہ۔

[2] ۔ سید عبد اللہ صومعیؒ الزاہد سیدہ ام الخیر فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا کے والد ماجد اور سیدنا غوث الاعظمؒ کے نانا جان تھے۔ نہایت زاہد وعابد اور صاحب علم وفضل بزرگ تھے۔ شیخ ابوعبد اللہ محمد قزوینیؒ فرماتے ہیں کہ سید عبد اللہ صومعیؒ مستجاب الدعوات تھے اور ہر وقت ذکر وفکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ ان کا شجرہ نسب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے واسطے سے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے۔ سید عبد اللہ صومعیؒ کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ بہجۃ الاسرار، قلائد الجواہر، نفحات الانس، نیز سفینۃ الاولیاء۔

[3] ۔ حضرت ابوصالح سید موسیٰ جنگی دوستؒ، سیدنا غوث الاعظمؒ کے والد ماجد تھے۔ ابوصالح ان کی کنیت اور جنگی دوست لقب تھا۔ ان کا

آدم کی ملائکہ پر فضیلت کا سبب علم ہے

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو علم الاشیاء کی صلاحیت عطا فرما کر اسے نہ صرف فرشتوں پر فضیلت دی بلکہ اشرف المخلوقات اورخلیفہ فی الارض قرار دیا ہے۔ گویا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ پر جو فضیلت وبرتری حاصل ہوئی وہ ان کے اس علم کے باعث تھی جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا۔ آنحضرتﷺ نے عالم کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ’’عالم کو عابد پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح ایک ادنیٰ شخص پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک فقیہہ (صاحب علم) شیطان پر سو عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت اور تدبر

قرآن حکیم رشد وہدایت کا سرچشمہ اور نسخہ کیمیاء ہے۔ یہ دین ودنیا کی بھلائی اور اخروی نجات کا سرمایہ ہے اور اس کی طرف رجوع ہمارے لئے فلاح دارین کا موجب ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی تلاوت اور اس کی آیات میں تدبر اور احکام خداوندی کی فہم ہماری روحانیت کی غذا ہے۔ قرآن کریم کے بارے میں رب جلیل کا پہلا حکم یہ ہے کہ اسے کثرت کے ساتھ پڑھا جائے اور سمجھ کر پڑھا جائے۔

اس ضمن میں ارشاد نبوی ﷺہے :

’’اپنے گھروں کو قرآن حکیم کی تلاوت اور نماز سے روشن رکھو۔‘‘

حکمت قرآن کو صرف علماء ہی جان سکتے ہیں

اسی طرح سورۂ آل عمران میں وارد ہوتا ہے کہ ارباب علم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یعنی توحید کی شہادت دیتے ہیں اور عدل کو قائم کرتے ہیں او قرآن کی حقانیت کو سمجھتے ہیں کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ لوگوں

شمار جیلان شریف کے اکابر مشائخ میں ہوتا تھا۔ چونکہ ہر کام میں احکام شریعت اور رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھتے تھے اور نفس کشی اور ریاضت شرعی میں فرد واحد تھے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید وتلقین میں اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔

کے سامنے مثالیں دے کر بات واضح کرتا ہے لیکن ان مثالوں کو علماء کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

قرآن حکیم میں علم کی اہمیت کا بیان

حصول علم کی جس قدر تاکید اُم الکتاب فرقان حمید قرآن مجید میں کی گئی ہے کسی اور مذہبی یا علمی کتاب میں اتنی تاکید نہیں ملتی۔ خدائے بزرگ وبرتر کا نوع انسانی کے نام آخری پیغام ہے۔ پیغام ہر لحاظ سے مکمل واکمل اور حتمی ودائمی ہے۔ اس میں مزید وضاحت کی گئی ہے، اور افراد انسانی کی راہنمائی فراہم کی گئی ہے، اور حیات کے کسی بھی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا گیا ۔ تاکہ افراد انسانی اسے تاریخ کے کسی بھی دور میں اور اپنی زندگی کے کسی بھی مرحلے پر اپنے مختلف النوع اُمور اور گونا گوں مسائل کو حل کرنے میں کسی قسم کی کمی یا تشنگی محسوس نہ کریں۔ بلکہ ان کی اس طور اور اس انداز سے راہنمائی کی گئی ہو کہ وہ خدائے ذوالجلال کی نازل کردہ آخری کتاب سے روشنی حاصل کرکے تعمیر وترقی اور تسخیر کائنات کے مراحل کو کامیابی وکامرانی کے ساتھ طے کرتے چلے جائیں۔ یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ قرآن حکیم کے بعد نہ تو کوئی آسمانی صحیفہ نازل ہونا ہے اور نہ کوئی وحی اترنی ہے اور نہ حضرت محمدﷺ کے بعد کوئی اور نبی یا رسول ہی مبعوث ہونا ہے ۔ گویا کہ آئندہ نوع انسانی کی نشوونما وبقاء کا فوز وفلاح تعمیر وترقی، قوت وعظمت۔ غرض یہ کہ ہر لحاظ سے اعلیٰ قدر اور ہر خوبی ہر خصوصیت اور ہر صفت کا تمام تر دارومدار اور انحصار کتاب اللہ اور سنت نبویﷺ پر ہی ہے۔

علم کی اہمیت

۱۔ نزول قرآن کا آغاز : " اقرا باسم ربک "
۲۔ قرآن کا تعارف ۔
۳۔ ملائکہ پر فضیلت آدم اس کے علم کی بدولت ہے۔
۴۔ قرآن کو "بیان للناس"
خیرکم ان کنتم تعلمون
تمہارا بھلا ہے اگر تم کو سمجھ ہو

شہد اللہ انہ لا الہ

اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے اس کا گواہ بھی خدا خود ہے۔

"کذالک یطبع اللہ علی قلوب الذین لایعلمون"

(سورہ روم آیت:۵۹)

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے یوں ہی مہر کر دیتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے کہ ایک بے علم شخص صاحب علم کا ہم مرتبہ نہیں ہو سکتا۔

علم اور علماء کے بارے میں آیات قرآنی اور سباق وسیاق کے مطابق ان کامفہوم بیان کرنے کے اب ہم علم کے بارے میں احادیث نبویﷺ پیش کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

سنت نبویﷺ میں علم کی اہمیت کا بیان

علم کے بارے میں ہم تک جو احادیث نبویﷺ پہنچی ہیں وہ فی الحقیقت حکمت ودانش کا بذات خود ایک انمول خزانہ ہیں تو آیئے حکمت ودانش کے اس خزانہ سے ہم بھی کچھ حاصل کریں۔

طبی علوم کا ماہر اور عالم

عباسی خلیفہ مقتدی کے عہد میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ مروجہ علوم وفنون کا ماقبل اور میڈیکل سائنس کا زبردست ماہر اور عالم تھا۔ قدرت نے تخلیقی ذہن عطا کیا تھا۔ ابوالحسن بغداد میں طب کا درس دیتا تھا۔ اس کے حلقہ دروس میں دور دور سے طلباء اکثر شامل ہوتے تھے۔

تصنیف وتالیف کے میدان میں اہم خدمات انجام دیں

اس کی تصانیف میں المغنی خاص طور پر قابل ذکر ہے اس کتاب میں ابوالحسن سعید نے مختلف امراض کی تشخیص کے انداز اور علاج کے طریقے بیان کئے۔ المغنی علم وعمل طب پر ایک مستند ومعیاری کتاب تسلیم کی جاتی تھی۔ اس کی دوسری اہم تصنیف خلق الانسان ہے جو فزیالوجی اور نفسیات پر ایک قابل قدر تحقیقی تحقیق تصنیف تسلیم کی جاتی تھی۔ اس کتاب میں ابوالحسن سعید نے انسان کی پیدائش اور نسل کی اس کے جسمانی اعضاء کی ساخت اور افعال اور مختلف نفسیاتی کیفیات

پر روشنی ڈالی ہے، اس کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ اسے ابوالبرکات بغدادی جیسے عظیم مسلم سائنسدان کے استاذ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

رشد طریقت کے منصب کا گونا گوں فرائض، اعلیٰ وارفع اخلاقی وروحانی مقاصد اور دائرہ عمل کی وسعتوں کے پیش نظر یہ دعویٰ بلاخوف تردید کیا جاسکتا ہے کہ اس منصب بلند پر وہی شخص فائز ہونے کا اہل اور مجاز ہے جو اس منصب کے فرائض سے عہدہ برا ہونے اور اس کے مقاصد کو پورا کرنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہو۔

شیخ رکن الدّینؒ کا نصب العین اور اس میں ان کی کامیابی

قطب الاقطاب شیخ رکن الدین سہروردیؒ نے ملتان اور سندھ کے جو متعدد تبلیغی دورے کئے ان سے جہاں شیخ رکن الدین کے عزم واستقلال علو ہمتی اور سخت کوشی کا ثبوت ملتا ہے۔ وہاں اس امر کی واضح نشاندہی بھی ہو جاتی کہ انہیں وہ نصب العین کس قدر عزیز تھا جس کا تعین شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ نے کیا تھا۔ شیخ رکن الدینؒ کے ان تبلیغی دوروں کی جو تفصیل کتب تاریخ وتذکرہ میں موجود ہیں۔ ان کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی ظاہر وثابت ہو جاتی ہے۔ شیخ رکن الدین کا نصب العین اور ان کے مقاصد بھی وہی تھے جو مقاصد شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ کے پیش نظر تھے۔

چنانچہ اس امر کو بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ یہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے ارباب ثلاثہ یعنی قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم، سلطان العارفین شیخ صدر الدین عارفؒ اور شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی زبردست تبلیغی جدوجہد اور مناسب ومؤثر منصوبہ بندی کا اثر واعجاز تھا کہ قرامطہ وبالا مبلغین اور اسماعیلی داعیوں کے زہریلے پراپیگنڈے سے گمراہ اور بے دین ہو جانے والے لاکھوں افراد راہ راست پر آئے اور جاہلانہ عقائد سے تائب ہوئے

اور مشائخ سہرورد کے دست حق پرست پر بیعت کرکے دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

قرامطی فتنہ کا خاتمہ شیخ رکن الدینؒ کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچا

آخر میں یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ قرامطیوں، باطنیوں اور اسماعیلیوں نے تین چار صدیوں کے طویل عرصے سے ملتان اور سندھ میں جو فتنہ وفساد پیدا کررکھا تھا۔ مشائخ سہروردیہ نے اس فتنہ کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اور تاریخی حقائق وشوائد کی روشنی میں یہ دعویٰ بجاطور پر کیا جائے جس طرح شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے برعظیم میں سلسلہ عالیہ سہروردیہ کا باقاعدہ طور پر آغاز کیا تھا اوریہ عظیم روحانی سلسلہ قطب الاقطاب شیخ رکن الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں اپنی شہرت ومقبولیت اور وسعت وعظمت کے نقطہ عروج تک پہنچا اسی طرح شیخ الشیوخ نے قرامطہ کی سازشوں کو دوبڑے اہم مراکز یعنی ملتان اور سندھ میں ان کوزائل کرنے اور اس فتنہ پرور اور اسلام دشمن تحریک کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کی جرات کا آغاز کیا تھا وہ نیک کام حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک ہاتھوں پایہ تکمیل ہوا۔

سلاطین سے تعلق

جب بھی کوئی بادشاہ ملاقات کے لئے حاضر یا کبھی آپ کو کسی بادشاہ کی ملاقات کا موقع میسر ہوتا تو خوف خدا اور عوام کی فلاح وبہبود کی تلقین کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ یہی وجہ کہ عوام کا رحجان آپ کی طرف تھا۔ اور آپ ہندوستان بھر میں اس وجہ سے شہرت پذیر تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کسی شخص کو مرید فرمارہے تھے۔ اس وقت ایک عالم دین آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس عالم دین نے کہا : ’’حضرت جو کوئی بھی آتا ہے آپ اسے خرقہ عنایت کردیتے ہیں، خرقہ کے لئے کم از کم اہلییت تو ضرورر

ہونی چاہئے۔‘‘آپ نے جواب میں فرمایا۔میری ایک ٹوپی کے باعث اگر لوگ گناہوں سے باز آجائیں تو اس میں کیا حرج ہے اس طرح شاید میں ان کی نجات کا سبب بن جاؤں۔

روایت ہے آپ کا معمول تھا کہ جب بھی بیمار ہوتے تو صدقہ خیرات ضرور کرتے تھے۔ مگر جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو خادم نے حسب دستور حاضر ہو کر عرض کی کہ یا حضرت کچھ صدقہ خیرات کریں؟ تو آپ نے فرمایا کہ کب تک فراق کے صدمے سہوں گا؟ اور پھر خاموش ہوگئے اور صدقہ کا حکم صادر نہ فرمایا۔

مدرسہ بہائیہ

خانقاہ کے پاکیزہ ماحول میں اس قدر جاذبیت اور کشش تھی کہ بڑے بڑے علماء اور مشائخ اس درس گاہ کی حاضری میں اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ یہ مدرسہ دہلی اور دیگر شہروں تک میں مشہور تھا۔ اس مدرسہ میں قابل ترین اساتذہ مصروف تعلیم رہتے تھے۔ حضرت شاہ رکن عالمؒ کے زمانے میں درس وتدریس کا کام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتوں نے سنبھال رکھا تھا اور اساتذہ میں مولانا نور الدین، مولانا علاء الدین، علامہ عبدالقادر اور مولوی محمد موسیٰ، مولانا محمد ادریس، مولانا محمد حسین اور مولانا امام بخش خاص شہرت رکھتے تھے۔

آپ دوپہر تک اوراد معمولہ میں مصروف رہتے۔ پھر خانقاہ معلیٰ کے انتظام وانصرام میں والد ماجد کاہاتھ بٹاتے۔ خانقاہ کے مختلف شعبے تھے جن کے فرائض بھی تقسیم کار کے ذریعے مختلف حضرات کو سونپ دیئے گئے تھے۔

آپ کا معمول تھا کہ رات کے پچھلے حصہ میں بیدار ہو کر تہجد کی سنت ادا کرتے بعد ازاں اوراد واذکار میں مشغول ہوجاتے۔ پھر صبح کی نماز پڑھنے کے بعد دوپہر تک مصروف عبادت رہتے۔ یہ معمول زندگی کے آخری لمحات تک رہا۔

مخدوم جہانیاںؒ بیان فرماتے ہیں کہ ’’حضرت شاہ رکن عالؒم کامل واکمل ہونے کے باوجود بھی زیادہ سے زیادہ عبادت کرتے تھے اور تھکتے نہیں تھے۔ جس طرح کہ فرشتے یاد الٰہی سے نہیں تھکتے۔ آپ ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ومن عنده لایستکبرون عن عبادتہ ولایستحسرون یسبحون اللیل والنہار لایفترون"۔

جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے مقبول ہیں وہ اسی کی عبادت سے عار نہیں کرتے اور تھکتے نہیں بلکہ رات دن اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ [1]

ایک بار آپ طلباء کو درس دے رہے تھے کہ کچھ زائرین حاضر ہوئے۔ اور انہوں نے تعلق بیعت کی درخواست کی آپ نے فرمایا سبق بند کردو تاکہ میں ان کو توبہ کرادوں۔ توبہ کرانے میں توقف نہیں کرنا چاہئے۔ اگر کوئی مسلمان ہونا چاہے تواسی وقت اسے اسلام سے مشرف کرو۔ چنانچہ سبق بند کرکے توبہ کی تلقین فرمائی۔

اولاد نہیں تھی

آپ کی اولاد نہیں تھی اور آپ اپنی والدہ کے اکلوتے فرزند تھے۔ حضرت کے اکثر عقیدت مندوں کو آپ کی اولاد کی تمنا رہتی تھی۔ حضرت سید امیرحسینی سے منقول ہے کہ ایک دن حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا: ’’یا حضرت مجھے آپ کی اولاد دیکھنے کی بڑی آرزو ہے‘‘ آپ نے جواب میں فرمایا: ’’شیخ حمید الدین حاکم کے فرزند میرے فرزند ہیں۔ ان کی اولاد میری اولاد ہے ان کے سجادہ میرے سجادہ ہیں‘‘ پھر کسی کو ایسی درخواست کرنے کی جرات نہ ہوئی۔

نور احمد خاں فریدی نے اپنی تالیف ’’تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی‘‘ میں حضرت قطب الاقطاب کے ’’اولاد وافعاد‘‘ کے عنوان کے تحت اپنی عادت کے مطابق بغیر کسی حوالے کے شیخ صدر

---

[1] ۔ سورۃ الانبیاء:۱۹۔۲۰۔

الدین محمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت قطب الاقطاب کے اولاد نہیں ہوئی۔

بی بی رآستی کا ایثار

حضرت بی بی رآستی کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ان کی اجازت سے ان کے شوہر شیخ صدر الدّین کی دوسری شادی ہے جس سے ان کے جذبہ ایثار کا اظہار ہوتا ہے۔ قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالمؒ اپنی والدہ حضرت بی بی راستیؒ کے اکلوتے فرزند تھے۔ان کے بطن مبارک سے اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ قطب الاقطاب چار سال کے ہوئے تو شیخ صدر الدین عارف نے ایک روز بی بی راستی سے فرمایا کہ ابھی فیاض ازل نے مجھے اور اولاد عنایت کرنا ہے مگر وہ تمہارے شکم سے نہیں ہوگی جس سے بی بی راستی کو فکر دامن گیر ہوئی اور انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے شوہر نامدار کی دوسری شادی کریں گی۔

شیخ صدر الدین عارؒف کی دوسری بیوی

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ بی بی راستیؒ کے بطن سے صرف شاہ رکن عالمؒ ہی پیدا ہوئے۔ حضرت شیخ صدر الدّین کی باقی اولاد دوسری بیوی کے بطن سے ہوئی۔ شیخ صدر الدین عارف کی دوسری بیوی کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے لکھاہے کہ شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کے قریب ایک قاضی صاحب رہتے تھے ان کی ایک صاحب زادی تھی۔ حضرت شیخ الاسلام نے قاضی صاحب کی اس دختر نیک اختر کو کم سنی کے عالم میں اپنی تحویل میں لیا تھا۔ اور اس کی پرورش اور تعلیم وتربیت نہایت شفقت سے کی تھی۔ چنانچہ جب بچی جوان ہوئی تو حضرت شیخ الاسلام نے اس کا نکاح حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ سے کردیا جس سے شیخ عماد الدین اسماعیلؒ پیدا ہوئے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ حضرت بی بی راستیؒ نے اپنے شوہر نامدار حضرت شیخ صدر الدین عارؒف کو اس شادی کی بخوشی اجازت دے دی تھی۔ جس سے ان کے ایثار اور عظمت کردار کا اظہار ہوتا ہے۔

فیض آغوش مادر

بی بی راَستی کی آغوش سے انہیں وہ روحانی فیض ملا جو شاذ ونادر کسی کو ملتا ہے۔ آپ کی پرورش کے سلسلے میں بی بی راَستی کا دستور یہ تھا کہ جس وقت آپ کو دودھ پلاتیں تو پہلے وضو فرماتیں۔ پھر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو جاتیں۔ ہر روز ایک قرآن شریف ختم کرنا بی بی راَستی کا معمول تھا۔ شیخ رکن الدین دودھ پیتے اور تلاوت کلام اﷲ کی طرف بھی دھیان دیتے رہتے۔ آپ جب دودھ پی رہے ہوتے تو آذان کی آواز سن کر فوراً دودھ پینا چھوڑ دیتے تھے اور اذان کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ رمضان المبارک کے مہینے میں افطار کے وقت تک دودھ نہ پیتے تھے۔

جب بی بی راستیؒ تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہوتیں تو آپ بھی جاگ اٹھتے اور اشراق کے وقت تک جاگتے رہتے اور پھر سو جاتے تھے۔ بی بی راستیؒ نے کنیزوں کو منع کررکھا تھا۔ کہ اس بیدار بخت کے سامنے اسمائے الٰہی کے سوا اور کوئی لفظ زبان پر نہ لائیں۔ تاکہ باری تعالیٰ کے اسمائے گرامی کے سوا اور کوئی کلام ان کے دل ودماغ پر اثر انداز نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے جب بولنا سیکھا تو سب سے پہلے آپ کی زبان سے اﷲ کا لفظ نکلا۔

حافظ قرآن

آپ اپنے جد امجد کے فیضان سے عالم طفلی میں توجہ کا مرکز بن چکے تھے۔ آپ نے بارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ اور ساتھ قرأت پر بھی عبور حاصل ہوگیا تھا۔ بعد ازاں مروجہ اسلامی علوم کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ صرف، نحو، فقہ، ادب اور علم تفسیر وحدیث کے جید عالم بن گئے۔ علم تصوف ومعرفت میں آپ کو جِد بزرگوار سے سند تکمیل حاصل تھی۔

تاج داراولیاء ملتان

جو سہروردی تبلیغی قافلے اطراف ہند میں بھیجے جاتے رہے انہوں نے کشمیر سے سرانديپ اور مصر سے سنگاپور تک کے کفرستان کو توحید کی ضیاء پاشیوں سے جگمگادیا۔ انہوں نے دینی خدمت کے ساتھ ساتھ لسانی خدمت بھی سرانجام دی۔ اور ایک نئی زبان تشکیل ہوئی۔ حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء عرب وفارس گئے اور وہاں سے کئی لوگ سرزمین ہندوستان میں پہنچے۔ پھر فاتحین عرب وغزنی وغور کے ورود ہند سے جونئی زبان تشکیل پارہی تھی اس کا مرکز بھی ملتان تھا۔ انہوں نے گیسوئے اردو کو خوب سنوارا اور نکھارا اس زبان کو گجرات دکن اور پھر دہلی سے بنگال تک پہنچانے والے بھی یہی شاہ رکن عالمؒ اور ان کے مبلغین تھے۔ یہ حضرات اپنی تبلیغی مساعی میں اس نئی زبان کو استعمال کرتے تھے اور انہی بزرگوں کی وساطت سے یہ زبان ملتان سے نکل کر سارے ہندوستان میں پھیل گئی تھی اور اس نے علمی حلقوں میں نشوونما پالی۔ ان بزرگان کے مراکز گجرات اور دکن میں چونکہ باقی مقامات سے زیادہ تھے۔ لہذا نثری مراحل سے نکل کر سب سے پہلے یہی زبان نظم کے مرحلوں میں داخل ہوئی اور پھر وہاں سے جب دہلی میں گئی تو فارسی کا لبادہ اوڑھ کر اطراف میں پھیل گئی۔

سلطان محمد اور کشلو خان کے درمیان وجہ عناد

معاصر مؤرخ ضیاء برنی نے تو کشلو خان کی بغاوت کی کوئی وجہ تحریر نہیں کی۔ لیکن ابن بطوطہ کے بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد نے غیاث الدین بہادر اور بہاء الدین گستاسب کی بھوسہ بھری کھالوں کو شہر بہ شہر پھرانے کا حکم دیا۔ جب یہ لاشیں ملتان پہنچی توکشلوخان نے انہیں دفن کرادیا۔ مؤرخ فرشتہ نے کشلوخان کی بغاوت کا سبب یہ لکھا ہے کہ محشل غل نے کشلوخان کو ملتان جا کر سلطان کا یہ حکم پہنچایا کہ وہ اپنے اہل خاندان کو دولت آباد روانہ کردے۔ علی محصل بدتمیزی سے پیش آیا اس نے کشلوخان کے داماد کو حرامزادہ کہا تو اس نے محصل کو مارڈالا۔ ملاعبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے کہ سلطان نے علی خططی کے ذریعے کشلوخان کو دارالسلطنت طلب کیا تھا اور کشلوخان نے ملتان میں علی خططی کو قتل کردیا۔ ان مؤرخین کے بیانات کے مطالعہ سے یہ صورت حال ابھر کر سامنے آئی ہے کہ سلطان محمد نے غیاث الدین اور

بہاء الدین گستاسب کی بھوسہ بھری لاشوں کی جس طرح سے تشہیر وتوہین کی اس اقدام کو کشلوخان نے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور انہیں دفن کرادیا۔ لیکن سلطان نے ناراض ہوکر کشلوخان کو دارالسلطنت میں طلب کر لیا ہوگا یا پھر اس کے اہل خانہ کو دولت آباد آنے کے احکام جاری کردیئے ہوں گے۔ ان احکام کی تعمیل میں علی محصل اور کشلوخان کے داماد میں جھگڑا ہوا اور علی مارا گیا۔ غرض یہ کہ ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ کشلوخان کے سامنے سلطان محمدکے خلاف بغاوت کرنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ ابن بطوطہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے غیاث الدین بھنورا اور بہاء الدین گشتاسپ کی بھوسہ بھری کھالوں کو ایک ساتھ شہر بہ شہر پھرایا گیا۔ کہ لیکن ان دونوں کو ایک وقت میں ہی قتل نہیں کیاگیا۔ ممکن ہے کہ ان کھالوں کی الگ الگ تشہیر کی گئی ہوئی۔ لیکن یہ امر طے ہے کہ ان دونوں کو ۷۳۴ھ/۱۳۳۵ء سے پہلے قتل کیا گیا۔ کشلوخان کی بغاوت بھی ۷۳۴ھ/۱۳۳۵ء سے پہلے کا واقعہ ہے۔اس لئے کہ ان ہی دنوں میں ابن بطوطہ ملتان پہنچا۔ اور ۷۳۵ھ/۱۳۳۵ء میں حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی وفات پاگئے۔

سجادگان حضرت شاہ رکن عالمؒ

بدقسمتی سے قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کے بعد ان کے خاندان اور ان کے روحانی جانشینوں کے مکمل اور مستفید حالات ہم تک نہیں پہنچے۔ حتی کہ اس درگاہ کے روحانی جانشینوں کے اسماء گرامی کی صحیح فہرست بھی دستیاب نہیں ہے۔ تذکرہ نگاروں نے حضرت قطب الاقطاب کے روحانی جانشینوں اور ان کے خلفاء مجاز کے سلسلے کو بیان کرنے میں غفلت سے کام لیا ہے۔ انوار غوثیہ اور نور احمد خان فریدی کے شجرہائے طریقت ہمارے پیش نظر ہیں۔ اول الذکر خان بہادر مخدوم حسن بخش صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کا تصنیف کردہ ایک رسالہ ہے۔

اور نوراحمد خان فریدی مشائخ سہروردی کے مقامی تذکرہ نگار ہیں۔ ملتان کے اس معروف علمی خاندان سے گہرے روابط رکھتے ہیں اور انہیں اس خانوادے کے ریکارڈ تک رسائی بھی حاصل ہے۔ جس کا انہوں نے اپنے تذکروں میں

ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن مقام حیرت یہ ہے کہ ان اصحاب نے سلسلہ سجادگی کے ضمن میں حضرت قطب الاقطاب کے روحانی جانشینوں کی جو فہرست پیش کی ہے۔ وہ نہ صرف غلط ہے بلکہ اس میں واضح اختلاف وتضاد بھی پایا جاتا ہے۔ جس کی وضاحت ضروری ہے۔ ہمیں انوار غوثیہ کا اصل نسخہ تو کہیں دستیاب نہیں ہوسکا۔ البتہ سید محمد اولاد علی گیلانی نے مرقع ملتان میں ''سلسلہ سجادگی'' کے عنوان سے لکھا ہے: افسوس ہے کہ اس خاندان پاک کے بزرگان کے سوانح حیات مکمل طور پر ہمیں مہیا نہیں ہوسکے اس لئے بہ امر مجبوری ہم اسی بات پر اکتفاء کرتے ہیں کہ سلسلہ سجادگی بحوالہ انوار غوثیہ بالترتیب درج کر دیاجائے۔

نور احمد خان فریدی نے حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کے عنوان کے تحت ایک ضخیم کتاب تالیف کی ہے جو ۷۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ضخیم کتاب دراصل ایک خاص نکتہ نگاہ سے لکھی گئی ہے۔ اور یہ فی الحقیقت حضرت قطب الاقطاب سے لے کر اب تک آنے والے ان کے روحانی جانشینوں کا ایک عام تذکرہ ہے۔ اس میں حضرت قطب الاقطاب کے بارے میں بہت کم لکھا گیا ہے۔ نہ ان کے براہ راست روحانی جانشینوں کی فہرست دی گئی۔ البتہ ان کے خلفاء کے سینکڑوں روحانی جانشینوں کے حالات کو بیان کرنے کے لئے ان کے حالات کوائف رقم کئے گئے ہیں۔

شیخ الاسلام صدر الدین عارف باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نور احمد خان فریدی نے اپنی تالیف ''تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی'' میں نہ تو حضرت شاہ رکن عالم ملتانی کا شجرہ بیعت نقل کیا ہے اور نہ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے بعد آنے والے ان کے براہ راست روحانی جانشینوں کے حالات رقم کئے ہیں۔ البتہ تذکرہ نگارموصوف نے اپنی دوسری تالیف ''تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانؒی'' کے آخر میں ''بارگاہ

غوثیہ سہروردیہ ملتان کے سجادہ نشین‘‘ کے عنوان سے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے سجادہ نشینوں کے اسمائے گرامی کی ایک فہرست دی ہے۔ جو ہم یہاں پر پیش کررہے اور اس فہرست کا خان بہادر مخدوم فرح بخش کی انوار غوثیہ میں درج متذکرہ فہرست سجادگان کے ساتھ تقابلی موازنہ کیا جاسکے۔

- شیخ الاسلام صدر الدین عارف باالله رحمۃ الله علیہ
- حضرت قطب الاقطاب ابوالفتح رکن الدین ملتانی رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ عماد الدین اسماعیل رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ صدر الدین محمد حاجی رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ رکن الدین اسماعیل سمرقندی رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ عماد الدین محمد رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ صدر الدین محمد ثالث رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ محمد یوسف قریشی رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ بہاء الدین ثانی رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ الکبیر المنیر قدس سرہ ألعزیز
- حضرت شیخ محمد قائم قریشی رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ شہر الله صاحب قریشی رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ کبیرثانی رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ بہاء الدین قریشی رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ کبیر قریشی رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ بہاء الدین قریشی رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ محمد قائم ثانی قریشی رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ وجہیہ الدین قریشی رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ محمد زکریا قریشی رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ محمد زمان قریشی رحمۃ الله علیہ
- حضرت شیخ محمد عوث قریشی رحمۃ الله علیہ

- حضرت شیخ بہاء الدین ثانی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت شیخ محمد غوث قریشی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مخدوم ولایت شاہ قریشی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مخدومہ بی بی راجی رحمۃ االلہ علیہا
- حضرت مخدوم شاہ محمود رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مخدوم شیخ حسن بخش رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت نواب مخدوم شیخ مرید حسین قریشی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مخدوم محمد سجاد حسین صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ

درگاہ غوثیہ سہروردیہ ملتان کے جانشین

یہاں پر ہم سجادگان درگاہ غوثیہ سہروردیہ کی فہرست پیش کررہے ہیں تاکہ اس فہرست کا خان بہادر مخدوم فرح بخش کی انوار غوثیہ میں درج متذکرہ فہرست سجادگان کے ساتھ تقابلی موازنہ کیا جاسکے۔

- خان بہادر مخدوم حسن بخش کی بیان کردہ فہرست سجادگان۔
- حضرت صدر الدین محمد عارف بااللہ رحمۃ اللہ علیہ۔
- شیخ رکن الدین الملقب بہ قطب عالم رحمۃ اللہ علیہ۔
- شیخ اسماعیلؒ (شہید)۔
- نور احمد خان فریدی کی پیش کردہ فہرست سجادگان۔
- شیخ الاسلام صدر الدین محمد عارف بااللہ رحمۃ اللہ علیہ۔
- حضرت قطب الاقطاب ابوالفتح رکن الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ۔

قارئین ان فہرستوں میں کسی قدر واضح اختلاف اورناقابل فہم تضاد پایا جاتا ہے خان بہادر مخدوم حسن بخش قریشی جو کہ درگاہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کے سجادہ نشین تھے انہوں نے شیخ الاسلام حضرت بہاء الدینؒ کے شیخ صدر الدین عارفؒ سے لے کر اپنے سجادہ نشین یعنی نور خان بہادر نواب مرید

حسین قریشی تک پچپن سجادہ نشینوں کے نام گنوائے ہیں۔ اور نور احمد خان فریدی جنہیں بعض حلقوں میں خاندان سہروردیہ کا خاص تذکرہ نگار سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے شیخ صدر الدین عارفؒ سے لے کر مخدوم مرید حسین قریشی تک انتیس سجادہ نشینوں کے اسمائے گرامی لکھے ہیں۔ مخدوم حسن بخش کی فہرست میں، شیخ یحیٰؒ، شیخ شرح االلہ اور شیخ برہان الدین کے اسمائے گرامی بالترتیب دس گیارہ بارہ نمبر پر ہیں۔ جب کہ یہ نام نور احمد خان فریدی کی فہرست میں شامل نہیں ہیں۔ مخدوم حسن بخش نے شیخ بہاء الدین ثانی الملقب بهاون شاہ کا نام اٹھارہویں نمبر پر لکھا ہے جب کہ نور احمد خان کی فہرست میں بھاون شاہ کا نام بائیسویں نمبر پر ملتا ہے اسی طرح مخدوم حسن بخش کی فہرست میں مخدومہ بی بی راجی کا نام اکیسویں نمبر پر ہے جبکہ نور احمد خان نے اپنی فہرست میں ان کا نام پچیسویں نمبر پر لکھا ہے۔ مخدوم حسن بخش نے شیخ وجیہ الدین کا نام جو چودھویں نمبر اور شیخ ولایت شاہ کا نام بیسویں اور نور احمد خان نے شیخ وجیہ کا نام اٹھارویں نمبر پر اور شیخ ولایت شاہ کا نام چوبیسویں نمبر پر لکھا ہے اور ہر دو تذکرہ نگاروں نے شیخ اسماعیل شہید کو حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کا سجادہ نشین لکھا ہے۔ جو واقعاتی طور پر غلط ہے۔

حضرت شیخ صدر الدین محمد حاجی قدس سرہ العزیز سجادہ نشین قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالمؒ کی وفات کے بعد ان کے برادرزادے شیخ صدر الدین محمد حاجیؒ ان کے سجادہ نشین ہوئے۔ مولانا جمال کے بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قطب الاقطاب کے بعد ان کے بھائی شیخ اسماعیل کی اولاد میں سے (یعنی شیخ صدر الدین محمد حاجی) صاحب سجادہ ہوئے اور وہی رہنمائے عالم (یعنی شیخ رکن الدین ابوالفتح) کے سجادے پر بیٹھے۔

شیخ صدر الدین محمد حاجی کے حالات کتب تاریخ وتذکرہ میں بہت کم ملتے ہیں۔ معاصر مؤرخین اور تذکرہ نگاروں میں سے صرف شمس سراج عفیف نے اپنی یادگار تصنیف ''تاریخ فیروز

شاہی'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وگرنہ ان کے قریب العہد مؤرخین اور تذکرہ نگاروں مثلاً مؤرخ فرشتہ، ملاعبدالقادر بدایونی، مولانا عبد الحق محدث دہلویؒ، مولانا جمال اور غول مانڈوی وغیرہم نے بھی شیخ صدر الدین محمد کے حالات زندگی قلمبند نہیں کئے بلکہ اپنی کتاب تاریخ وتذکرہ میں ان کا نام تک نہیں لیا۔ صرف حالات اور قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کے بعد شیخ صدر الدینؒ ان کے مسند ارشاد پر بیٹھے۔ جیسا کہ مولانا جامی نے اپنے تذکرہ سیر العارفین میں کہ ان کا نام لئے بغیر لکھا ہے کہ حضرت قطب الاقطاب کے بعد ان کے بھائی شیخ اسماعیل کی اولاد میں سے صاحب سجادہ ہوئے۔

حضرت قطب الدین معروف وممتاز تذکرہ نگار اور نامور دانشور

آخر میں ہم قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کے بارے میں ان کے ہمعصر مؤرخ ضیاء الدین برنی اور ان کے دادا بزرگوار شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریؒا کی حضرت قطب الاقطاب کے بارے میں آراء پیش کرتے ہیں۔

مؤرخ برنی نے اپنی یادگار تصنیف تاریخ فیروز شاہی میں متعدد مقامات پر حضرت شاہ رکن عالمؒ کا نہایت ادب واحترام سے ذکر کیا ہے اور انتہائی شاندار الفاظ میں انہیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

جب شیخ صدر الدین عارفؒ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کا خرقہ اوردیگر چیزیں (تبرکات) جو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے انہیں پہنچی تھیں۔ انہیں اپنے فرزند شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ کو دے کر خلیفہ اور جانشین کیا۔ [1]

---

[1] ۔ تاریخ فرشتہ جلددوم ص ۶۳۲۔ مؤرخ فرشتہ نے شیخ صدر الدین عارؒف کا سن وفات ۷۷۶ھ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ (مصنف)

حضرت قطب الاقطاب کے سجادہ نشین،ایک غلط فہمی کا ازالہ

شیخ صدر الدین محمد حاجیؒ ان کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالؒم کی وفات کے بعد جو ان کے شہید بھائی شیخ عماد الدین اسماعیل کے فرزند ارجمند تھے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ شیخ عماد الدین اسماعیل حضرت قطب الاقطاب کے روحانی جانشین بنے جو درست نہیں ہے۔ انوار غوثیہ اور تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتاؒنی مؤلفہ نوراحمد خان فریدی میں جو حضرت قطب الاقطاب کے سجادہ نشینوں کی فہرست دی گئی ہے۔ اس میں بھی شیخ عماد الدین اسماعیل شہید ہی کو ان کا روحانی جانشین بتایا گیا ہے حتی کہ محمد قاسم فرشتہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ شیخ رکن الدینؒ کے کوئی فرزند نہ تھے۔ مصلیٰ اور خرقہ اپنے ایک بھائی کو عطا کیا۔ [1]

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت قطب الاقطاب کی وفات کے بعد ان کے جانشین بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ کتب تذکرہ سے اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عماد الدین اسماعیل قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالؒم کی زندگی میں ان کے نائب کی حیثیت سے فرائض ادا کرتے تھے۔ اور اگر وہ زندہ رہتے تووہی حضرت قطب الاقطابؒ کے سجادہ نشین بنتے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت قطب الاقطاب کے والد بزرگوار حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ نے شیخ عماد الدین اسماعیلؒ کے حق میں وصیت بھی فرمادی۔ جیسا کہ گلزار ابرار میں لکھا ہے۔ جب رکن الاولیاء کا آخری وقت آیا اور ان کے کوئی فرزند نہیں تھا۔ نیز ان کے پدر بزرگوار نے فرمادیا تھا کہ چھوٹا بھائی بڑے بیٹے سے بہتر ہوتا ہے۔ لہذا رکن الاولیاء نے اپنا سجادہ چھوٹے بھائی کے سپرد کرکے ان کو رہنمائے زمانہ بنایا۔ ڈاکٹر ظہور الحسن شارب نے بھی یہی

---

[1] ۔ قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالؒم کی درگاہ یکے بعد دیگرے متمکن ہونے والے سجادگان کے بارے میں معروف تذکرہ نگار غلام دستگیر نامی نے بھی روشنی ڈالی ہے۔

لکھا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد حضرت عماد الدین اسماعیل آپ کے سجادہ نشین ہوئے۔[1]

عہد علائی کے سارے دور میں شیخ رکن الدین جو شیخ بن شیخ تھے۔ شیخ بہاء الدین (زکریاؒ) اور شیخ صدر الدین (عارفؒ) کے سجادہ پر ملتان میں قائم رہے۔ اس سے زیادہ شرف اور بزرگی اور جلالت وعظمت کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے والد شیخ صدر الدینؒ اور ان کے دادا شیخ بہاء الدین زکریاؒ تھے۔ عہد علائی کی ساری مدت شیخ رکن الدینؒ طریقت مشائخ کی داد دیتے رہے۔ اپنے مریدوں کی تکمیل کا حق ادا کرتے رہے اور اس طرح اپنے باپ اور دادا کے سجادہ کو منور کرتے رہے۔ ملتان سے اوچ تک سندھ کے علاقے کے تمام لوگ اور اس سے نیچے مریلہ تک کے رہنے والے شیخ رکن الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کے متبرک آستانے سے تعلق اور آمد ورفت رکھتے تھے۔ ہندوستان کے شہروں اور دوسرے علاقوں کے بہت سے علماء ان کے مرید ہوگئے تھے۔ شیخ رکن الدینؒ کے کشف وکرامات میں کسی کو شک وشبہ نہ تھا۔ ان کے اعلیٰ خاندان کی بزرگیاں (ماشر) حد توصیف سے زیادہ ہیں۔ [2]

خواجہ حسام الدین جنیدیؒ

مؤرخ شمس سراج عفیف نے قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کے ایک مرید خواجہ حسام الدین جنیدیؒ کا ذکر کیاہے۔ جو سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں کسی اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ مؤرخ عفیف لکھتا ہے کہ :
سلطان اقبال مندی کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا اور عدل وانصاف کا آوازہ بلند کیا۔ اُمراء کو حسب مراتب خطابات اور جاگیریں عطا کیں۔ شیخ صدر الدّین کو جو شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہٗ کی نسل سے تھے۔ شیخ الاسلام کا خطاب دے کر اپنا مقرب بنایا۔ [3]

---

1. تذکرہ اولیائے پاک وہند، ص ۱۱۸۔
2. تاریخ فیروز شاہی، ص ۵۰۸۔۵۰۷۔
3. خلاصۃ التواریخ، ص ۳۰۴۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے، الشیخ العالم الفقیہ، شیخ موسیٰ بن جلال ملتانی کے حالات قلمبند کئے ہیں اور ان کے بارے میں بھی لکھا ہے :

روایت ہے کہ قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالؒم کو ان کی وصیت کے مطابق شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتاؒنی کے قدموں میں دفن کیا گیا تھا۔ حضرت قطب الاقطاب کی وفات کے کچھ عرصہ بعد اور ان کے روحانی جانشین شیخ صدر الدین محمد حاجی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ الاسلام فرمارہے ہیں کہ جب سے تم نے قطب الاقطاب کو میری پائینتی میں دفن کیا ہے۔ میں نے اپنی ٹانگیں سمیٹ لی ہیں اور میں سخت تکلیف میں ہوں۔ بہتر ہوگا کہ ان کا تابوت دوسرے مقبرے میں منتقل کردو۔

جب سلطان فیروز شاہ تغلق سندھ کی مہم سے فارغ ہو کر حسب وعدہ مشائخ ملتان کی زیارت کے لئے ملتان آیا تو شیخ صدر الدین محمدؒ نے اس خواب کا ذکر کیا جس پر سلطان نے کہا کہ یہ مقبرہ تو سلطان محمد شاہ تغلق نے اپنی زندگی میں حضرت قطب الاقطاب کی نذر کیا تھا۔ حضرت قطب الاقطاب کو اس مقبرے میں دفن کیوں نہیں کیا گیا؟ شیخ صدر الدین حاجی نے فرمایا کہ حضرت قطب الاقطاب کو اس مقبرے میں اس لئے دفن نہیں کیا گیا کہ شاید اس پر شاہی خزانے سے روپیہ صرف کیا گیا ہو۔ سلطان نے کہا میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ اس مقبرے پر سرکاری روپیہ خرچ نہیں ہوا۔ کون پسند کرے گا کہ اس کی قبر کی عمارت مشتبہ مال سے تعمیر ہو؟ سلطان تغلق شاہ نے اس مقبرے کو اپنی ذاتی آمدنی سے دیندار معماروں سے بنوایا تھا۔ آپ بلاتوقف حضرت کے تابوت کو اسی مقبرے میں منتقل کردیں۔

مقبرے کی تزئین و آرائش و آغا خان ایوارڈ

شاہ رکن عالمؒ کے مقبرے کی تزئین اور تعمیر نو پر ۱۹۸۳ء کا جو آغا خان ایوارڈ دیا گیا اس کی مالیت ۴۵۰۰۰امریکی ڈالر

تھی۔ اس ایوارڈ کی کل مالیت پانچ لاکھ امریکی ڈالر ہے جو گیارہ عمارات میں تقسیم کی گئی جن دوسری عمارتوں کو انعامات کا مستحق قرار دیا گیا اس کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔ ستمبر ۱۹۸۳ء میں آغاز خان فاؤنڈیشن کے چئیرمین پرنس کریم آغا خان کی جانب سے جمہوریہ ترکی کے دارالحکومت استنبول کے مشہور زمانہ توپ کاپی محل میں ایک خصوصی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں ترکی کے صدر جنرل کنعان بھی موجود تھے۔ تقسیم انعامات کی اس خصوصی تقریب میں حکومت پنجاب کی طرف سے محکمہ اوقاف کے سیکرٹری آفتاب احمد خان اور ڈائریکٹر محکمہ آثار قدیمہ ومشیر منصوبہ جات درست حالی خان ولی اللہ خان نے شرکت کی اور ایوارڈ وصول کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ پنجاب کے سیکرٹری اوقاف آفتاب احمد خان کو پرنس کریم آغا خان نے ایک خصوصی سرٹیفکیٹ بھی عطا کیا۔

آغا ایوارڈ کی مجموعی مالیت۔/ ۴۵ ہزار امریکی ڈالر تھی جس کو محکمہ اوقاف پنجاب اور درست حالی کے منصوبے پر عمل درآمد کرنے والے کاریگروں اہل کاروں اور کارپردازوں میں تقسیم کیا گیا ۔

ععع

باب(۲)

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی η نے پیغمبرانہ نیابت کا فریضہ ادا کیا

دورِ زوال میں صوفیاء کی تبلیغی خدمات کی مثالیں

صوفیہ کرام جو اعلیٰ وارفع روحانی مقامات پر فائز ہوتے ہیں تو اس کی واحد وجہ احکام شریعت کی پابندی اور اسوۂ رسول اللہﷺ کی مکمل اتباع وپیروی ہوتی ہے۔ یہ وہ بنیادی شرائط ہیں

جن کو پورا کئے بغیر کوئی شخص روحانی مقامات حاصل نہیں کر سکتا جبکہ زیادہ صحیح بیان یہ ہوگا کہ ان شرائط کو پورا کئے بغیر انسان ایمان بھی قائم نہیں رکھ سکتا ۔ چہ جائیکہ وہ مقام شیخییت پر متمکن ہو یا مرشد طریقت کہلائے اور انہیں اپنے مقربان خاص میں شمار کرتا ہے اور یہی حضرات اولیاء اللہ کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ اور ان ہی اولیاء اللہ سے خلق خدا کو فیض پہنچتا ہے اور یہی اولیاء اللہ انبیاء کرام کے علوم کے وارث ہوتے ہیں اور پیمبرانہ نیابت ونمائندگی کا اہم فریضہ بھی ان ہی پر عائد ہوتاہے۔ چنانچہ دیگر اولیاء اللہ کی طرح احکام شریعت کی سختی سے پابندی کرتے تھے اوراتباع سنت کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے چنانچہ اپنی ان ہی خصوصیات کی بناء پر وہ اعلیٰ وارفع روحانی مقامات پر فائز ہوئے ۔

قطب الاقطاب کی شفقت ومروت اور تعلق خاطر

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ انتہائی شفیق وخلیق، حلیم الطبع، منکسر المزاج اور مہربان وبامروت بزرگ تھے۔ ان کی محبت وشفقت صرف ان کے اپنے مریدوں اور شاگردوں تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ اپنے اہل تعلق کے علاوہ عوام الناس کے ساتھ بھی غایت درجہ مروجہ ومہربانی اور شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ عوام الناس کے ساتھ حسن سلوک اور شفقت ومروت کا یہ قابل قدر رویہ اور مخلوق خدا کی ہرنوع کی امداد واعانت مشائخ سہرورد کی امتیازی خصوصیات رہی ہیں اور یہ خصوصیت در اصل پیغمبر آخر الزمانﷺ کی اس شفقت کی وراثت اور نیابت ہے۔ جس کی حقیقت اس آیت قرآنی میں بیان کی گئی ہے۔

"لَقَدْ جَآئَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ"-[1]

---

[1] ۔ سورۃ التوبہ : ۱۲۸

اے لوگو تمہارے پاس ایسا پیغمبر آیا جو تمہاری جنس سے ہے جس کو تمہاری تکلیف ومضرت کی بات گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کا بڑا خواہشمند رہتا ہے۔ ایمانداروں کے ساتھ بڑا ہی شفیق ومہربان ہے۔

ارشاد ربانی جس کا خطاب رسول خدا ﷺسے ہے :

"وَ اخۡفِضۡ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ"۔[1]

ان لوگوں کے ساتھ فروتنی کے ساتھ پیش آؤ جو مسلمانوں میں داخل ہو کر تمہاری راہ پر چلیں۔

کی تعمیل کرتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی امداد واعانت کے علاوہ ان کی عزت وآبرو اور جان ومال کی حفاظت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ وہ ہر ممکن طریقے سے لوگوں کی مدد کرتے اور ہر کڑے قت میں ان کے کام آتے تھے۔

یوں تو حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آبائے کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہرکڑے وقت میں اہل ہندوستان کی بالعموم اور اہل ملتان کی بالخصوص ہر ممکن امداد واعانت کی وہ عوام کی عزت وآبرو اور جان ومال کے محافظ ونگہبان اور بزرگان دین کی عظمت وجلالت کے پشت پناہ بنے رہے۔ حضرت قطب الاقطاب کی زندگی میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں۔ جن سے ان کی عوام دوستی، خدمت خلق اور بزرگان دین کی حمایت وپاسداری کا ثبوت ملتا ہے۔سینکڑوں خانقاہیں، لنگر خانے، مہمان خانے جہاں ہزاروں نہیں لاکھوں مساکین اور مسافروں کے قیام و طعام کا نہایت اعلیٰ انتظام تھا اور بلا تخصیص ہر کس و ناکس اس سے استفادہ کرتے تھے جو حضرت قطب الاقطاب پر خداوند قدوس کی خاص عنایت کا مظہر تھا۔ لیکن حضرت قطب الاقطاب کی زندگی کے بعض واقعات تاریخی اہمیت کے حامل ہیں جن سے ان کے غیر معمولی

---

1 ۔ سورۃ الشعراء : ۲۱۵۔

عزم واستقامت اور بے نظیر خلوص وخود اعتمادی کے علاوہ بندگان خدا سے ان کی غیرمتزلزل وابستگی اور عوام سے گہری محبت ومہربانی اور والہانہ شفقت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس قسم کا ایک واقعہ کشلوخان حاکم ملتان کی بغاوت کے موقع پر پیش آیا۔

حاکم ملتان کشلوخان کی بغاوت

حاکم ملتان کشلوخان کی بغاوت کا ذکر کرتے ہوئے معاصر مؤرخ ضیاء الدین برنی لکھتا ہے کہ پہلا فتنہ بہرام ایبہ ([1] (کشلوخان) کی بغاوت تھی جو ملتان میں واقع ہوئی۔[2]

سلطان محمد اور بہرام ایبہ کے لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ بہرام ایبہ کو شکست ہوئی اور اس کا لشکر تباہ ہوگیا۔ بہرام ایبہ پر فتح حاصل کرنے کے بعد سلطان محمد چاہتا تھا کہ ملتان کے باشندوں کا جنہوں نے بہرام کا ساتھ دیا تھا۔ قتل عام کرائے لیکن شیخ رکن الدین نے سلطان سے ملتانیوں کی شفاعت کی۔ سلطان نے شیخ الاسلام رکن الدّین کی شفاعت قبول فرمائی اور ان کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ ضیاء الدین برنی نے نہ تو اس بغاوت کی تفصیل بیان کی اور نہ بہاء الدین گرشاسپ کی بغاوت کا ذکر کیا جو بالآخر کشلوخان کی بغاوت کا سبب بنا اس کی تفصیلات ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں بیان کی ہیں جو اس وقت ہندوستان میں موجود تھا۔

سلطان محمد بن تغلق کے عہد کی پہلی بغاوت بہاء الدین نے کی تھی۔ سلطان نے اس پر قابو پاکر اس کی کھال کھچوائی اور اس میں بھوسہ بھروایا اور غیاث الدین بورا شاہ بنگال بھوسہ بھری

---

[1] ۔ بہرام ایبہ (کشلوخان) بہت باثر ملوک میں سے تھا۔ اس نے سلطان محمد بن تغلق کے باپ غیاث الدین تغلق کا خسروخان (برادر بچہ) کی حکومت کا تختہ الٹنے میں مدد کی تھی اور سلطان غیاث الدین اس کو اپنا بھائی سمجھتاتھا۔

[2] ۔ سلطان محمد تغلق کے عہد کی پہلی بغاوت بہاء الدین گرشاسپ کی تھی جس کا مؤرخ برنی نے ذکر ہی نہیں کیا ۔ اس بغاوت کی تفصیل دوسری کتب تاریخ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مثلاً تاریخ مبارک شاہی ص ۹۹

کھال کے ساتھ سارے ملک میں پھرانے کا حکم دیا۔ بہاء الدین کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس کا گوشت چاولوں کے ساتھ پکوایا اور اس میں سے کچھ پلاؤ اس کے اہل وعیال کو بھجوایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اس پلاؤ کو کھائیں۔۔۔ ملک بہاء الدین اور غیاث الدین بورا کی بھس بھری کھالیں جب ملتان میں آئیں تو کشلوخان حاکم ملتان کو ان کی تشہیر اچھی معلوم نہ ہوئی۔ وہ بڑا صاحب اقتدار امیر تھا۔ سلطان غیاث الدین کو اگر اس کی امداد نہ ملتی تو خسرو خان کا فتنہ فرو نہ ہوتا۔ غیاث الدین نے سلطنت کا تاج کشلوخان کے آگے رکھا تھا کہ آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ لیکن کشلوخان نے قبول نہ کیا۔ سلطان غیاث الدین اس کی بڑی تعظیم کرتا تھا۔ جب وہ ملتان سے دہلی آتا تو سلطان خود اس کے استقبال کو جاتا اور اس کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرتا تھا۔ کشلوخان نے قاضی شہر سے فتویٰ لیا کہ کیا مسلمان کی لاش کی اس طرح تشہیر جائز ہے۔ اس نے کہا مطلقاً نہیں۔ اس پر کشلوخان نے ان دونوں اُمراء کی بھس بھری کھالوں کو دفن کرادیا۔ اسے توقع تھی کہ سلطان کو جب صورتحال بتائی جائے گی تو وہ برا نہیں منائے گا۔ لیکن سلطان نے کشلوخان کے اس اقدام کو بغاوت پر محمول کیا اور اس کی طلبی کے احکام جاری کردیئے اور ساتھ ہی علی نامی محصل کو ملتان بھیج دیا کہ وہ کشلوخان کو دولت آباد میں اپنے گھر بار بنانے پر آمادہ کرلے۔ جیسا کہ محصلوں کا دستور ہوتا ہے ۔ علی محصل نے سخت رویہ اختیار کیا جس پر کشلوخان کے داماد نے اسے قتل کروادیا۔ اب سلطان محمد کو یقین ہوگیا کہ کشلوخان باغی ہوگیا ہے۔ چنانچہ وہ لشکر لے کر خود ملتان آیا۔

سلطان نے قطب الاقطاب سے امداد طلب کی

سلطان محمد بن تغلق نے حضرت قطب الاقطابؒ کی خدمت میں قاصد بھیج کر امداد طلب کی۔ حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ اور آپ کے خاندان کا یہ دستور رہا کہ انہوں نے ملکی مصالح اور مسلمانوں کے وسیع تر مفاد کے پیش نظر ہمیشہ دہلی کے سلطان یعنی برعظیم میں مسلمانوں کی مرکزی حکومت کا ساتھ دیا۔ چنانچہ حضرت قطب الاقطاب نے پہلے تو کشلوخان کو سمجھایا کہ وہ سلطان کی اطاعت سے انحراف نہ کرے۔

لیکن کشلو خان کچھ اپنی طاقت کے زعم میں اور کچھ سلطان کی سخت مزاجی کے خوف سے ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ ہوا اور اپنی فوج لے کر سلطان کے مقابلے کو نکلا۔ سلطان کی درخواست کے پیش نظر حضرت قطب الاقطاب نے اپنے پانچ سو مریدوں کو اپنے چھوٹے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیل کی قیادت میں بادشاہ کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ آغاز جنگ پر سلطان محمد نے کشلوخان کے لشکر کو دیکھ کر یہ اندازہ کر لیا تھا کہ جنگی حکمت عملی اختیار کئے بغیر اتنے بڑے لشکر کو شکست دینا آسان نہیں۔ شیخ عماد الدین اسماعیل شکل وصورت میں سلطان محمد کے مشابہ تھے۔ سلطان نے انہیں اپنی جگہ ہاتھی پر سوار کرکے شاہی لشکر کو میدان جنگ میں اتاردیا اور خود چارہزار سپاہ لے کر الگ ہوگیا۔ کشلوخان کے سپاہیوں کو یہ دھوکہ ہوا کہ چتر شاہی کے نیچے سلطان ہے اور وہی شاہی لشکر کی قیادت کررہا ہے۔ وہ یک دم اس طرف ٹوٹ پڑے اور انہوں نے شیخ عماد الدین کو سلطان محمد تغلق سمجھتے ہوئے شہید کر ڈالا۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ سلطان مارا گیا تو کشلوخان کے سپاہی لوٹ مار میں مصروف ہوگئے۔ اس مرحلے پر سلطان محمد بن تغلق اپنی کمین گاہ سے نکلا اور اس نے کشلوخان کے لشکر کو شکست فاش دی۔

سلطان نے اہالیان ملتان کے قتل کا حکم دیا

سلطان محمد بن تغلق نے حضرت شیخ عماد الدین اسماعیل شہید کی میت کو بڑے اعزاز واحترام کے ساتھ ملتان روانہ کیا اور خود بھی غیظ وغضب کے عالم میں شہر کی طرف بڑھا۔ ملتان میں داخل ہوتے ہی اس نے قاضی کریم الدین کو طلب کیا اور اس کی کھال کھچوائی وہ جواں مرد بڑے صبر واستقلال سے خاموش بیٹھا رہا اور اف تک نہ کی۔ اس کے بعد سلطان نے کشلوخان کے سر کو شہر کے دروازے پر لٹکوایا۔ اور حکم دیا کہ اہل ملتان کے خون سے نہریں بہادو۔ چنانچہ ملتانیوں کا قتل عام شروع ہوگیا۔

قطب الاقطاب کی سفارش پر اہل ملتان کی جاں بخشی

ان دنوں میں حضرت قطب الاقطاب اعتکاف میں تھے۔ جب اہل ملتان کا خون بہایا جانے لگا تو لوگ آستانہ عالیہ غوثیہ کی جانب

بھاگے اور حضرت قطب الاقطاب سے درخواست کی کہ وہ ظالم سلطان سے ان کی جان بخشی کروائیں اور انہیں اور ان کی بیوی بچوں کو اس عذاب سے نجات دلائیں۔ حضرت قطب الاقطاب نے اہلیان ملتان کی یہ حالت دیکھی تو اسی حالت میں ننگے سر اور ننگے پاؤں سلطان کے پاس پہنچے۔ سلطان غیظ وغضب سے شعلہ جوالہ بنا بیٹھا تھا۔ اس نے تہیہ کررکھا تھا کہ وہ اہل ملتان کے خون سے ندیاں بہادے گا۔ اس معاملے میں وہ کسی کی بات سننے پر آمادہ نہ تھا۔ لیکن جب حضرت قطب الاقطاب نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا ''از خدائے بے نیاز بترس واز خون ناحق دست بکش'' تو یہ سخت گیر پتھر دل اور ظالم حکمران حضرت قطب الاقطاب کی جلالت قدر کے آگے جھک گیا اور اس نے اپنی تلوار کو نیام میں رکھتے ہوئے قتل عام کو روکنے کا حکم صادر کیا اور جتنے لوگ گرفتار ہو چکے تھے ان کو رہا کردیا۔

حضرت شاہ رکن عالؒم کی کسی تصنیف کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا ہے، مجمع الاخبار میں ان کے ملفوظات اور وصایا درج ہیں، انوارغوثیہ کی طرح یہ کتاب بھی نایاب ہے۔ البتہ اس کتاب کے کچھ اقتباسات مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی یادگار تصنیف اخبار الاخیار میں نقل کئے ہیں۔

شیخ نصیر الدین لودھیؒ المشہور چراغ دہلی سے منقول ہے کہ جس وقت شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں تشریف لاتے تھے۔ ان کے عطائے ظاہری وباطنی سے خلق خدا کے لئے ہر روز عید اور ہر شب، شب قدر ہوتی تھی۔ اور بادشاہ علاء الدین بچی کے عہد میں دوبار دہلی میں تشریف لائے تھے اور بادشاہ قطب الدین مبارک شاہ کے عصر میں تین بار اور بادشاہ علاء الدین خلجی باوجود غرور حشمت ان کے استقبال کے لئے جاتا تھا اور اعزاز واکرام کے ساتھ شہر میں لاتا تھا۔ اور دس لاکھ روپے ان کی آمدپر اور پانچ لاکھ روپے ان کے رخصت ہونے پر ان کی نذر کرتا تھا۔ اور شیخ رکن الدینؒ اس تمام رقم کو لوگوں میں تقسیم کردیتے تھے اور ایک درھم یا دینار بھی اپنے پاس نہیں رکھے تھے اور بار بار فرماتے تھے

کہ میں ملتان سے بعشق محبت شیخ نظام الدین اولیاءؒ دہلی میں آتا ہوں۔

قطب الاقطاب کی خدمت میں مولاناعصامی کا خراج عقیدت

حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کے اس جرات مندانہ اقدام سے لاکھوں افراد قتل ہونے سے بچ گئے اور ملتان شہر کھنڈر ہونے سے محفوظ رہا۔ حضرت قطب الاقطاب کا یہ عظیم کارنامہ بلاشبہ اوراق تاریخ میں زریں حروف میں لکھے جانے کے لائق ہے۔ اور اس پر مؤرخین نے بجا طور پر حضرت قطب الاقطاب کی خدمت میں شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ نامور مؤرخ عصامی نے جو اس خونین ہنگامے کے وقت زندہ تھا شیخ رکن الدین ابوالفتح کے اس کارنامے کی بہت تعریف کی ہے۔ [1]

اور انہیں اہل ملتان کا نجات دہندہ قرار دیا ہے۔ عصامی حضرت شیخ کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھتا ہے:

ابوالفتح شیخ زماں، رکن دیں	مگر بد وراں ہفتہ عزلت گزیں
چوبشنید در شہر طوفان خوں	برہنہ سروپائے آمد بروں
کشادہ زبان شفاعت گری	ہمے گفت شاہاں جہاں پروری
بسے خوں فشاندی دریں بوم وبر	ز تیغت گرفتہ جہاں خون تر
بر اہل گنہ، نزد اہل صفا	پسندیدہ تریست عفو از جزا
کنوں دست دار از سیاست گری	چوشد نوبت عفو ورحم آوری

---

[1] ۔ عصامی، فتوح السلاطین ص ۴۴۳

چو بشنید آں شاہ آفاق گیر | شد از شیخ مشفق شفاعت پذیر
کبیر نکو نام را گفت شاہ | کہ دارند دستے زاہل گناہ
ببرند بند اسیراں تمام | گذارند مرغان عاجز ز دام

سید محمد اولاد علی گیلانی کا بیان

اہل ملتان کو سلطان محمد بن تغلق کے ہاتھوں قتل وغارت اور تخریبی وتباہی سے بچانے میں حضرت قطب الاقطاب نے جو اہم مرکزی کردار ادا کیا اس کو ملتان کے ایک دانشور سید محمد اولاد علی گیلانی نے ابن بطوطہ کے حوالے سے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

’’محمد تغلق نے فرط غضب میں قتل عام کا حکم دے دیا کشتوں کے پشتے لگنے شروع ہوگئے۔ آخر شاہ رکن عالمؒ نے دربار شاہی میں برہنہ سر حاضر ہو کر لوگوں کے لئے امان طلب کی۔ شیخ کی یہ درخواست منظور ہوئی۔ ورنہ خدا معلوم کیا حشر برپا ہوتا؟[1]

تذکرۃ الملتان کے مؤلف مخدوم محمد یوسف گردیزی نے اہل ملتان کی جاں بخشی کی سفارش کے معاملے میں حضرت قطب الاقطابؒ کے ساتھ ملتان کے بعض دوسرے مشائخ کو بھی شریک کرنے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے کہ حضرت قطب الاقطابؒ کے ہمراہ ملتان کے چند اور بزرگ بھی سلطان محمد کے دربار میں گئے تھے۔ مخدوم محمد یوسف گردیزی کی اس تحریر پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا نور احمد خان فریدی لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں ملتان میں صرف دو خانقاہیں مرکز توجہ تھیں۔ خانقاہ شیخ محمد یوسف گردیزیؒ اور خانقاہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، اول الذکر خانقاہ کے صاحب سجادہ شیخ ابازید بن سید یحییٰؒ تھے مگر ان کا ذکر کسی تاریخ میں نظر سے نہیں گذرا ممکن ہے اس پر آشوب دور میں وہ غزنی تشریف لے گئے ہوں۔ [2]

---

[1] ۔ سید محمد اولاد علی گیلانی، مرقع ملتان ص ۱۰۵۔

[2] ۔ حضرت مخدوم شاہ یوسف گردیزی غزنی کے باشندے تھے اور ان کی اولاد اکثر وبیشتر اپنے آبائی وطن آیا جایا کرتی تھی۔

یا وہ بھی خلوت پسند واقع ہوئے ہوں۔ خود صاحب تذکرۃ الملتان نے بھی ان حالات پر روشنی نہیں ڈالی اور صرف اتنا لکھا ہے کہ:

’’سلطان حکم قتل عام درباره سکنہائے ایں شہر کرد اما باستشفاع بزرگان ایں دیار از سرخون خلائق درگذشت وبدہلی مراجعت نمود‘‘۔[1]

جانشین اولیائے عالی مقدار سر حلقہ واصلان صاحب اسرار، غریق بحر مشاہدہ، غوث وقت شیخ ابوالفتح رکن الدین قدس سرہٗ بڑے صاحب حال اور عالی شان بزرگ تھے آپ تمام صفات حمیدہ سے موصوف تھے۔ آپ کے مجاہدات سخت تھے اور اخلاق نرم اور عشق وافر، ہمت بلند اور کرامات مستور کے مالک تھے۔ آپ جمیع کمال ظاہری وباطنی سے آراستہ تھے۔ کمال حضور کی وجہ سے آپ کی روش عجیب تھی۔ [2]

مشاہیر ہند کے سرتاج ارشاد وتلقین میں بلند مرتبت جن کے اثر سے سننے والے ترک معصیت کرکے اطاعت الٰہی پر مائل ہو جاتے تھے۔ [3]
صاحب کشف وکرامات جامع علوم ظاہری وباطنی مظہر انوار شریعت وطریقت شیخ رکن الدینؒ مسند ارشاد پر بیٹھے تو ہزاروں طالبان خدا حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مراد کو پہنچے اور حضرت کو دولت ظاہری وباطنی نصیب ہوئی۔ سلاطین وقت حضرت کی خدمت کو اپنا فخر جانتے تھے۔
بزرگوں کی صحبت میں انہوں نے صوری ومعنوی کمالات حاصل کئے، علم، تواضع، شفقت، حلم، موافقت، بشاشت، مروت، عفو، حیا، وقار، حسن ظن اور تسخیر نفس جملہ صفات ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ [4]

---

[1] ۔ مخدوم محمد یوسف گردیزی ’’تذکرۃ الملتان‘‘ تذکرۃ الملتان کا خطی نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے۔
[2] ۔ مراۃ الاسرار ص ۲۰۹۔
[3] ۔ نزہۃ الخواطر جلد دوم ص ۱۹۔۲۰۔
[4] ۔ بزم صوفیہ ص ۲۶۳۔

حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ خورشید پیر ہدایت ہیں۔ [1]

مادر زاد ولی پیدا ہوئے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانؒی نے خود آپ کی تعلیم وتربیت فرمائی جس سے آپ قطب الاقطاب بنے۔ سات برس کی عمر میں نماز باجماعت کے نمازی ہوئے۔ دس سال کی عمر میں کشف القبور، کشف القلوب، طے ارض اور طے اللسان میں فائق ہوئے اور پچیس سال کی عمر میں کمالات ظاہری وباطنی سے مالا مال ہوئے۔ شیخ الاسلام کے بعد ان کے فرزند حضرت شیخ العارف صدر الدین محمد اور ان کے بعد ان کے پوتے حضرت شاہ رکن عالم رحمہم اللہ علیہم نے ملتان کی سرزمین کو مطلع انوار بنائے رکھا اور مکران سے سلہٹ تک برصغیر ''قال اللہ وقال الرسولؐ'' کی صداؤں سے گونج اٹھا۔

تذکرۃ الملتان ایک قلمی رسالہ ہے جو ۱۸۶۱ء میں تالیف ہوا ۔ اس سے پیشتر کسی مؤرخ یا تذکرہ نگار نے یہ نہیں لکھا کہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کے ساتھ ملتان کا کوئی اور بزرگ بھی سلطان محمد تغلق کے پاس اہل ملتان کی جاں بخشی کی درخواست لے کر گیا تھا بلکہ معاصر مؤرخ ضیاء الدین برنی تک نے اس ضمن میں صرف حضرت شیخ الاسلام شاہ رکن عالم ملتانؒی ہی کا نام لیا اور ضیاء الدین برنی سے لے کر اب تک تمام مؤرخ اور تذکرہ نگار اس امر پر متفق ہیں کہ قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالمؒ ہی سلطان محمد بن تغلق کے پاس تشریف لے گئے تھے اور ان کی سفارش پر ہی سلطان نے اہل ملتان کی جاں بخشی کی تھی اور قتل عام کا حکم واپس لیا تھا۔

ننگے پاؤں اور ننگے سر جانے کی وجہ

حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کے ننگے پاؤں اور ننگے سر دربار شاہی میں جانے کی وجہ یہ تھی کہ جب اہل ملتان نے ان کی خدمت میں جا کر فریاد کی اور انہیں اس امر کی اطلاع دی کہ سلطان نے ملتانیوں کے قتل عام کا حکم صادر کر دیا ہے

---

[1] ۔ تذکرہ اولیائے پاک وہند ص ۱۱۴۔

تو اس وقت حضرت قطب الاقطاب اعتکاف میں تھے۔ چنانچہ معاملے کی نوعیت اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر اسی وقت اور اسی حالت میں بادشاہ کے پاس پہنچے اور اس سے اہل شہر کی سفارش کرکے ان کی جانیں بچائیں۔

فی الحقیقت شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور سلطان العارفین حضرت شیخ صدر الدین عارف رحمۃ اللہ علیہ کے بعد قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ہی وہ بزرگ تھے جو علم وفضل اور عرفان وآگہی کے مرکز ملتان میں بندگان خدا کی اخلاقی وروحانی اصلاح وتربیت بھی کرتے تھے اور اہل ملتان کو ہر نوع کے خطرات وخدشات سے محفوظ بھی رکھتے تھے۔

حضرت شاہ رکن عالمؒ اور آپ کے والد اور دادا کے مرید پنجاب سے لے کر قندھار تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور تقریباً آٹھ (۸۰۰) سو خانقاہیں آپ کے زیر اثر اور زیر حکم تھیں۔ قطب الدینؒ نے یہ سوچ کر کہ جب آپ دہلی میں آئیں گے۔ تمام مرجع خلائق آپ کی طرف ہو جائے گا۔ اور سلطان المشائخ کا زور ٹوٹ جائے گا مگر یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنا زیادہ وقت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں گزارنا اور کمال احترام سے پیش آنا، بڑے جگر کا کام ہے۔ اور یہ حضرت رکن عالمؒ ہی کی جرات ایمانی اور رفعت روحانی ہو سکتی ہے۔

یہ تعلقات محض خدمت خلق کے لئے تھے۔ [1]

آپ کے تعلقات کا مقصد یہ تھا کہ

- اہل حکومت کی اصلاح حال جس حد تک ممکن ہو کرتے رہیں۔
- خلق اللہ کی حاجت روائی کا ذریعہ بنے رہیں۔
- اگر اہل حکومت کو دوسرے اولیاء اللہ سے عناد ہو تو اسے ممکن حد تک کم کریں اور خود اولیاء اللہ کے پشت پناہ بنے رہیں۔

1۔ بزم صوفیہ ص ۲۸۰۔

- دراصل آپ کا عمل اس فرمان نبوی پر تھا جو بزار نے سیدنا ابودرداءؓ سے روایت کیا ہے :
"من ابلغ ذا سلطان حاجة من لایستطیع ابلاغہ ثبت اللہ قدمیہ علی الصراط یوم نزل الاقدام"۔
- یعنی جو شخص اپنی ضرورت حاکم تک نہ پہنچا سکتا ہو اس کی درخواست وہاں تک پہنچانے والے کا اجر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن اسے ثابت قدم رکھے گا جس دن قدموں میں لغزش پیدا ہوگی۔
- دراصل یہ اتنی بڑی خدمت ہے جو بڑی سے بڑی عبادت کی صف میں رکھی جا سکتی ہے۔ اسی خدمت خلق کے جذبے سے آپ نے سلاطین واہل حکومت سے اپنے تعلقات خوشگوار رکھے۔

قطب الاقطاب کا تاریخ میں مرتبہ ومقام

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی شخصی خصوصیات، اعلیٰ وارفع سیرت وکردار، ان کی شاندار دینی خدمات اور ناقابل فراموش تبلیغی کارناموں اور غیر معمولی عزم واستقامت کے پیش نظر ان کے اپنے معاصرین ہی میں نہیں بلکہ مشائخ اسلام میں ایک بلند مقام حاصل ہے جو انہیں اپنے زمانے ہی میں نہیں بلکہ تاریخ اسلام کے تمام ادوار میں منفرد وممتاز روحانی حیثیت عطا کرتا ہے :

بگو حاکم از جان ودل مدح پیر	کبیرے چہ شیخے خطیر
شہ اولیائے خدا رکن دیں	کہ چوں جد خویش است شیخے کبیر
ابوالفتح فیض اللہ اں پیشوا	کہ درپیشوائی ندارد نظیر
زارشاد گمراہ را رہنمائے	ز الطاف درمانده را دست گیر
زہے پیر اعظم کہ از علم او	شریعت محمد شده دل پذیر
بملک طریقت شہے سرفراز	بہ چرخ حقیقت مہے بس منیر
مقامات او ہمچو فضلش	کرامات او ہمچو بذلش کثیر

عظیم

زمس زر شوم بل شوم کیمیاء نظر کَرز شفقت کند اں خبیر

بزیر لوایش مرا از کرم بہ محشر کند حشر رب قدیر۔[1]

معاصر مؤرخ برنی کا خراج تحسین

یہ تو حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید اور ان کے خلیفہ کا ان کی خدمت میں نذرانہ عقیدت تھا۔ چشتی مسلک کا حامل اور معاصر مؤرخ برنی نے بھی حضرت قطب الاقطاب کی خدمت میں شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ شیخ الاسلام نظام الدینؒ شیخ الاسلام علاء الدینؒ اور شیخ الاسلام رکن الدینؒ ایسی بے نظیر اور مستثنیٰ شخصیتوں کے وجود سے دارالحکومت دہلی رشک بغداد، غیرت مصر، ہمسر قسطنطنیہ اور بیت المقدس کا ہم پلہ ہوگیا تھا۔ [2]

ہمیں حکم ملا کہ ہم حضرت شیخ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان خانہ میں قیام کریں۔ اس زمانے کا قانون یہ تھا کہ غیر ملک کا کوئی مسافر بلااجازت اس درگاہ پر بطور مہمان نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ [3]

حکومت وقت سے تعلق صوفیہ کے لئے ہمیشہ مہلک رہا ہے۔ غالباً اسی بناء پر مشائخ متقدمین نے ہمیشہ اس سے علیحدہ رہنے کی تلقین کی۔ اگر کوئی بزرگ کسی ضرورت اور مصلحت وقت سے مجبور ہو کر حکومت سے ذرا سا بھی رابطہ پیدا کر لیتا ہے تو اس کے بعد اس کے متعلقین اس ہی میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ اور شیخ رکن الدین ملتانؒی نے حکومت سے وابستگی رکھی لیکن اپنے روحانی پروگرام کو نظر انداز نہیں کیا۔ ان کی مثال سے ان کی اولاد نے

---

[1] ۔ قصیدہ درشان حضرت شاہ رکن عالم ملتانی از سلطان التارکین حمید الدین حاکمؒ۔

[2] ۔ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی ص ۴۹۸۔

[3] ۔ مرقع ملتان ص ۱۰۴۔تاریخ مشائخ چشت ص ۳۲۲۔۲۳۔

غلط فائدہ اٹھایا اور سہروردیہ سلسلہ کا سارا نظام درہم برہم کردیا۔

متوسط طبقے اور غرباء ومساکین کی امداد واعانت

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ نے درویشوں کے علاوہ محتاجوں مسکینوں اور مفلس ونادار اور متوسط طبقے کے افراد کی امداد واعانت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ زندگی بھر خدمت خلق کا فریضہ انجام دیتے رہے اور انہوں نے قولاً اور فعلاً ہر معنی میں خود کو مرشد طریقت ثابت کیا۔ غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ کی جو پانچ خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے دو یہ ہیں کہ شیخ کے لئے ضروری ہے :

۱۔ وہ لوگوں کے ساتھ عمدہ سلوک کرتا ہو۔ مسافروں کو کھانا کھلاتا ہو۔

۲۔ غرباء اور بے حیثیت لوگوں کے ساتھ قولاً اور فعلاً عاجزی اور انکساری کے ساتھ پیش آتا ہو۔

حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ عوام وخواص کے ہر طبقے کے افراد کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور چھوٹے بڑے سب لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور دلسوزی کا اظہار کرتے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کی ہر ممکن سعی فرماتے تھے۔

حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ نے متوسط طبقے کے افراد اور غرباء ومساکین کی امداد واعانت مختلف ذرائع سے کی :

اولاً انہوں نے اپنے دادا بزرگوار حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ خانقاہ معلیٰ سے ملحقہ لنگرخانے کو حسب سابق جاری رکھا۔ اس لنگر خانے میں روزانہ سات سو افراد سے لے کر ایک ہزار افراد تک کو دو

وقت کا کھانا دیا جاتا تھا۔ [1]۔اس طرح ملتان شہر میں کوئی شخص بھوکا نہیں ہوتا تھا۔ ملتان کی خانقاہ معلی کے علاوہ حضرت قطب الاقطاب کے زمانے میں تقریباً آٹھ سو خانقاہیں آپ کے زیر اثر اور زیر حکم تھیں۔ [2]۔جو سندھ، قندھار تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ان خانقاہوں میں لاکھوں، مسافروں کی رہائش اور طعام کاانتظام ہوگا۔ علاوہ ازیں ان مسافرخانوں، سراؤں اور دیگر رفاہی اداروں کو بھی اسی طرح جاری رکھا۔

صدر جہاں گجراتی اپنی تاریخ میں یوں لکھتا ہے کہ فخر الدین جوما نے اس عمارت کو طلسم کے زور سے کھڑا کیا تھا جب سلطان کھا چکا تو طلسم کے اشارے سے اسے گرادیا۔ حاجی محمد قندھاری کا بیان ہے کہ جب سلطان ہاتھ دھونے لگا تو ناگہاں محل پر بجلی گری۔ بعض کا قول ہے کہ سلطان اپنے ساتھ جو زبردست ہاتھی لایا تھا۔ انہیں دوڑانے اور شاہزادے کو دکھانے کا حکم دیا۔ ان کی دوڑ کے دھماکے سے نیا بنا ہوا محل ڈھے گیا۔ بعض کا گمان ہے کہ زلزلہ آیا جس کے جھٹکوں سے وہ قصر بیٹھ گیا۔ شیخ رکن الدین ملتاؒنی سلطان سے ملنے کے لئے محل میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے اشارے کنائے سے سلطان کو جلد اٹھنے کے لئے کہا لیکن وہ نہ سمجھا۔ جوں ہی شیخ قصر سے نکلے وہ یکایک گرپڑا۔ غرض اس معاملے میں بیانات مختلف ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ غیاث الدین تغلق کو سرگروہ اصفیاء نظام الدین اولیاءؒ سے رنجش تھی۔ جب اس محل میں قدم رکھا تو انہیں کہلا بھیجا کہ میں دہلی میں داخل ہونے والا ہوں۔ آپ کہیں اور چلے جایئے حضرت کی زبان مبارک سے نکلا

---

[1] ۔ تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۹۱ علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف لاہور۔

[2] ۔ ماہنامہ آستانہ زکریا ملتان مضمون مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری ، اشاعت جولائی ۱۹۶۰ء۔

’’ابھی دلی دور ہے‘‘ اللہ والوں کی بات اٹل ہوتی ہے۔ سلطان کے قدم دلی میں نہ آسکے۔ [1]

جس روز سلطان غیاث الدین تغلق بنگال سے فتح حاصل کرکے دہلی آرہا تھا شیخ رکن الدینؒ بھی سلطان محمد بن تغلق شاہ کے ہمراہ دو تین کوس بادشاہ کے استقبال کے لئے باہر تشریف لے گئے تھے اور شاہ کے ساتھ مل کر تغلق آباد کے محل میں کھانا کھایا۔ شیخ رکن الدینؒ ہاتھ دھوئے بغیر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ جلدی اٹھو۔ جب شیخ وہاں سے باہر نکلے تو عمارت سلطان غیاث الدین تغلق پر گر گئی اور اپنے ہمراہیاں سمیت مرگیا۔ اس کے بعد سلطان محمد بن تغلق شاہ اپنے باپ کے تخت پر بیٹھا اور سخت ظالم ہونے کے باوجود اس نے اپنے آپ کو سلطان عادل کا خطاب دیا۔ [2]

سلطان غیاث الدین تغلق سے بھی حضرت رکن الدینؒ کے مراسم خوشگوار رہے۔ ۷۲۵ھ میں جب وہ بنگالہ کی مہم سے دہلی واپس آرہا تھا۔ تو حضرت شیخ رکن الدین دہلی سے افغان پور تک اس کے استقبال کو گئے شب کو سلطان کے ساتھ ماحضر تناول فرمارہے تھے کہ نور باطن سے کشف ہوا کہ جس عمارت میں وہ بیٹھے۔ کھانا کھارہے ہیں وہ اچانک گر جائے گی۔ اس لئے کھانا چھوڑ کر باہر چلے آئے اور سلطان کو بھی باہر نکلنے کے لئے فرمایا۔ مگر اس نے نکلنے میں دیر کی اتنے میں عمارت ہی گر پڑی اورسلطان اس کے نیچے دب کر ختم ہوگیا۔

خلق خدا کی خدمت واعانت

شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں خدمت خلق کے متعدد مرکز جاری تھے۔ حضرت قطب الاقطاب ان اداروں کے ذریعے مسافروں اور محتاجوں کی مدد فرماتے رہے۔ اسی طرح حضرت شیخ الاسلام کا قائم کردہ محتاج خانہ بھی حسب سابق جاری رہا اور اس میں لولے،

---

[1] ۔ خلاصۃ التواریخ، ص ۲۹۴، ۲۹۵۔
[2] ۔ تاریخ فرشتہ جلد۲، ص ۴۱۱۔

لنگڑے، نابینا اور معذور لوگوں کو رہائش خوراک اور لباس کی سہولتیں فراہم کی جاتی تھیں۔ یہ کام حکومت کے کرنے کا تھا لیکن چونکہ اس زمانے میں کوئی سرکاری محتاج خانہ موجود نہیں تھا۔ اس لئے اپاہج اور معذور افراد کی امداد واعانت کیلئے مشائخ سہرورد کو محتاج خانہ کھولنا پڑا۔

ثانیاً: اپنے آبائے کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بے روزگار افراد کو روزگار فراہم کرتے تھے۔ ہزاروں کسانوں، مزدوروں ، کاریگروں اور اہل حرفہ کی سرپرستی فرماتے تھے۔ علاوہ ازیں تجارت میں بھی حضرت قطب الاقطاب کی زیر سرپرستی ہزاروں کارندے کام کرتے تھے۔ گھریلو دستکاریوں اور مصنوعات کی برآمد کے باعث ہزاروں خاندانوں کی کفالت ہوتی تھی اور لاکھوں افراد عزت وآبرو سے زندگی بسر کرتے تھے اور محنت مزدوری کرکے رزق حلال کی رزی کھاتے تھے اور اس طرح ثالثاً ملکی معیشت پر بھی متوسط طبقے اور مفلس ونادار افراد کی وکالت کے ذریعے بھی ان کی امداد فرمایا کرتے تھے اور ان غریب غرباء اور ضرورت مند لوگوں کی شکایات اور معروضات شاہ وقت تک پہنچایا کرتے تھے جن کی شاہی دربار میں رسائی نہ تھی۔ وہ سندھ کے اندرونی علاقوں کے علاوہ ملتان کے مضافات اور ملتان سے لے کر دارالسلطنت دہلی تک کے ضرورت مندوں اور دہلی کے مظلوم ومحروم افراد کی شکایات عرضیوں کی صورت میں بادشاہ کے پاس لے جاتے اور اپنی موجودگی میں بادشاہ سے ان عرضیوں پر مناسب احکام صادر کراتے تھے۔

سہروردی اُمور شرعی میں زیادہ محتاط تھے۔ ان کے ہاں سماع بہت کم تھا۔ خلاف شرعی امور پر وہ فوراً ناپسندیدگی کا اظہار کرتے۔ دوسرے مذہبوں کے ساتھ ان کا برتاؤ غیر معمولی رواداری کا نہ تھا۔ تبلیغ کا جوش بھی ان میں زیادہ تھا۔ سیر وسفر کا شوق بھی انہیں چشتیوں سے کہیں بڑھ کر تھا۔ بالعموم چشتیوں کا رنگ ''جمالی'' تھا اور سہروردیوں کا ''جلالی'' ان سب باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ اگرچہ دارالخلافہ کی نازک مزاج اور حساس

ہستیوں کو سہروردی کسی بڑی حد تک مسخر نہ کر سکے لیکن اطراف ملک میں انہوں نے اسلام کا ڈنکا خوب بجایا اور اسلام کی بڑے پر جوش طریقے سے اشاعت کی۔ [1]

چشتیوں اور سہروردیوں میں بہت سی چیزیں مشترک تھیں اور اس امر کا بھی عام رواج تھا کہ ایک شخص دونوں سلسلوں کے بزرگوں سے فیضیاب ہو لیکن اگر ان بزرگوں کے حالات زندگی اور کارناموں کو یہ بنظر غائر دیکھیں تو ان کا امتیازی رنگ صاف نظر آتا ہے۔ ان کی کوششوں کے مثبت ، گہرے اور دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ علاوہ ازیں حضرت قطب الاقطاب نے لاکھوں اشرفیاں غرباء ومساکین میں تقسیم کردیں جو شاہان وقت نے حضرت قطب الاقطاب کی دارالسلطنت دہلی میں آمد اور ان کی رخصت کے مواقع پر سلاطین دہلی نے لاکھوں اشرفیاں نذرانے کے طور ان کی خدمت میں پیش کیں جو حضرت قطب الاقطاب نے سب کی سب دہلی ہی کے غرباء ومساکین میں تقسیم کردیں اور ایک حبہ (سکہ) بھی اپنے پاس نہیں رکھا اس طرح غرض یہ کہ متوسط اور نچلے طبقات کے بے کس اور مفلس نادار افراد کی امداد واعانت اور حقوق سے محروم اور زمانے کے مظلوم لوگوں کی وکالت اور ان کی شنوائی وفریاد رسی کے لئے حضرت قطب الاقطاب زندگی بھر کوشاں رہے۔

اسلامیان برعظیم کے نچلے اور متوسط طبقے کے مظلوم ومحروم اور بے کس وبے نوا افراد کی وکالت کا اہم فریضہ ادا کرکے حضرت قطب الاقطاب لاکھوں ضرورت مندوں کی حاجت روائی کا ذریعہ اور ہزاروں مظلوموں کی فریادرسی کا سبب بنے اور ان کی ذاتی مداخلت، سفارش اور وکالت کے باعث بیشمار بیکسوں کو ان کے جائز حقوق ملے، لاتعداد مظلومین کی پکار دربار شاہی تک پہنچی اور ان گنت محرومین کی ضرورتیں پوری ہوئیں۔

رابعًا: انہوں نے متوسط اور نچلے طبقے کے غریبوں مسکینوں اور مفلسوں کی امداد واعانت اس طرح سے بھی فرمائی کہ انہوں نے

---

1 ۔ آب کوثر ص ۳۵۴۔۳۵۳۔

سلاطین دہلی سے نذرانوں کی صورت میں ملنے والی لاکھوں اشرفیاں مساکین وفقراء میں تقسیم کردیں۔ اس کی تفصیلات بھی ''حضرت قطب الاقطاب کے دہلی کے دورے'' کے عنوانات کے تحت دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہاں پر ہم صرف اس امر کو دہرانا چاہیں گے کہ حضرت قطب الاقطاب جب بھی دہلی تشریف لے جاتے تو شاہان وقت ان کی دہلی میں آمد اور رخصت کے موقع پر لاکھوں اشرفیاں نذرانے کے طور پر ان کی خدمت میں پیش کرتے۔

اگر مؤرخ ابوالقاسم فرشتہ کے بیان کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو صرف سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے مختلف اوقات میں حضرت قطب الاقطاب کے حضور پندرہ لاکھ اشرفیاں نذر کیں اور اگر مولانا جمال اور دسرے قریب العہد مؤرخین کی روایات پر انحصار کیا جائے تو سلاطین دہلی نے حضرت قطب الاقطاب کی ہر بار دہلی میں تشریف آوری اور رخصت کے موقع پر ان کی خدمت میں سات لاکھ اشرفیاں بطور نذرانہ پیش کیں۔ (اس طرح نذرانوں کی کل رقم ۳۵ لاکھ اشرفیاں بن جاتی ہے)۔

بالجملہ یہ کہنا صحیح ہے کہ خاندان خلجی اور خاندان غلاماں کے عہد حکومت میں سہروردیوں کا اثر ورسوخ چشتیوں سے کم نہ تھا۔ اور بالخصوص سلطان علاء الدین خلجی سلطان غیاث الدین تغلق اور سلطان محمد تغلق جس حد تک شیخ رکن الدّین کا پاس ادب کرتے تھے۔ اتنا انہوں نے کسی اور شیخ حتی کہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی نہیں کیا۔ شیخ رکن العالم نے یہ اثر خلق خدا کو فائدہ پہنچانے کی خاطر استعمال کیا۔ [1]

آپ کی اولاد کوئی نہ تھی۔ آپ کا فیض آپ کے خلفائے عظام نے جاری رکھا اور سچ تو یہ ہے کہ آپ کی وفات کے ساتھ ملتان کے پیران عظام کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور مغربی پنجاب اور سندھ کا روحانی مرکز ملتان سے اُچ میں منتقل ہوگیا۔ جہاں پہلے

---

[1] ۔ آب کوثر، ص ۲۶۵۔

آپ کے خلیفہ اعظم حضرت مخدوم جہانیاںؒ اور ان کے بھائی سید راجو قتالؒ اور پھر قادری بزرگوں نے ارشاد وہدایت کی شمعیں روشن کیں۔ [1]

نور احمد فریدی نے تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی لکھ کر اس بیان کو دوست ثابت کردیا۔

افسوس ہے کہ سہروردیوں کی مکمل تاریخ مرتب نہیں ہوئی اور آج تو اس کے لئے مواد نہیں ملتا۔ سہروردیوں نے کام زیادہ تر اسلامی ہندوستان کے سیاسی اور ثقافتی مرکزوں سے دور رہ کر کیا۔ ان کی روحانی کوششوں کو دارالخلافے کی تیز برقی روشنی نے اجاگر نہیں کیا اور اتفاق سے ان میں اہل قلم حضرات کی بھی بہتات نہیں۔ چشتیوں میں سے اکثر اصحاب سجادہ (مثلاً حضرت خواجہ معین الدین اجمیری چشتیؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فریدؒ، حضرت سلطان المشآئخ، سید گیسودرازؒ) ایک خوشگوار ادبی رنگ کے حامل بلکہ شاعر تھے۔ ان کے مریدوں میں امیرخسروؒ اور امیر حسن سجزیؒ، ضیاء الدین برنی، مؤرخ جسے کامل الفن ادیب اور شاعر موجود تھے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کے کارنامے بڑی آب وتاب سے بیان ہوئے اور ہماری روحانی زندگی کا جزو ہوگئے۔ لیکن سہروردیوں کی ٹھوس مذہبی خدمات سے (جن کی بدولت مغربی اور مشرقی بارکھان میں اسلام کا بول بالا ہوا) ایک عام بے خبری ہے۔[2]

تعداد نصف لاکھ فرض کر لی جائے تو مولانا جمالیؒ کے تخمینے کے مطابق حضرت قطب الاقطاب کی دہلی میں ہر بار تشریف آوری کے موقع پر پر ایک محتاج کو چودہ اشرفیاں ملی ہوگی اور اگر مؤرخ فرشتہ کی روایت پر انحصار کیا جائے تو دہلی کے ہر ضرورت مند شخص کے حصے میں کم از کم بتیس اشرفیاں آئی ہونگیں اور اگر ایک مفلوک الحال گھرانے کے سات افراد فرض کر لئے جائیں تو حضرت قطب الاقطاب کی تشریف

---

[1] ۔ آب کوثر، ص ۲۶۷۔

[2] ۔ آب کوثر ص ۲۵۵۔

آوری کے صدقے میں دہلی کے ہر مفلوک الحال گھرانے کو ۹۸ یا ۲۱۰ اشرفیاں میسر آئی ہونگی اس سے کم وبیش دہلی کے سات آٹھ ہزار گھرانوں کی مفلسی اور فاقہ کشی کا خاتمہ ہوا ہوگا۔

خلاصہ کلام

غرض یہ کہ قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتآنی نے سلاطین دہلی کے قائم کردہ طبقاتی نظام کو توڑنے اور اس غیراسلامی اور غیرانسانی نظام کے تلخ، تکلیف دہ اور ناقابل برداشت اثرات کو زائل کرنے کے لئے جدوجہد کی وہ زندگی بھر متوسط اور نچلے طبقے کے مفلس ونادار اور بے کس وبے سہارا لوگوں کی امداد واعانت اور محروم ومظلوم افراد کی وکالت کا فریضہ ادا کرتے رہے۔

حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیات، صفات بالخصوص ان کے عجز وانکسار شفقت ومروت اصلاح معاشرہ کے ضمن میں ان کی خدمات ان کے تاریخ ساز کردار کے پیش نظر یہ دعویٰ بجا طور پر کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے فی الحقیقت پیمبرانہ نیابت کا فریضہ ادا کیا اور خود کو صحیح معنوں میں ایک صاحب مرشد طریقت ثابت کیا۔ تشریح توضیح کے بعد مناسب ہوگا کہ حضرت قطب الاقطاب کے حالات زندگی ان کی تاریخ ساز تبلیغی خدمات اور ان کی تعلیمات ان کے اکابر خلفاء کے حالات زندگی تبلیغی خدمات اور کارناموں کو بیان کیا جائے۔ حضرت قطب الاقطاب کے تربیت یافتہ اصحاب کس مرتبہ ومقام کے بزرگ تھے اور انہوں نے اپنے مرشد سے فیض یاب ہو کر اسلام کی تبلیغ واشاعت اور بندگان خدا کی اخلاقی وروحانی اصلاح وتربیت کے ضمن میں خدمات انجام دیں۔

مولانا منہاج سراج شیخ الاسلام نجم الدین صغری حسام درویش وغیرہ وہ علماء تھے جنہوں نے دربار داری کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا اور حب جاہ میں گرفتار ہو کر اپنے فرائض کو

بالکل بھول گئے۔ مولانا نور ترک نے اسی قسم کے علماء کو نامی اور مرجی ہونے کے طعنے دیئے۔ [1]

اور مولانا جلال الدین رومیؒ کے قابل اور تخلیقی کارناموں سے بھی دنیا آشنا ہو رہی تھی۔ مولانا روم نے قرآنی آیات کو اپنی شہرہ آفاق مثنوی کے قالب میں ڈھال دیا تھا اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کا یہ نظریہ ملت اسلامیہ میں عام ہو رہا تھا کہ دنیا کے ظاہری نظام کے ساتھ ساتھ ایک باطنی نظام بھی موجود ہے جو قطبوں، ابدالوں اور اوتادوں کے سر پر قائم ہے۔ شیخ اکبرؒ نے اپنے اس اہم نظریے کی وضاحت اپنی یادگار تصنیف''فتوحات مکیہ'' میں متعدد مقامات پر کی ہے۔

شاہ رکن عالمؒ اور تصوف کا جدید ادب

مثنوی مولانا روم اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی اہم تصانیف ہندوستان پہنچ چکی تھیں۔ ان میں سے بعض کتابیں اور رسائل شیخ فخر الدین عراقیؒ اپنے ساتھ ہندوستان لائے تھے۔قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کی ان اہم کتابوں سے حضرت شاہ رکن عالمؒ نے استفادہ کیا تھا۔

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالمؒ کے سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ساتھ گہرے دوستانہ مراسم تھے اور ہر دو بزرگان دین کے مابین علمی مباحث اور روحانی اسرار ورُموز پر اکثر گفتگو رہتی تھی۔ مؤرخ فرشتہ کا بیان ہے کہ ابن عربی کی تصانیف حضرت سلطان المشائخؒ کے زیر مطالعہ تھیں۔ [2]

حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے مقامات اولیاء کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ حضرت سلطان المشائخ بھی شیخ اکبر محی

---

[1] ۔ طبقات ناصری، ص ۱۸۹۔

[2] ۔ تاریخ فرشتہ جلد۲ ۔

الدین ابن عربیؒ کے نظریات سے متاثر تھے۔ چنانچہ ایک جگہ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ :
’’جب ولی مقام قطبیت اور غوثیت وفردیت کو طے کرکے مرتبہ محبوبیت کو پہنچتا ہے تو اس کی ذات مظہر الٰہی ہو جاتی ہے اور اس کا ارادہ بھی ارادۃ اللہ ہوتا ہے‘‘۔[1]

شاگردان رشید

شیخ موسیٰ ابن جلالِ ملتانی الشیخ العالم الفقیہ المقلب بہ نور الدینؒ

حضرت ابوالفتح رکن الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمشیر زاد تھے۔ ممدوح میں سے طریقت میں درس لیا۔ ان کی خدمت میں برسوں شرف ملازمت سے مفخر ہوئے۔ یہاں تک کہ علوم ظاہر وباطن دونوں منکشف ہوگئے۔ مدرسہ بہائیہ ملتان میں بزم تدریس کو رونق بخشی۔ ان کے شاگردوں میں جلال الدین حسین۔

نجم الدین ابراہیم، لقب نجم الدین، سلسلہ سہروردیہ کے ممتاز شیوخ صلحاء سے ہیں۔ جناب ابوالفتح رکن الدین ملتانیؒ سے اخذ طریقت کیا اور ان سے شیخ منہاج الدین حسن بیابانیؒ اور دوسرے بے شمار حضرات بھی مستفیض ہوئے۔[2]

منہاج الدین الحسن بیابانیؒ کا شمار بھی سہروردیہ مشائخ میں ہوتا ہے اور وہ حضرت ابوالفتح رکن الدین ملتانیؒ سے مستفیض ہوتے۔ [3]

حضرت قطب الاقطابؒ مسند ارشاد پر

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالمؒ اپنے علم وفضل اور روحانی مرتبہ ومقام کے پیش نظر مسند ارشاد پر متمکن ہونے کے ہر لحاظ سے اہل اور مجاز تھے۔ وہ

---

[1] ۔ ملاحظہ ہو سیرت نظامی ص ۱۴۲۔ اس کے علاوہ حضرت سلطان المشائخ کی مجلس میں قطب، اوتاد، ابدال اور اولیاء کی بحث کے لئے۔ دیکھئے فوائد الفواد ص ۲۵۳۔

[2] ۔ بحوالہ منبع الانساب در متن ، نزہۃ الخواطر ص ۱۷ حصہ دوم۔

[3] ۔ منبع الانساب، نزہۃ الخواطر ، ص ۴۳ وشجرہ الطیبہ حصہ دوم۔

ظاہری وباطنی علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھےحضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم اور حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ کی تربیت نے انہیں کندن بنادیا تھا۔ وہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے براہ راست روحانی جانشین اور حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ کے خلیفہ مجاز اور روحانی جانشین تھے۔ حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ کی زندگی میں نائب سجادہ نشین کی حیثیت سے فرائض انجام دے کر حضرت قطب الاقطابؒ اپنی ذہنی وفکری صلاحیتوں اور اپنے ظاہری وباطنی کمالات کا عملی ثبوت فراہم کر چکے تھے۔ اور کشف وکرامات کا صدور تو ان کی ذات سے بچپن ہی کے زمانے سے شروع ہوگیا تھا۔ اس تاریخی اور روحانی پس منظر میں حضرت قطب الاقطابؒ جب مسند ارشاد پر رونق افروز ہوئے تو وہ صحیح معنوں میں اپنے آبائے کرام کے روحانی جانشین اور طالبان حق کے کامل مرشد طریقت تشنگان علم کے بہترین معلم اور دین اسلام کے کامیاب مبلغ ثابت ہوئے۔

انوار وتجلیات کی بارش

حضرت قطب الاقطاب فقہ، حدیث، تفسیر، تاریخ اور دیگر مروجہ علوم پر مکمل عبور رکھتے تھے اور اسرار الٰہی کے بحر بیکراں تھے۔ اس لئے جب مسند ارشاد پر وعظ فرماتے تو یوں معلوم ہوتا گویا انوار وتجلیات کی بارش ہورہی ہے۔ اور حاضرین مجلس کے دل اسرار الٰہی سے لبریز اور انوار ربانی سے منور ومعطر ہو رہے ہیں۔

قطب الاقطابؒ کے دبدبہ وجلال کا اصل سبب

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وتعلیمات کا سرسری سا مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کر دیتا ہے کہ حضرت شاہ رکن عالمؒ کے دبدبہ وجلال سلاطین پر ان کی ہیبت اور تمکنت ووقار کا اصل سبب ان کی روحانی نسبت اور باطنی کمالات کے علاوہ ان کی شخصی وجاہت ان کی جرات واستقامت، معاملہ فہمی، بلند حوصلگی، خداخوفی اور ان

کا تبحر علمی ان کی تمکنت ووقار اور دبدبہ وجلال ان کا اصل سبب تھا۔

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم قدس سرہٗ العزیز کو مروجہ علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل تھی اور وہ باطنی کمالات میں اپنی مثال آپ تھے۔ اب ہم حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کے قابل قدر تبحر علمی اور ان کی غیر معمولی ذہنی وفکری صلاحیتوں کو بیان کرتے ہیں جن کی بناء پر بڑے بڑے ظالم وجابر اور صاحب سطوت سلاطین ان کے سامنے دم مارنے کی جرات نہیں کرتے تھے اُمرائے سلطنت کو ان کے سامنے زبان کھولنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اور جلیل القدر علماء وفضلاء ان کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھتے تھے۔

شیخ رکن الدین کو بچپن ہی سے علمی مجالس میں بیٹھے کے وافر مواقع فراہم ہوتے تھے۔ شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریاؒ انہیں اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام کی وفات کے بعد شیخ رکن الدّینؒ کا زیادہ تر وقت ان کے والد گرامی، شیخ صدر الدین عارؒف کی نگرانی اور معیت میں گزرتا تھا۔ چنانچہ بچپن ہی سے بزرگان دین کی ان مجالس میں موجود رہتے تھے جن مجالس میں ان کے والد گرامی اور دادا بزرگوار شریک ہوا کرتے تھے۔ مدرسہ بہائیہ اور خانقاہ معلیٰ میں بھی شیخ رکن الدّینؒ کو معروف وممتا علماء نامور اساتذہ اور اکابر مشائخ کی صحبت میں بیٹھنے کے مواقع میسر آئے تھے۔ اپنی تعلیم وتربیت کے دوران وہ اپنے ہم جماعت طلباء سے بھی دینی اُمور ومسائل پر گفتگو اور بحث مباحثہ کیا کرتے تھے۔ خدائے بزرگ وبرتر نے انہیں قابل قدر ذہنی، فکری صلاحیتوں، مضبوط قوت حافظہ اور حکمت ودانش سے نوازا تھا۔ چنانچہ اپنی ذہنی وفکری صلاحیتوں اور مشائخ کی صحبت کے باعث وہ بچپن ہی سے نہ صرف اعلیٰ اخلاق وآداب سے آراستہ تھے بلکہ فہم وفراست، ذہانت اور قابلیت میں بھی انہوں نے نمایاں مقام حاصل کرلیا۔ ان کے بچپن کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے ان کے تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ جس علمی مسئلے پر بھی وہ

اظہار خیال کرتے تھے اپنے مخاطب رفقاء اور ہم مکتب طلباء کو لاجواب کردیتے تھے اور حاضرین مجلس ان کی فہم وفراست کے قائل ہو جاتے تھے۔ جو شخص ان سے جس نوعیت کا سوال کرتا آپ اس کا خواطر خواہ جواب دیتے تھے اور جو سوال آپ دوسروں سے کرتے لوگ اس کا جواب دینے سے قاصر رہتے تھے۔

شیخ رکن الدین طبعاً بہت فیاض اور دریا دل واقع ہوئے تھے۔ بچپن ہی سے ہمدردی اور خلوص وایثار کے جذبات سے سرشار تھے۔ تذکرہ نگاروں نے بعض ایسے واقعات روایت کئے ہیں جن سے ان کے سخاوت وفیاضی اور خلوص وایثار کے جذبات کا ثبوت ملتا ہے۔ روایت ہے کہ بچپن میں جب وہ کھیل کود میں مصروف ہوتے اور شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکرؒیا کا کوئی مرید یا عقیدت مند اگر کھانے کی کوئی چیز انہیں دیتا تووہ اسی وقت کھڑے بچوں میں تقسیم کردیتے تھے۔ گھر والوں کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی تھی۔ ان کے اس عمل کے باعث بچوں میں ان کی شہرت ہوگئی تھی۔ اور بچے ان کے انتظار میں رہا کرتے تھے کہ شاہ جلولہ آئیں اور انہیں مٹھائی یا شیرینی کھلائیں۔

قطب الاقطاب اپنے بزرگوں کاحد درجہ ادب واحترام کرتے تھے:

شیخ رکن الدین نے اپنے والد گرامی اور دادا بزرگوار کی صحبت میں صوری اور معنوی کمالات حاصل کئے۔ یہ دونوں بزرگ حضرت قطب الاقطاب کو بہت محبوب رکھتے تھے اور شیخ رکن الدین ان دونوں بزرگوں کا اتنا ادب واحترام کرتے تھے کہ کبھی ان سے آنکھیں چار نہ کرتے اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولتے۔ اس خوردسال میں ان کے اس ادب سے متاثر ہو کر (حضرت خواجہ شمس الدین سبزواریؒ نے ان کو ''رکن الدین عالم'' کا لقب عطا فرمایا اور وہ ''رکن عالم'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ [1]

---

[1] ۔ مرآۃ الاسرار جلد ۲ ص ۲۶۰۔

حضرت قطب الاقطاب کا عہد اس لحاظ سے بھی نمایاں حیثیت کا حامل ہے کہ اس عہد میں اکابر مشائخ اور معروف وممتاز علماء کثیر تعداد میں موجود تھے۔ یہ اکابر مشائخ برعظیم کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔

ان علمی مجالس میں ان کی تربیت ہوئی اور انہوں نے نشست وبرخاست گفتگو کے آداب واطوار سیکھنے کے علاوہ علمی مباحث کے طور طریقوں اور دینی امور ومسائل اور روحانی اسرار ورُموز سے آشنائی حاصل کی۔

غرض یہ کہ اس دور میں برعظیم کے مختلف علاقوں اور شہروں میں سینکڑوں مشائخ اور ہزاروں مبلغین اسلام کی عظمت سربلندی اسلام اور مسلمانوں کی خدمات میں سرگرم عمل تھے۔ باب کے آغاز میں ہم حضرت قطب الاقطاب کے ہمعصر بزرگان دین کی فہرست دی ہے جس میں ان کے عہد کے بیشمار اولیاء اللہ اور بعض نامور صوفیاء کو شامل کیا گیا ہے۔

قطب الاقطاب کا مرتبہ ومقام متعین کرنے کیلئے کن اُمور کی ضرورت ہے

یہ جاننے کے لئے کہ زبدۃ العارفین، قدوۃ السالکین قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کس مرتبہ ومقام کے انسان اور کس شان کے مبلغ اسلام تھے۔ حضرت شیخ کے حالات زندگی اور ان کی تعلیمات کے علاوہ ان کے عہد پر بھرپور تنقیدی نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے۔ حضرت قطب الاقطاب کے عہد کے مخصوص سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات بالخصوص اس زمامے میں ملت اسلامیہ کو درپیش خطرات وخدشات اور حضرت قطب الاقطاب کے ہمعصر سلاطین کے ذہنی وفکری رجحانات، ان کے مذہبی میلانات اور ان کے اخلاق واطوار اور سیرت وکردار کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر ہی ہم یہ جان سکتے ہیں کہ حضرت قطب الاقطاب نے:

- اپنی زندگی کس نہج پر کس طور اور کس انداز سے بسر کی؟

- عصری تقاضوں کو کس پس منظر میں دیکھا اور کس رنگ وآہنگ میں ان کی پذیرائی کی۔
- اُمور ومسائل کو حل کرنے میں کیا کردار ادا کیا۔
- اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کو کس طرح بے اثر کیا۔
- درپیش خطرات سے نمٹنے اور باطل طاقتوں سے نبردآزما ہونے کے لئے کیا طرز عمل اختیار کیا۔
- سلاطین دہلی کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟ اور انہوں نے ان تعلقات وروابط کو کیوں ضروری سمجھا؟ اور ان سے کیا رویہ اختیار کیا؟
- سلاطین دہلی کے ساتھ ان کے تعلقات کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟
- ہمعصر بزرگان دین بالخصوص خواجگان چشت کے ساتھ ان کے تعلقات کیسے تھے؟
- اپنے شاگردوں اور مریدوں کی تعلیم وتربیت کن خطوط پر کی؟
- انسانی فوز وفلاح اور اصلاح وارشاد کا کونسا طریقہ اپنایا؟
- اسلام کی تبلیغ واشاعت اور تجدید احیائے دین کیلئے کونسا لائحہ عمل اختیار کیا؟
- عوام کی معاشی فلاح وبہبود اور مسلمانوں کی بہتری کے لئے کیا اقدامات کئے؟
- تصوف کی نئی اور انقلابی روایت کو برعظیم میں وسعت وفروغ دینے میں کیا خدمات انجام دیں؟
- برعظیم میں جداگانہ مسلم قومیت کی تعمیر وتشکیل اور مسلمانوں کے ملی تشخص کو نکھارنے اور سنوارنے کے تاریخی عمل میں کیا کردار ادا کیا؟

آئندہ صفحات میں ہم یہ اور اس نوع کے متعلقہ دیگر اہم اور بنیادی نوعیت کے نکات پر اظہار خیال کریں گے اور مذکورہ بالانکات کی وضاحت اور ان سوالوں کے جواب پیش کرنے کے

ساتھ حضرت شاہ رکن عالؒم کی تبلیغی سرگرمیوں اور ان کی اصلاحی وتجدیدی کوششوں کے اثرات ونتائج پر بھی روشنی ڈالیں گے اور یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ حضرت قطب الاقطاب کی دینی خدمات سے برآمد ہونے والے فوری نتائج کی کیا نوعیت تھی اور ان کی تبلیغی واصلاحی کوششوں سے پیدا ہونے والے دور رس اثرات کس اہمیت کے حامل تھے؟

مزید برآں شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا ملتاؒنی نے اسلامیان برعظیم کو تصوف کی جس نئی اور انقلابی روایت سے روشناس کرایا تھا اور انہوں نے اسلام کی تبلیغ واشاعت، درس وتدریس اور وعظ وارشاد کا جو مؤثر ومنضبط نظام قائم کیا تھا اور دیگر روحانی سلاسل کے بزرگان دین کے اشتراک وتعاون سے تبلیغ واصلاح کی جو عظیم تحریک شروع کی تھی، تبلیغ اسلام کی اس عظیم تحریک، اصلاح وارشاد کے اس مؤثر ومنضبط نظام اور تصوف کی اس انقلابی روایت کو قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالمؒ نے کس حد تک وسعت وفروغ دیا؟

سلاطین دہلی کے مذہبی رحجانات کے بارے میں علماء اور مؤرخین کی آراء ومختلف ہیں۔ امر حقیقت یہ ہے کہ سلاطین دہلی اسلام کے نمائندے نہیں تھے۔ اس لئے کہ اسلام شخصی حکومت یا موروثی بادشاہت کی اجازت نہیں دیتا۔ اور نہ اسلامی معاشرے میں مملوکیت اور مطلق العنان حکمرانوں کے لئے کوئی گنجائش موجود ہے۔ اگر ہندوستان کی تاریخ کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے اور مسلم سلاطین کے طرز حیات اور نظام حکومت کا جائزہ لیا جائے تو یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ ہندوستان کے یہ مسلم فرمانروا اسلام کے علمبردار نہیں تھے۔ اور نہ انہوں نے اسلام کی تبلیغ واشاعت میں کوئی خاص دلچسپی لی۔ نہ اسلام کی عظمت وسربلندی ان کا نصب العین تھا۔ بلکہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا اپنے اقتدار کو قائم برقرار رکھنے کے لئے کیا۔

علاوہ ازیں ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں نے نہ صرف ایرانی طرز زیست اختیار کرکے شاہانہ کروفر سے زندگی بسر کی بلکہ ان میں سے اکثر وبیشتر حکمرانوں کی زندگی مختلف النوع آلائشوں سے بھرپور تھی۔

ابن بطوطہ کی ملتان میں آمد

امیر ملتان جو بادشاہوں کا سردار اور بڑے افضل امیروں سے ایک امیر ہے جب اس کے پاس گیا تو وہ میرے لئے کھڑا ہوگیا۔ مصافحہ کیا اور اپنے قریب مجھے بٹھایا اور تحفہ میں ایک گھوڑا اور کچھ سامان انگور، نیفہ، نیزے وغیرہ لائے اور یہ ان کے لئے خاص تحفہ ہے۔ اس لئے کہ یہ ان کے علاقوں میں نہیں ہوتے۔ یہ خراسان کی پیداوار۔ وہ امیر ایک بلند مقام پر تھا۔ اس کے قریب قاضی کی نشست تھی۔ اور خطیب واُمراء اس کے دائیں اور بائیں جانب بیٹھے تھے۔ فوجی افسر وغیرہ ان کے پیچھے بیٹھتے تھے اور جب ان کے سامنے سے لشکر گزرتا تھا۔ سپاہی اپنی قوت کا مظاہرہ تیر اندازی سے کرتے تھے اور گھڑ سواری کا مظاہرہ گھوڑے دوڑا کرکرتے اور روکاوٹوں سے گزرتے تھے۔ جو سپاہی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرتا تھا اس کو مرتبہ دیا جاتاتھا۔

میں امیر کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے سلام کیا جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تو امیر نے مجھے شہر کے باہر شیخ عابد رکن الدینؒ کے پاس قیام کرنے لئے حکم دیا۔ اور ان کا معمول یہ ہے کہ لوگوں کی مہمان داری بادشاہ کے حکم سے کرتے ہیں۔

ابن بطوطہ نے ملتان میں حضرت قطب الاقطاب کے ہاں قیام کیا۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں حضرت شاہ رکن عالَم کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے اور ان کی زبانی بعض اہم روایت بھی نقل کی ہیں۔ علاوہ ازیں ابن بطوطہ نے کرامت کے طور پر سکندریہ کے ایک بزرگ شیخ برہان الدین اعرؒج کی پیش گوئی بھی بیان کی ہے۔ جس میں اس بزرگ نے ابن بطوطہ کو ہندوستان اور چین جانے کی بشارت دی تھی۔

سکندریہ کے اولیائے کرام میں ایک بزرگ برہان الدین اعرجؒ

اولیائے کرام میں جو اس وقت سکندریہ میں (ابن بطوطہ کے سکندریہ پہنچے کے وقت) موجود تھے۔ امام دوران، عالم یکتا، زاہد ومتقی اور خوف خدا رکھنے والے ایک بزرگ برہان الدین اعرجؒ تھے۔ جن کا شمار اس زمانے کے بہت بڑے زہاد وداعیان میں ہوتا تھا۔ سکندریہ میں اپنے زمانہ قیام کے دوران مجھے ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور میں تین دن تک ان کا مہمان بھی رہا۔ یہ ایک صاحب کرامت بزرگ تھے۔

میں ایک روز ان کی خدمت میں حاضر تھا کہ انہوں نے (مجھ سے مخاطب ہو کر) فرمایا، میں دیکھتا ہوں کہ ”تم دور دراز ملکوں کی سیاحت کروگے تم دنیا بھر کے ملکوں کی سیروسیاحت کاارادہ رکھتے ہو“میں نے عرض کیا: ”ارادہ تو ہے“ حالانکہ اس زمانے میں اس قدر ممالک بالخصوص ہندوستان اور چین ایسے دور دراز ملکوں کے سفر کا تو میرے ذہن میں خیال تک نہیں تھا۔
انہوں نے فرمایا : انشاء اللہ تم میرے بھائی فرید الدینؒ سے ہندوستان میں رکن الدین زکریاؒ سے سندھ میں اور برہان الدینؒ سے چین میں ضرور ملوگے (جب تمہاری ان سے ملاقات ہو) تو میرا ان سے سلام کہنا۔

یہ بیان کرنے کے بعد ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ

مجھے ان کے اس ارشاد سے بڑا تعجب ہوا اور اس مسافت بعیدہ کا خیال کرکے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ غرض کہ شیخ کے حسب ارشاد ان ملکوں کی سیاحت کی اور میرا ان مقامات سے بھی گذر ہوا۔ میں ان حضرات سے ملا (جن کے نام میں نے گنوائے تھے) اور میں نے ان کا سلام ان تک پہنچادیا ۔

اس صاحب کشف وکرامت کی پیش گوئی اور اس کے درست ثابت ہونے کے بیان کے بعد ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ جب میں ان بزرگ سے رخصت ہونے لگا تو انہوں نے چند درہم مجھے زاد راہ کے عنایت فرمائے ان درہموں کو میں نے بڑی احتیاط سے رکھ لیا۔ جب تک وہ درہم میرے پاس رہے مجھے خرچ کی کوئی کمی محسوس نہ ہوئی اور نہ ان درہموں کو

صرف کرنے کی نوبت آئی۔ بحری سفر میں نفار ہند میں میرا سارا مال واسباب لوٹ لیا ان میں وہ درہم بھی لوٹ لئے۔

ابن بطوطہ کی برعظیم میں آمد کو بلاشبہ تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ ابن بطوطہ نے ایک طویل عرصے تک برعظیم کے مختلف حصوں کا دورہ کیا اور یہاں کے متعدد شہروں اور اہم مقامات پر قیام کیا۔ برعظیم میں اپنے قیام کے دوران ابن بطوطہ مختلف عہدوں پر فائز رہا۔ اسے سلطان محمد بن تغلق کے دربار میں بھی رسائی حاصل رہی۔ اس نے برعظیم کی اہم دینی روحانی اور اسلامی شخصیات سے ملاقات بھی کی اور پھر وطن واپس جاکر اس نے اپنا سفرنامہ مرتب کیا جس میں اس دور کے ہندوستان کے بارے میں بہت مفید اور بیش قیمت معلومات درج ہیں۔

سلطان غیاث الدین کی لکھنؤ سے واپسی اور اس کی موت

ولی نظام الدین بدایونی رحمۃ اللہ علیہ دہلی شہر میں تھے اور محمد شاہ بن سلطان نے ان کی طرف اپنے خادم کو اپنے حق میں دعا کے لئے بھیجا اور یہ بھی کہا کہ جب شیخ پر حالت وجد غالب ہو تو اسے اطلاع دی جائے۔ چنانچہ جب شیخ پر حالت وجد طاری ہوئی تو سلطان محمد ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور شیخ نے فرمایا کہ ہم نے ملک تجھ کو دیا۔ پھر سلطان کی عدم موجودگی کے دوران شیخ کا وصال ہوگا اور سلطان محمد بن تغلق نے شیخ کی میت کو کندھا دیا۔ اس کی اطلاع اس کے باپ کوپہنچ گئی۔ اس نے اس کو ڈانٹا اور اس سے اس بارے میں خط وکتابت کی، غیاث الدین تغلق کو نجومیوں نے کہا کہ اس سفر کے بعد تُو دہلی میں داخل نہیں ہوگا۔ چنانچہ وہ بنگال سے واپس دہلی کے قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ اس کے لئے ایک محل تعمیر کرایا جائے۔ یہ محل تین دن میں مکمل کر لیا گیا۔ اور اس کی تعمیر میں زیادہ تر لکڑی استعمال کی گئی اور اس کی بنیاد زمین کے اوپر سے اٹھائی گئی تھیں۔ اور ’’الغ خان‘‘ نے یہ محل احمد ایاز (خواجہ جہاں) سے تعمیر

کروایا۔ اور اس کو اس طرز پر بنایا گیا تھا کہ جب سلطان غیاث تغلق اس میں موجود ہو۔ اور وہاں سے ہاتھی گزارے جائیں تو وہ محل گر جائے۔ بادشاہ محل میں آیا لوگوں نے کھانا کھایا اور چلے گئے۔ تو اس کے بیٹے نے اجازت چاہی کہ وہ ہاتھی پیش کرے بادشاہ نے اجازت دے دی۔ مجھ سے شیخ رکن الدین نے بیان کیا کہ وہ اس وقت بادشاہ کے پاس تھے۔ اور وہاں پر بادشاہ کا چھوٹا بیٹا محمود بھی تھا۔ محمد بن سلطان آیا اور اس نے شیخ سے کہا کہ اے بھائی عصر کا وقت آگیا آپ نماز پڑھ لیں۔

شیخ نے کہا کہ سلطان محمد کے بیٹے کے مطابق اس وقت محل سے باہر آگیا۔ جیسے ہی میں محل سے نکلا تو محل سلطان اور اس کے بیٹے محمود پر گر گیا۔ شیخ نے کہا کہ وہ نماز پڑھے بغیر تیزی سے واپس آیا تو میں نے محل کو گراہوا پایا۔ اوزار لے کر آئیں، سلطان محمد نے مزدوروں کو جابلوایا تاکہ وہ بادشاہ کو محل کے ملبہ میں سے نکالیں لیکن ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ رکے رہیں اور ملبہ سورج کے غروب ہونے تک اٹھایا نہیں گیا۔ جب ملبہ ہٹایا گیا تو بادشاہ اپنے بیٹے محمود پر جھکا ہوا تھا لیکن وہ مر چکے تھے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بادشاہ مرچکا تھا لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اس وقت زندہ تھا۔ بہرحال ان کی لاشوں کو نکالا گیا اور شہر سے باہر تغلق آباد میں بادشاہ کو دفن کیا گیا۔

عبد العزیز فقیہ اور محدث تھا تقی الدین ابن تمیہ کا شاگرد تھا۔ اس نے برہان الدین بن برقح، جمال الدین حزن اور شمس الدین سے تعلیم حاصل کی اور پھر وہ ہندوستان آیا۔ سلطان نے اس کی قدر منزلت کی۔

کرامت

ایک روز میں شیخ برہان الدّین کی خدمت میں حاضر ہوا ۔انہوں نے فرمایا کیا تم سیر وسیاحت کو پسند کرتے ہو میں نے جواب دیا ہاں۔ لیکن اس وقت میرے ذہن میں ہندوستان اور چین کی سیاحت کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ تم

ہندوستان اور چین ضرور جاؤ گے انشاء اللہ تعالیٰ اور جب تم زیارت کرو میرے بھائی فرید الدّین کی ہند میں اور رکن الدین زکرّیا کی سندھ اور بھائی برہان الدّین کی چین میں تو انہیں میرا سلام پہنچانا۔

اوصاف حمیدہ ہی کے باعث رکن عالم کا لقب ملا

حضرت قطب الاقطاب کے اعلیٰ اخلاق وآداب اور ان کے اوصاف حمیدہ اور ان کے چہرے سے ہویدا سعادت مندی کے آثار کو دیکھ کر خواجہ شمس الدین سبزواریؒ نے انہیں ’’رکن عالم‘‘ کا لقب عطا فرمایا۔ صاحب مراۃ الاسرار کا بیان ہے کہ خورد سالی میں خواجہ شمس الدین تبریزی نے آپ کو رکن الدین رکن عالمؒ کا لقب عطا فرمایا تھا اسی دن سے آپ رکن عالم مشہور ہیں۔ [1]۔ سید صباح الدین عبد الرحمن لکھتے ہیں کہ خرد

[1] ۔ ان تفصیلات کو قلمبند کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس زہریلے پراپیگنڈے کا جواب دیا جائے جو متعصب تنگ نظر اسلام دشمن اور بددیانت مؤرخین اسلام اور محمود غزنوی کے خلاف صدیوں سے کرتے چلے آرہے ہیں اور تاریخی حقائق وشواہد کو مسخ کرکے۔ یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے چلے آئے ہیں کہ محمود اسلام کے لئے ہندوستان پر حملے کرتا تھا۔ کسی مؤرخ نے لکھا کہ محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حالانکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ محمود نے اسلام کے نام پر کوئی جنگ نہیں لڑی۔ اس کے برعکس اس کے حریف ہندوراجاؤں نے ہندودھرم کے نام پر اور اسلام کے خلاف متحدہ محاذ قائم کئے اور محمود غزنوی کے خلاف جنگیں لڑیں جبکہ محمود نے کسی ہمسایہ مسلم ریاست سے کبھی کسی نوع کی امداد واعانت حاصل نہیں کی اور پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ جنگوں کے اس سلسلے کا آغاز بھی ہندوراجاؤں کی جانب سے ہوا۔ جس کے جواب میں غزنوی سلاطین کو اپنے دفاع کے لئے جنگیں لڑنی پڑیں اور حملے بھی کرنے پڑے۔ برعظیم پر اٹھارہ مرتبہ حملہ آور ہوا۔ کوئی مؤرخ نیک نیتی سے یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتا کہ محمود غزنوی کو اتنے حملے کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ نیز یہ کہ ان حملوں اور جنگوں کے اصل اسباب ومحرکات کیا تھے؟حالانکہ وہ بھی ہندوراجاؤں کی مثال سامنے رکھ کر اپنے مذہب کے نام پر ہمعصر مسلمان حکمرانوں سے جنگی امداد طلب کر سکتا تھا۔ لیکن وہ ان جنگوں کو عام نوعیت کی جنگیں سمجھ کر ہی لڑتا رہا۔ محمود غزنوی کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ مقامی ہندوراجاؤں کے کن

سال میں ان کے ادب سے متاثر ہو کر حضرت شمس الدین تبریزی نے ان کو ’’رکن الدین عالم‘‘ کا خطاب دیا۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ اپنے ان ناپاک عزائم اور مکروہ مقاصد کی تکمیل کے لئے وہ ہر قسم کی گھٹیا حرکات اور ہر نوع کی سازشیں کرتے تھے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ انہوں نے ہر وہ کام کیا جس سے غزنوی سلاطین مصیبت وپریشانی کے گردابوں میں پھنس کر رہ جائیں اور غزنی ان کے لئے نوالہ تربن جائے ۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ انہوں نے اسلام دشمن طاقتوں کی ہمیشہ اس لئے پشت پناہی کی تاکہ اسلام دشمن طاقتیں سلطنت غزنی کی اینٹ سے اینٹ بجادیں۔

قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ اور اردو زبان

حضرت قطب الاقطاب عربی اور فارسی زبانوں کے ماہر تھے۔ لیکن وہ مقامی زبان سندھی سے بھی آشنا تھے۔ جس کا ثبوت متعدد واقعات سے ملتا ہے سندھ کے تبلیغی دوروں میں وہ مقامی باشندوں سے سندھی زبان میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اردو زبان نے ملتان میں مشائخ سہرورد کی سرپرستی میں ہی جنم لیا۔

جب دہلی دارالسلطنت بنا تو اس دور کے پورے اسلامی ہندوستان کے طول وعرض میں فارسی کا ڈنکا بجنے لگا۔ اور یہاں کے مسلم اور غیر مسلم دونوں تعلیم یافتہ طبقوں نے فارسی زبان کو ذریعہ اظہار بنالیا۔ اس طرح فارسی زبان کا برعظیم میں زور شور کے ساتھ آغاز ہوا اور یہاں کے اہل علم وفضل نے اس

اقدامات اور ان کی کس حکمت عملی نے اسے ہندوستان پر لشکر کشی کرنے کے لئے آمادہ کیا؟ اور ان جنگوں اور حملوں کے پس پردہ کون کونسے عناصر وعوامل کار فرما تھے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ راجا جے بال اور اس کا بیٹا راجا انند بال سلطنت غزنی کو ہڑپ کر لینا چاہتے تھے؟۔ کیا یہی حقیقت نہیں کہ ان ناپاک عزائم اور مکروہ مقاصد کیلئے وہ ہر قسم کی گھٹیا حرکات اور ہر نوع کی سازشیں کرتے تھے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ انہوں نے ہر وہ کام کیا جس سے غزنوی، سلاطین مصیبت وپریشانی کے گردابوں میں پھنس کر رہ جائیں اور غزنی ان کے لئے نوالہ تر بن جائے۔

خوبصورت زبان کو اپنی ذہنی وفکری صلاحیتوں کے اظہار اور تخلیقی قوتوں کی جولان گاہ قرار دے دیا۔

تاریخ کے اس دور میں بہت سے نامور شعراء ہندوستان میں وارد ہوئے اور یہاں پر برسوں قیام پذیر رہے۔ اس دور میں ہندوستان آنے والے شعرائے کرام میں شیخ فخر الدین عراؔقی، امیر حسینی ساداتؒ اور مولانا عبدالرحمن جامیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ تاریخ کے اسی دور میں امیر خسرو اور حسن سنجری جیسے عظیم المرتبت شاعر ہندوستان میں موجود تھے۔ ان کے بعد مغلیہ دور میں بہت سے مشہور ومعروف شاعر ہندوستان میں وارد ہوئے اور انہوں نے دہلی میں قیام کیا جن میں نظیری نیشاپوری، ملک الشعراء صائب تبریزی اور عرفی طالب املی جیسے صاحب کمال شاعر شامل ہیں۔ اس طرح مسعود سعد سلمانؒ اور ابوالفرج روّنی سے لے کر بیدل اور غنی کاشمیری تک مولانا عصامیؒ اور مولانا جمالؒ سے لے کر اور امیر خسرو اور حسن سجزی سے لے کر مولانا گرامی اور علامہ اقبال تک ایک ہزار سالہ دور پر نگاہ دوڑائی جائے تو ہمیں فارسی زبان میں شعر کہنے والوں کی صفیں نظر آتی ہیں۔

شہنشاہ اکبر اپنے تمام تر شاہی دبدبہ وجلال کے باوجود کبھی دین الٰہی رائج کرنے کی جرات نہیں کرسکتا تھا اور علاء الدین خلجی اور محمد بن تغلق جیسے سلاطین پیغمبری کا دعویٰ کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اگر ان کے شاہی حرم اور دربار کی بنیادیں غیر اسلامی اقدار وروایات پر استوار نہ ہوتی اور انہیں خود غرض اور جاہ پرست علماء کی تائید وحمایت حاصل نہ ہوتی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کے اکثر وبیشتر مسلمان حکمران کشور کشائی، ملک گیری اور جہانداری وجہانبانی میں اپنی مثال آپ تھے۔ اگر ان کی شان وشوکت اور ان کی حیرت انگیز فتوحات اور ان کے شاندار جنگی کارناموں کا جائزہ لیا جائے تو مشرق ومغرب کے تمام جدید وقدیم غیر مسلم حکمرانوں

کے درباروں کی شان وشوکت اور ان کی اہم سے اہم جنگی کامیابیاں ہیچ دکھائی دیتی ہیں اگر ان کی علم دوستی، رواداری، فیاضی، فنون لطیفہ اور رفاہ عامہ کے کاموں میں ان کی گہری دلچسپی اور ان کی انتظامی ومعاشی اصلاحات پر نگاہ ڈالی جائے تو دمشق واندلس کے اموی اور بغداد کے عباسی خلفاء کے سوا دنیا کے ہر حکمران کی خصوصیات، خدمات اور رفاہی کارنامے بے وقعت اور حقیر معلوم ہوتے ہیں۔

لیکن یہ امر انتہائی دلخراش وجگرپاش ہے کہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں نے اپنی تمام تر خصوصیات، بے پناہ ذرائع وسائل اور دبدبہ وجلال رکھنے کے باوجود برعظیم میں نہ تو اسلامی حکومت قائم کرنے کی سعی وکوشش کی اور نہ اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اسلامی افکار واقدار کے وسعت وفروغ دینے میں کوئی خاص دلچسپی لی۔ مسلمان حکمرانوں کی اس مجرمانہ غفلت کے انتہائی تلخ، تکلیف دہ اور مضر اثرات ونتائج مرتب ہوئے۔ اور ان کی اس لغزش اور کوتاہی کے باعث اسلامیان برعظیم کا مستقبل اور تاریخ آخری حدوں تک متاثر ہوئی۔

سلطان فیروز شاہ تغلق ہندوستان کا پہلا مسلمان حکمران تھا جس نے اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے ایک الگ محکمہ تشکیل دیا اور اس کے بعد آنے والے مسلمان حکمرانوں میں سلطان سکندر لودھی اور کشمیر کے ایک مسلمان حکمران نے اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے میں قابل قدر سرگرمئی عمل کا مظاہرہ کیا لیکن ان حکمرانوں نے تبلیغ اسلام کے باب میں جو خدمات انجام دیں ان کے کوئی مثبت اور مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ ان تین مسلمان فرمانرواؤں کے علاوہ کسی اور مسلمان فرمانروا نے اسلام کی تبلیغ واشاعت کی خاطر کوئی قابل ذکر کام نہیں کیا۔ بلکہ ہرمسلمان حکمران نے وہی حکمت عملی اختیار کی جو اس کے شخصی اقتدار اور خاندانی سلطنت کو قائم وبرقرار رکھنے کے لئے ضروری تھی جس کے نتیجے میں اسلام کی تبلیغ واشاعت اور مسلمانوں کی اخلاقی

وروحانی اصلاح وتربیت کا تمام تر بوجھ صوفیائے کرام کے کندھوں پر آن پڑا۔

تین عظیم المرتبت روحانی شخصیات

دنیائے تصوف کی دو عظیم المرتبت روحانی شخصیات یعنی غوث العلمین حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اور قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مابین ہونے کے باعث سلطان العارفین حضرت شیخ صدر الدین عارؒف کی شخصیت اور ان کے تبلیغی اور اصلاحی کارنامے زیادہ نمایاں نہیں ہو سکے۔ اور یہ ایک قدرتی امر تھا۔ قانون فطرت ہے کہ تاریکی جس قدر زیادہ ہوگی چراغ اسی قدر زیادہ روشن دکھائی دے گا۔ شیخ الاسلام صدر الدین عارفؒ کے آگے اور پیچھے یعنی ان سے پہلے اور ان کے بعد تاریکی نام کی کوئی شے موجود نہیں تھی۔ بلکہ ان کے والد بزرگوار اور فرزند ارجمند کی صورت میں دو ایسے آفتاب جلوہ گر تھے جن کی ضیاء باریوں اور نورپاشیوں سے ایک عالم روشن تھا۔ شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اگر سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے برعظیم میں شیخ الکل اور یہاں کے منظم ومؤثر تبلیغی نظام کے بانی ومؤسس تھے تو قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ برعظیم میں سلسلہ عالیہ سہروردیہ کا نقطہ معراج تھے۔ اور ان دو عظیم المرتبت روحانی شخصیت کی درمیانی کڑی شیخ الاسلام حضرت صدر الدین عارفؒ تھے۔

شیخ صدر الدین عارف η کا مرتبہ ومقام

اقلیم روحانیت کی دو انتہائی محترم ومقدس ہستیوں کے درمیانی دور میں مسند ارشاد پر رونق افروز ہونے والی یہ شخصیت یعنی شیخ صدر الدین عارؒف کی ذات اقدس بھی کوئی کم اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ بلکہ کئی لحاظ سے حضرت شیخ صدر الدین عارؒف کو منفرد وممتاز مقام حاصل ہے۔ ان کا کیا یہ کم بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانہ سجادگی میں سلسلہ عالیہ سہروردیہ کی روحانی عظمتوں اور اپنے خانوادے کی اعلیٰ وارفع اقدار وروایات کو قائم وبرقرار رکھا۔ اور شیخ الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا ملتاؒنی نے اسلام کی تبلیغ واشاعت اور بندگان خدا کی اخلاقی وروحانی اصلاح وتربیت کا جوشاندار اور

ایمان افروز سلسلہ شروع کیا تھا۔ شیخ صدرالدین عارفؒ نے اس سلسلے کو پورے جذبہ وجوش، حزم احتیاط اور عزم واستقلال کے ساتھ جاری رکھا۔ شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے اسلامی تعلیمات کے جن چراغوں کو روشن کیا تھا۔ حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ کے دور سجادگی میں مغلوں کو شکست دی اور بالآخر مغلوں ہی کے خلاف لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا اور شہزادہ محمد شہید کے نام سے مشہور ہوئے۔ اسی طرح سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے بھی منگولوں کو متعدد بار ذلت آمیز شکست سے دو چار کیا۔

ایک بڑے معرکے میں منگول سردار الغوخان نے جلال الدین خلجی کے ہاتھوں شکست کھائی اور اپنے تین ہزار ساتھیوں سمیت اسلام قبول کیا ان نو مسلم مغلوں کو دہلی کے مضافات میں آباد کیا گیا۔ اس محلے کا نام اب بھی مغلپورہ ہے۔
علاء الدین خلجی تخت نشین ہوا ہی تھا کہ ۶۹۶ھ میں مغلوں نے ہندوستان پر زبردست یلغار کی لیکن علاء الدین خلجی کے اُمراء الغ خان اور ظفر خان نے جالندھر کے قریب انہیں شکست دے کر تتربتر کردیا۔ حملہ آور مغل کثیر تعداد میں گرفتار ہوئے اور مارے گئے ان کے سر دہلی لائے گئے۔

غیاث الدین بلبن اور مغلوں کے حملے

مغلوں کے حملے سلطان بلبن کے عہد میں بھی جاری رہے۔ چنانچہ ان کی سرکوبی کے لئے بلبن نے اپنے چھتے بیٹے اور ولی عہد شہزادہ محمد کو ملتان کا گورنر بنا کر بھیجا شہزادہ محمد نےحملہ آور مغلوں کا نہایت مستعدی اور کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ شہزادہ علمی اور مجلسی مشاغل میں انہماک رکھنے کے باوجود جب کبھی کسی مغل حملے کی خبر سنتا اسی وقت اور اسی حالت میں علم وادب کی بزم کو چھوڑ کر ضرب وحرب کی رزم میں پہنچ جاتا تھا۔ اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

ععع

باب (۳)

ماخذ

زیر مطالعہ کتاب ’’حیات وتعلیمات حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ‘‘ کی تصنیف وتالیف میں ہم عصر اہل مسلم جن میں مؤرخ، سیاح، شاعر اور بزرگان دین کے احوال اور ملفوظات کے مؤلف شامل ہیں کی کتب معتمدہ کے علاوہ قریب العہد مؤرخین، تذکرہ نویسوں، ناقدوں اور دانشوروں کی تحریروں سے استفادہ کیا گیا ہے جب کہ اسلامی تصوف کے فلسفہ وتاریخ اور اس کی انقلابی روایت کی افہام وتفہیم اور صوفیاء کرام کے افکار واقوال، احوال، طرز زیست اور ان کے اعلیٰ وارفع مقاصد کی تشریح وتوضیح کے لئے کتاب اللہ فقہ، حدیث، تفسیر اور تاریخ وتصوف کی اہم اور بنیادی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔

معاصر کتب تاریخ وتذکرہ میں قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ہمعصر اہل قلم نے حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کوبالکل نظر انداز کردیا ہے۔ دراصل حضرت قطب الاقطابؒ ایسی دلکش اور پراثر شخصیت کے حامل تھے کہ انہیں کسی طور نظر انداز کیا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ چنانچہ ان کے معاصر مؤرخین، تذکرہ نگاروں اور شعراء نے ان کے بارے میں ہر چند کہ بہت کم لکھا ہے لیکن جو کچھ بھی لکھا ہے اس سے ہمیں ان کے افکار شخصیت وکردار علمی کمالات، دینی وتبلیغی خدمات، کشف وکرامات، حلقہ اثر اور ان کے روحانی مرتبہ ومقام کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

سید امیر حسینی سادات، سلطان التارکین حمید الدین حاکم، مولانا عصامی، مولانا ضیاء الدین برنی، امیر خورد کرمانی، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی، احمد ایازخواجہ جہاں اور شہرہ آفاق سیاح ابن بطوطہ حضرت قطب الاقطابؒ کے ہمعصر اہل قلم ہیں۔ امیر حسینی سادات اور شیخ فخر الدین عراقی اور سلطان التارکین شیخ حمید الدین حاکمؒ مشائخ سہروردیہؒ کے اکابر خلفاء میں سے تھے جنہوں نے حضرت قطب الاقطابؒ اور ان کے آباء کرام شیخ

الشیوخ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانؒی اور سلطان العارفین شیخ صدر الدین عارفؒ کے حضور منظوم نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ جب کہ مولانا عصامی نے اپنے عہد کے حالات وواقعات کو نظم کرنے کے علاوہ حضرت قطب الاقطابؒ کی اہم خدمات کو بھی نظم کیا۔

ضیاء الدین برنی کی ''تاریخ فیروز شاہی'' امیر خورد کرمانی کی ''سیرالاولیاء'' اور ابن بطوطہ کا سفر نامہ، حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کے حالات زندگی کے تین اہم اور مستند معاصر ماخذ ہیں۔ علاوہ ازیں قاضی منہاج سراج، امیر خسرو، امیر حسن سنجری اور حضرت قطب الاقطابؒ کے شاگردوں اور خلفاء میں سے مخدوم جہانیاں جہانگشت اور علامہ فضل اللہ محمد بن ایوب مؤلف ''فتاویٰ صوفیہ'' کی تحریروں سے بھی حضرت قطب الاقطابؒ کے عہد کے حالات کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

قطب الاقطاب کی حیات و تعلیمات کے ابتدائی اور اصل ماخذ

حضرت قطب الاقطاب جیسی عظیم المرتبت شخصیت کو کسی طور نظر انداز کیا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ اور تذکرہ نگاروں نے انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت قطب الاقطاب کے ہمعصر اہل قلم نے ان کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا ہے اس سے ہمیں ان کی شخصیت، ان کے تبحر علمی، دینی وتبلیغی خدمات، کشف وکرامات، حلقہ اثر اورروحانی مرتبہ ومقام کا مکمل احساس ہو جاتا ہے۔ قطب الاقطاب حضرت شیخ رکن الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ اور ان کی ایمان افروز تعلیمات پر قلم اٹھانے سے پیشتر مناسب ہوگا کہ ان کی حیات وتعلیمات کے اصل، بنیادی اور ابتدائی ماخذوں کا ذکر کردیا جائے جن کی مدد سے اس کے ساتھ ہی حضرت قطب الاقطاب کے قریب العہد مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کے علاوہ بعد میں لکھے جانے والے مختلف تذکروں کے مندرجات پر بھی

روشنی ڈالی جائے گی جن میں حضرت قطب الاقطاب کے حالات زندگی اور ان کی تعلیمات کو موضوع گفتگو بنایا گیا ہے۔

اس مرحلے پر اس امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ معاصر اہل قلم کی کتب تاریخ وتذکرہ میں حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بہت کم معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ حضرت قطب الاقطاب کے ہمعصر مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے انہیں نظر انداز کردیا ہے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت قطب الاقطاب کے ہمعصر اہل قلم نے ان کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا ہے اس سے ان کی شخصیت تبحر علمی دینی وتبلیغی خدمات کشف وکرامات حلقہ اثر اور روحانی مرتبہ کا کامل احساس ہوتا ہے۔

بہرحال مشائخ چشت اور مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ کے ملفوظات اور فتاویٰ صوفیہ کے علاوہ نامور مؤرخ ضیاء الدین برنی کی ’’تاریخ فیروز شاہی‘‘ امیر خورد کرمانی کی تالیف ’’سیر الاولیاء‘‘ ابن بطوطہ کا سفر نامہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کی حیات وتعلیمات کے اصل، ابتدائی اور بنیادی ماخذ ہیں۔ جب کہ امیر حسینی سادات سلطان الناس حمید الدین حاکم اور مولانا عصامی ([1])نے حضرت قطب الاقطاب کے حضور منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ مولانا عصامی نے فتوح السلاطین میں اپنے عہد کے حالات وواقعات کو نظم کرنے کے علاوہ حضرت قطب الاقطاب کی خدمات کو بھی سراہا ہے اور انہیں اہل ملتان کا نجات دہندہ قرار دیا ہے۔ مؤرخ برنی نے اپنی ضخیم تصنیف میں (اردو ترجمہ) جو چھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے صرف آٹھ مرتبہ حضرت شاہ رکن عالؒم کا ذکر کیا ہے اور ان پر ایک ڈیڑھ صفحے سے زائد نہیں لکھا۔ البتہ امیرخورد کرمانی نے شیخ رکن الدینؒ اور حضرت محبوب الٰہیؒ کے مابین ملاقاتوں کا

---

[1] ۔ عصامی تغلق عہد کا نامور مؤرخ اور قادر الکلام شاعر ہے۔ اس کے آباء واجداد سلاطین دہلی کے دربار میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ عصامی نے فتوح السلاطین ’’تاریخ فیروز شاہی‘‘ سے آٹھ سال قبل لکھی تھی۔

جو تذکرہ کیا ہے وہ سات صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اسی طرح ابن بطوطہ نے بھی چند مرتبہ حصرت شاہ رکن عالم ملتآنی کا ذکر کیا ہے۔

نامور مؤرخ ضیاء الدین برنی، تذکرہ نگار امیر خورد کرمانی اور شہرہ آفاق سیاح ابن بطوطہ حضرت شاہ رکن عالم ملتآنی کی ہمعصر شخصیات ہیں۔ امیر حسینی سادات اور مولانا عصامی کا تعلق بھی حضرت شاہ رکن عالمؒ کے دور سے ہے۔ جب کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ اور ''فتاویٰ صوفیہ'' کے مؤلف علامہ فضل اللہ محمد بن ایوب حضرت قطب الاقطابؒ کے مریدان خاص میں سے ہیں۔ فتاویٰ صوفیہ میں حضرت قطب الاقطاب کا کثرت سے ذکر ملتا ہے۔ مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ کے ملفوظات اور علامہ فضل اللہ محمد بن ایوب کی نگارشات سے حضرت قطب الاقطاب کی حیات وتعلیمات کو جاننے میں مدد ملتی ہے۔

اور یہ دعویٰ بلاخوف تردید کیا جاسکتا ہے کہ ''تاریخ فیروز شاہی'' اور امیرخورد کرمانی کی ''سیرالاولیاء'' حضرت شاہ رکن عالم ملتانی کے دو بڑے اہم مستند اور معتبر معاصر ماخذ ہیں۔

ابن بطوطہ کا سفرنامہ

مشہور سیاح مؤرخ اور جغرافیہ دان ابن بطوطہ بھی امیرخورد کرمانی اور مولانا ضیاء الدین برنی کی طرح شیخ رکن الدین کے ہمعصر ہیں۔ وہ حضرت قطب الاقطاب کے زمانے میں ہندوستان میں وارد ہوئے۔ انہوں نے نہ صرف ملتان جا کر حضرت شاہ رکن عالؒم کی خدمت میں حاضری دی بلکہ ان کے اصحاب میں قیام بھی کیا۔ اس لحاظ سے ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں حضرت قطب االقطاب کے بارے میں جو بیانات دیئے ہیں وہ تاریخی اہمیت کے حامل ہیں ہندوستان میں وارد ہونے والے متعدد سیاحوں نے یہاں کے آثار واحوال اور رسم ورواج کے بارے میں اپنے سفر نامے قلمبند کئے ہیں لیکن ان سفرناموں میں ابن بطوطہ کے سفرنامے عجائب الاسفار کو پے

پناہ تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن بطوطہ کا سفر نامہ سب سے زیادہ وسیع، پر از معلومات اور وقیع ہے اور اسے ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم ماخذ تصور کیا جاتا ہے۔ ہم نے زیر مطالعہ تصنیف میں ابن بطوطہ کے سفرنامے کے تمام متعلقہ حوالے دیئے ہیں اور ان پر تاریخی حقائق وشواہد کی روشنی میں بحث کرکے ان کی چھان پھٹک بھی کی ہے۔

مخدوم جہانیاں جہانگشت رحمۃ اللہ علیہ کی مرآۃ المناقب

حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ حضرت قطب الاقطابؒ کے شاگرد خاص اور خلیفہ اعظم ہیں۔ انہوں نے ملتان میں حضرت قطب الاقطابؒ کی خدمت میں حاضر رہ کر مختلف علوم سیکھے۔ حضرت قطب الاقطابؒ کی حیات وتعلیمات کے بارے میں مخدوم جہانیاں جہانگشت کے ملفوظات اور ان کی تحریریں بھی سند کا درجہ رکھتی ہیں۔

قاضی منہاج سراج کی طبقات ناصری

قاضی مہاج سراج کی تالیف ''طبقات ناصری'' جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے سلطان ناصر الدین محمود کے عہد تک کے حالات تک محدود ہے۔ حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کی ولادت سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں ہوئی۔ اس لئے ظاہر ہے کہ طبقات ناصری میں حضرت قطب الاقطاب کے احوال شامل نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن اس اہم کتاب سے ہمیں حضرت قطب الاقطاب کے عہد کے تہذیبی وثقافتی پس منظر اور اس دور کی اخلاقی اقدار وروایات اور سلاطین دہلی کے مذہبی رحجانات کا پتہ چلتا ہے اس لحاظ سے طبقات ناصری کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

قطب الاقطاب کے قریب العہد تذکرہ نگار

قطب الاقطاب شیخ رکن الدینؒ کے ہمعصر مؤرخین تذکرہ نگاروں اور دانشوروں کے علاوہ سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ (متوفی ۸۷۱ھ/۱۴۶۶ء) مولانا شیخ فضل اللہ جمالیؒ (متوفی ۹۴۲ھ/۱۵۳۶ء) اور ان کے ہمعصر بزرگ حضرت مولانا عبد الرحمن جامیؒ حضرت قطب الاقطابؒ کے قریب العہد تذکرہ نگار

ہیں اور ان بزرگان دین نے اپنی کتب تذکرہ میں حضرت قطب الاقطاب کے حالات زندگی قلمبند کئے ہیں۔ چنانچہ سید اشرف جہانگیر سمنانؒی نے اپنی تالیف ''لطائف اشرفی'' مولانا جمالی نے اپنے تذکرے ''سیرالعارفین'' اور مولانا جامیؒ نے اپنی یادگار کتاب ''نفحات الانس'' میں حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کے حالات وکوائف پر روشنی ڈالی ہے۔ لیکن مناسب ہوگا کہ پہلے حضرت قطب الاقطاب کی حیات وتعلیمات کے ابتدائی اور بنیادی ماخذوں یعنی ''سیر الاولیاء'' ''تاریخ فیروز شاہی'' جیسی اہم مستند اور قابل قدر کتب تاریخ وتذکرہ کا قارئین سے تعارف کروایا جائے تاکہ انہیں ان کتابوں کے مندرجات کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔ معاصرین کی یہی وہ دو اہم اور بنیادی کتابیں ہیں جو حضرت شاہ رکن عالؒم کی حیات وتعلیمات اور ان کے عہد پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اور ہم نے ان کتب معتمدہ سے بہت استفادہ کیا ہے۔

سیر الاولیاء کا تعارف

سیر الاولیاء سید محمد مبارک علوی کرمانی المعروف بہ امیر خورد کرمانی کی تالیف ہے۔ جن کے خاندان نے اپنے زمانے کی عظیم المرتبت روحانی شخصیات سے کسب نور کیا تھا۔ امیر خورد کرمانی کے نانا، دادا، والد اور چچا ، شیخ الشیوخ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے قرب خاص رکھتے تھے ۔ اور ان کے حلقہ بیعت میں شامل تھے۔ خود امیر خورد کرمانی حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ سے منسلک رہے اس لئے وہ اکثر واقعات کے چشم دید گواہ ہیں۔ جب بہت سی روایات انہوں نے اپنے بزرگوں سے سنیں جو ان واقعات کے چشم دید گواہ تھے اور متقی وپرہیزگار اور سچے مسلمان ہونے کے باعث ثقہ راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ سیر الاولیاء کو نہایت مستند، مفید اور معلومات افزا کتاب سمجھا جاتا ہے اور بعد کے مؤرخین تذکرہ نگاروں اور اہل قلم نے اس کتاب سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور بہت سا مواد حاصل کیا ہے۔

سیر الاولیاء کا سن تالیف

سیرالاولیاء ۷۶۱ھ/۱۳۶۰ء اور ۷۷۰ھ/۱۳۶۹ء کے درمیان تالیف ہوئی۔ اسے مشائخ چشت کے ملفوظات کے بعد برعظیم پاک وہند کے بزرگان دین کے حالات زندگی پر مشتمل اولین تذکرہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ سیر الاولیاء کے بعد صوفیائے کرام کے جو تذکرے لکھے گئے وہ ایک ہی سلسلہ طریقت کے بزرگان دین کے بارے میں تھے۔ اس کی ایک بڑی وجہ غالباً یہ تھی کہ ان تذکرہ نگاروں کے پیش نظر ’’سیر الاولیاء‘‘ تھی جو مشائخ چشت کے حالات زندگی پر مشتمل ہے لیکن اس میں کہیں کہیں دیگر روحانی سلاسل کے بزرگان دین کا ذکر بھی آگیا۔ مثلاً مشائخ سہرورد بالخصوص حضرت شاہ رکن عالَم کا تذکرہ بھی اس میں حضرت محبوب الٰہیؒ سے ملاقاتوں کے باب میں کیا گیا ہے جس سے حضرت شاہ رکن عالمؒ کے دہلی کے دوروں کے علاوہ ان کی پرکشش روحانی شخصیت اور ان کے علمی مرتبہ ومقام پر روشنی پڑتی ہے۔

’’سیر الاولیاء‘‘ کو مولانا اعجاز الحق قدوسی نے فارسی سے اردو زبان میں منتقل کیا ہے۔ مولانا موصوف ’’سیر الاولیاء‘‘ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ وہ کتاب ہے جس نے اس دور کی روحانی تاریخ کو اپنے قلم وقرطاس کی زینت بنا کر معاشرے کو ایک نیا پیغام دیا۔ جس نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ بالخصوص حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ اور ان کے عظیم المرتبت خلفاء کے حالات، واقعات اور تعلیمات کو عام کرکے، جن تک رسائی اس کی تصنیف ’’سیر الاولیاء‘‘ کے بغیر ممکن نہ تھی، ایک نئی روحانی صبح طلوع کی، وہ محمد بن مبارک معروف بہ امیر خورد ہے جس کی شہرہ آفاق تصنیف گلشن تاریخ وتذکرہ میں ایک ممتاز اور منفرد حیثیت رکھتی ہے۔[1]

مولانا اعجاز الحق قدوسی کے ان تعارفی کلمات سے ’’سیر الاولیاء‘‘ کی تاریخی اور روحانی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا

---

[1] ۔ سیر الاولیاء ص ۴۶ مرکزی اردو بورڈ لاہور۔

جاسکتا ہے اور یہ بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ سیر الاولیاء ایک انتہائی دلچسپ، معلومات افزاء اور سبق آموز کتاب ہے اور اس میں بزرگان دین کے ایسے ایمان افروز اور جرات آموز حالات وواقعات بیان کئے گئے ہیں جن کے مطالعے سے عصر حاضر کے عوام وخواص بالخصوص ارباب بست وکشاد بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں اور اس عظیم کتاب کے مندرجات سے روشنی حاصل کرکے معاشرے میں انقلابی اور بنیادی تبدیلیاں لاسکتے ہیں۔

شمس براج عفیف (بعد کے مؤرخ)

ضیاء الدین برنی کے بعد شمس براج عفیف نے بھی ''تاریخ فیروز شاہی'' لکھی۔ اس میں اول سے آخر تک فیروز شاہی کے حالات لکھے ہیں۔ فیروز شاہ کو تاریخ سے بہت دلچسپی تھی اور وہ کسی نہ کسی طریقے سے واقعات کی یادگار کو قائم کرنا چاہتا تھا۔ اسی غرض سے اس نے اپنے کارناموں کو دہلی کی جامع مسجد پر کھدوا دیا۔ جسے بعد میں کتاب کی صورت میں لکھ لیا گیا ۔ اسی کو فتوحات فیروز شاہی کہتے ہیں۔

تاریخ مبارک شاہی

ایک اور مشہور کتاب تاریخ مبارک شاہی ہے۔ جسے سلطان محمد بن تغلق کی وفات کے اسی (۸۰) برس بعد سلطان مبارک شاہ کے عہد میں یحییٰ بن احمد نے لکھا۔ تاریخ مبارک شاہی سے بھی سلطان محمد کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

تین چار مشہور مؤرخ سولہویں اور سترہویں صدی میں ہوئے۔ ایک محمد قاسم ہندوشاہ استر آبادی جو فرشتہ کے لقب سے مشہور ہے۔ دوسرے ملاعبدالقادر بدایونی جس نے شہنشاہ اکبر کے زمانے میں اپنی مشہور کتاب منتخب التواریخ لکھی۔ تیسرے نظام الدین احمد بخشی جس نے اسی زمانے میں طبقات اکبری لکھی۔ مگر ان سب نے ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروزشاہی کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔ ان تینوں مؤرخوں کے پاس عموماً اور محمد قاسم فرشتہ اور نظام الدین احمد بخشی کے پاس خصوصاً چند ایسی کتابیں بھی موجود تھیں جو

اب ناپید ہیں مثلاً تاریخ یمنی، تغلق نامہ، تاریخ بہادر شاہی اور تاریخ فتوح السلاطین۔ اس سبب سے ہماری نگاہوں میں سولہویں اور سترہویں صدی کے ان مؤرخین کی بڑی وقعت ہے۔

تاریخ فیروز شاہی کا تعارف

ضیاء الدین برنی کی یادگار تصنیف ''تاریخ فیروزشاہی'' کو اس کی گوناگوں خصوصیات کی بناء پر ہمارے تاریخی ادب میں منفرد مقام اور نمایاں حیثیت حاصل ہے اس کا شمار اسلامی ہند کی اہم ترین تصنیفات میں ہوتا ہے۔

تاریخ فیروزشاہی سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد یعنی ۶۶۴ھ/۱۲۶۶ء سے لے کر فیروز شاہ تغلق کے ابتدائی دور یعنی ۷۵۹ھ/۱۳۵۸ء تک کے حالات پر مشتمل ہے اور اس اہم دور کے مستند ترین اور معاصر ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے اس دور کے حالات کو جاننے کے لئے ہر مؤرخ اور تذکرہ نگار کو اس اہم اور قابل قدر تصنیف کا مطالعہ کرنا ضروری ہی نہیں بلکہ ناگزیر ہے۔

تاریخ فیروز شاہی کے مصنف ضیاء الدین کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ دنیا کا پہلا شخص ہے جس نے تاریخ نویسی کے روایتی انداز سے ہٹ کر کام کیا اور واقعات نگاری کے محدود وائیروں سے باہر نکل کر حیات انسانی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی اور زندگی کے اہم اُمور ومسائل کو پہلی بار اوراق تاریخ میں شامل کیا۔ وہ دنیا کا پہلا مؤرخ ہے جس نے تاریخ کے قدیم تصور کو وسعت وگہرائی عطا کی اور افراد انسانی کی اجتماعی زندگی اور اس کے عمرانی پہلوؤں پر قلم اٹھایا۔ یہ بلاشبہ ایک عظیم کارنامہ تھا جس سے ضیاء الدین برنی کی وسعت نظری، مضبوط قوت مشاہدہ ووسعت مطالعہ، تبحر علمی اور اس کی جدت طرازی کا ثبوت ملتا ہے۔ ضیاء الدین برنی نے یہ تاریخی کارنامہ ابن خلدون کی شہرۂ آفاق تصنیف ''مقدمہ'' کے مکمل ہونے سے بیس برس پیشتر انجام دیا۔ اس لحاظ سے برنی کو ابن خلدون پر فضیلت وبرتری حاصل ہے۔ تاریخ فیروزشاہی ۷۵۹ھ/۱۳۵۸ء سے پہلے کسی سن میں مکمل ہوئی۔

اس لئے کہ ۱۳۸۵ء کے لگ بھگ برنی کا انتقال ہوا۔ جبکہ مقدمہ ابن خلدون ۷۸۰ھ/۱۳۷۸ء میں پائیہ تکمیل کو پہنچا۔

ضیاء الدین برنی تاریخ کے بارے میں اپنا ایک خاص نظریہ رکھتا تھا۔ وہ علم تاریخ کو بہت اہمیت دیتا تھا۔ اس کے نزدیک دینی علوم یعنی فقہ، حدیث، تفسیر اور تصوف کے بعد سب سے زیادہ مفید اور سود مند تاریخ کا علم ہے۔ وہ صرف حکمرانوں اور اُمراء کے قصے ہی بیان نہیں کرتا۔ بلکہ عوام کے حالات اور مسائل پر بھی سیر حاصل بحث کرتا ہے اور سلاطین کی بدعنوانیوں، سیاہ کاریوں اور ان کے مظالم کو ضبط تحریر میں لانے کے کے علاوہ حکومت کے نظم ونسق پر بھی رائے زنی کرتا ہے۔ اور بادشاہوں کے خلاف عوامی رد عمل کو بھی بیان کرتا ہے۔

برنی تاریخ کو ایک ایسا وسیع موضوع قرار دیتا ہے جو صرف سلاطین کے حالات پر ہی بلکہ انبیائے کرام، خلفاء اور بزرگان دین ودولت کے آثار واحوال پر مشتمل ہے۔ برنی نے تاریخ نگاری کی خصوصیات گنوانے کے علاوہ اس کی شرائط بھی بیان کی ہیں۔ اس کے نزدیک مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ راست باز، دین دار، صداقت شعار اور راست نگار ہو۔ وہ لکھتا ہے کہ اگر کوئی مؤرخ کسی حکمران یا کسی شخص کی خوبیوں اور اس کے کمالات کی تعریف کرتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی کمزوریوں اور عیبوں کو بھی بیان کرے۔ نیز یہ کہ مؤرخ کے لئے لازمی ہے کہ وہ خوشامدی اور جھوٹی تعریف کرنے والوں اور ایسے شاعروں کے طور طریقوں سے احتراز کرے جو دروغ گوئی اور مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں کیونکہ حرص وطمع کی وجہ سے یہ لوگ خرمہرہ کو لعل ویاقوت اور سنگ ریزوں کو جواہر کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ ان کی عمدہ عمدہ تحریریں، جھوٹ کے

پلندے ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن ایسے مصنف سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ [1]

تاریخ فیروز شاہی میں گو حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کے حالات زندگی تو مرقوم نہیں ہیں اور نہ ان کے بارے میں تفصیلات دی گئی ہیں۔ البتہ برنی نے حضرت قطب الاقطاب کے بارے میں بعض ایسے اشارے ضرور دیئے ہیں۔ جن سے ان کی حیات وتعلیمات کے نقوش واضح ہوتے ہیں اور ان کی سیرت، کردار اور روحانی ومعاشرتی مرتبہ ومقام نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس ضمن میں سب سے اہم بات ہے کہ ''تاریخ فیروز شاہی'' میں شیخ رکن الدینؒ کے پورے عہد کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات بالتفصیل درج ہیں اور ان کی ہمعصر روحانی شخصیات کے تذکرے کے علاوہ ان کے دور کے علماء، فضلاء، شعراء اُمراء اور تمام مشاہیر کے احوال بھی بیان کئے گئے ہیں اس لئے اس اہم کتاب سے شیخ رکن الدینؒ کے عہد اور ان کی ہمعصر شخصیات کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ چنانچہ ہم نے زیر مطالعہ کتاب تصنیف کرتے وقت تاریخ فیروز شاہی سے بہت استفادہ کیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ تاریخ فیروز شاہی ایک ایسی اہم کتاب ہے کہ اس کے مطالعے کے حوالے کے بغیر حضرت شاہ رکن عالمؒ یا ان کے عہد کی کسی بھی شخصیت کے بارے میں کوئی کتاب لکھی ہی نہیں جاسکتی۔

حضرت قطب الاقطاب کے دیگر تذکرہ نگار

معاصر مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کے علاوہ حضرت شاہ رکن عالمؒ کے بعد آنے والے جن مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے ان کی حیات وتعلیمات پر قلم اٹھایا۔ ان میں سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ، مولانا حامدبن فضل اللہ جمالیؒ، مولانا عبدالرحمن جامیؒ اور پھر ان کے بعد کے اہل قلم اور دانشور یعنی محمد قاسم فرشتہ اور مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے اپنی تالیف لطائف اشرفی،

---

[1] ۔ تاریخ فیرو زشاہی ص ۱۶۔۱۵۔

مولانا جمال نے سیر العارفین، مولانا عبد الرحمن جامیؒ نے نفحات الانس محمد قاسم نے تاریخ فرشتہ اور مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں حضرت شاہ رکن عالم ملتآنی کے حالات زندگی کو قلمبند کیا ہے۔ ان تمام کتابوں میں مولانا جمالی کی ''سیر العارفین'' کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ اس یادگار کتاب کے مؤلف مولانا جمالیؒ نہ صرف یہ کہ حصرت شاہ رکن عالمؒ کے قریب العہد تذکرہ نگار ہیں بلکہ انہوں نے حضرت شاہ رکن عالم ملتآنی اور ان کے والد گرامی شیخ صدر الدین عارفؒ اور شیخ الکبیر حضرت بہاء الدین زکریا ملتآنی کے احوال وآثار کے علاوہ حضرت شاہ رکن عالمؒ کے خلیفہ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ اور سلسلہ سہروردیہ کی ایک اور معروف وممتاز شخصیت حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے حالات قدرے تفصیل سے لکھے ہیں۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ مولانا جمالی کی تالیف ''سیر العارفین'' کا بھی تعارف کرادیا جائے۔

سیر العارفین کا تعارف

مولانا حامد بن فضل اللہ جمالی دہلوی (متوفی ۹۴۲ھ/۱۵۳۶ء) کی سیر العارفین چشتی بزرگان دین اور مشائخ سہرورد کا انتہائی مربوط اور جامع تذکرہ ہے۔ جس میں برعظیم کے ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے تمام اکابر مشائخ کے حالات زندگی ملتے ہیں۔ مولانا جمالی اپنے دور کے نامور شاعر، ادیب، سیاح اور صوفی تھے۔ وہ مشائخ کرام کے معتقد ومعتمد اور اُمراء اور سلاطین کے جلیس وندیم رہے۔ انہوں نے مراۃ المعانی اور مہر وماہ جیسی بلند پایہ مثنویاں لکھیں۔ سیر العارفین ان کی یادگار تصنیف ہے جس میں عہد سلاطین کے چھ مشائخ چشت اور سات مشائخ سہرورد کے حالات زندگی کو نہایت احتیاط، مہارت اور محنت وجانفشانی سے قلمبند کیا گیا ہے۔ بہت سے دوسرے اکابر مشائخ اور صوفیائے کرام کے حالات وواقعات بھی اس تذکرے میں ملتے ہیں۔

سیر العارفین کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پاکستان میں شامل ہونے والے علاقوں کے اکابر مشائخ یعنی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانؒی، شیخ الشیوخ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ، شیخ صدر الدین عارفؒ، شیخ جلال الدین تبریزیؒ ([1]) حضرت شاہ رکن عالم ملتانی، مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ شیخ نجیب الدین متوکلؒ اور شیخ سماء الدینؒ کے علاوہ ان علاقوں کے اور بہت سے صوفیائے کرام کی اصلاحی وتبلیغی سرگرمیوں اور ان کی دینی خدمات کے بارے میں اہم تفصیلات ملتی ہیں۔ گویا کہ ''سیرالعارفین'' عہد سلاطین کی علمی، روحانی اور ثقافتی تاریخ ہونے کے علاوہ اسلامی ہند کے اس اہم دور کے بزرگان دین کی تبلیغی جدوجہد اور ان کے روحانی کمالات اور فیوض وبرکات کا ایک خوبصورت مرقع بھی ہے۔ سیرالعارفین ۹۳۸ھ/۱۵۳۱ء اور ۹۴۱ھ/۱۵۳۵ء کے درمیان لکھی گئی ۔

برعظیم میں عمومی تذکرہ نویسی کا آغاز

امیرخورد کرمانی کا تذکرہ ''سیرالاولیاء'' برعظیم کے صوفیاء کے حالات زندگی پر اولین تذکرہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس مستند ومعتبر اور قابل قدر تذکرے کے بعد صوفیائے کرام کے جو تذکرے قلمبند کئے گئے وہ ایک ہی سلسلہ طریقت کے بزرگان کی حیات تعلیمات پر مشتمل تھے۔ سید اشرف جہانگیر سمنانؒی (متوفی ۸۷۱ھ/۱۴۶۶ء) پہلے تذکرہ نگار ہیں۔ جنہوں نے لطائف اشرفی میں اپنے دور کے تمام روحانی سلاسل کے اکابر مشائخ کے احوال رقم کئے۔ چنانچہ لطائف اشرفی سے برعظیم میں عمومی تذکرہ نویسی کا آغاز ہوا۔ اور اس کے بعد مولانا جمالی دہلویؒ (متوفی ۹۴۲ھ/۱۵۳۶ء) کی سیر العارفین اور مولانا عبد الحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ) کی اخبار الاخیار ایسی اہم اور قابل قدر کتب تذکرہ منظر عام پر آئیں جنہیں فن تذکرہ نویسی کی بہترین اور معیاری کتب قراردیا جاسکتا ہے۔

ایک تلخ اور تکلیف دہ امر

[1] ۔ شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے بنگال میں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کیا جو پاکستان میں شامل ہوا۔

یہ ایک انتہائی تلخ اور تکلیف دہ امر ہے کہ مولانا جمالی اور مولانا عبد الحق محدث دہلویؒ کے بعد آنے والے اہل قلم تذکرہ نویسی کے اس بلند معیار اور تصنیف وتالیف کی ان اعلیٰ روایات کو برقرار نہیں رکھ سکے جو ان کے پیش رو بزرگان نے بڑی کدوکاوش اور محنت وجانفشانی سے قائم کی تھیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ لطائف اشرفی، سیر العارفین اور اخبار الاخیار کے بعد لکھے جانے والے تذکرے غیر مستند وغیر معیاری ہونے کے علاوہ پہلے لکھے جانے والے تذکروں کا چربہ ہیں۔ مثلاً اخبار الاصفیاء، گلزار ابرار، کلیات الصادقین اور مجمع الاولیاء وغیرہ اخبار الاخیار سے من وعن نقل کئے گئے ہیں۔

زیر مطالعہ کتاب ''حیات وتعلیمات، حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ'' کی تصنیف وتالیف میں ہمعصر مؤرخوں، ہمعصر سیاحوں، ہمعصر شاعروں، ہمعصر تذکرہ نگاروں مؤلفوں اور بعد میں آنے والے مؤرخین، تذکرہ نگاروں، نقادوں اور دانشوروں کی تحریروں سے استفادہ کیا گیا ہے جب کہ افکار ونظریات اور تصوف کے فلسفہ وتاریخ کی تشریح وتوضیح اورافہام وتفہیم کے لئے کتاب وسنت کے علاوہ کتب تاریخ وتذکرہ کے علاوہ کم وبیش تصوف کی تمام اہم کتابوں اور رسالوں سے مدد لی گئی ہے۔ جن کا ذکر کتابیات میں کرایا گیا ہے۔

صوفیاء کے افکار واقوال، احوال اور ان کا طرز زیست

اہل قلم امیر حسینی سادات، سلطان التارکین حمید الدین حاکم، مولانا عصامی، مولانا ضیاء الدین برؒنی، امیر خورد کرمانی، شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ، خواجہ احمد ایازؒ خواجہ جہاںؒ اور شہرہ آفاق سیاح ابن بطوطہ حضرت قطب الاقطاب کے ہمعصر اہل قلم امیر حسینی سادات اور سلطان التارکین مشائخ سہرورد کے اکابر خلفاء میں سے تھے جنہوں نے قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ اور ان کے آبائے کرام کے حضور منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ جب کہ مولانا عصامی نے اپنے عہد کے

حالات وواقعات کو نظم کرنے کے علاوہ حضرت قطب الاقطاب کی اہم خدمات کو بھی منظوم کیا۔

ضیاء الدین برنی کی تاریخ ،فیروز شاہی امیر خورد کرمانی کی سیر الاولیاء اور ابن بطوطہ کا سفر نامہ، قطب الاقطاب کے حالات زندگی کے تین بڑے اہم اور مستند معاصر ماخذ ہیں۔ علاوہ ازیں قطب الاقطاب کے شاگردوں اور خلفاء میں مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ، علامہ فضل اللہ محمد بن ایوبؒ، مؤلف ’’فتاویٰ صوفیہ‘‘ کی تحریروں سے بھی حضرت قطب الاقطاب کی حیات وتعلیمات پر روشنی پڑتی ہی۔

ضیاء الدین برنی کرمانی اور عصامی کے علاوہ قاضی منہاج سراج، امیر خسروؒ، امیر حسن سنجزؒی کی نگارشات سے شیخ قطب الاقطاب کے عہد کے حالات کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے ۔

پھر ایک ایک خرقہ مندرجہ ذیل شیوخ سے ملا

- شیخ امام الدین گا وزرونی رحمۃ اللہ علیہ۔
- شیخ شرف الدین محمود بن الحسین تستری المعمر رحمۃ اللہ علیہ۔
- شیخ حمید الدین محمد بن نجیب سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ۔
- شیخ نصیر الدین محمود بن یحییٰ الاودی رحمۃ اللہ علیہ۔
- شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ الاودی رحمۃ اللہ علیہ۔
- شیخ قطب الدین المنور ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ ۔[1]

ان شیوخ کے نام گنوانے کے بعد مولانا عبدالحیی نے لکھا ہے کہ حضرت مخدوم نے اور بہت سے شیوخ سے خرقہ حاصل کیا ہے۔ [2]

مولانا عبد الحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت مخدوم کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آپ جس سے معانقہ کرتے اور گلے ملتے۔ اس سے اس کی کرامتیں چھین لیتے یعنی اس پر

---

[1] ۔ نزہۃ الخواطر جلد دوم ص ۴۷۔۴۶۔

[2] ۔ ایضاً۔

اتنی توجہ ڈالتے اور خدمت کرتے کہ اس کے پاس جتنی نعمتیں اور برکتیں ہوتیں وہ بے اختیار آپ کو دے دیتے۔ [1]

چالیس سلسلوں اور اکتالیس مشائخ سے استفادہ

صاحب مراۃ الاسرار حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے ساری دنیا کا سفر کرکے چاروں سلسلوں اور اکتالیس گروہوں کے مشائخ سے استفادہ کیا۔ [2]

صاحب مراۃ الاسرار نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''مخدوم جہانیاںؒ نے پہلے شیخ رکن الدین ابوالفتح سے تربیت حاصل کی اور خلافت سہروردیہ سے مشرف ہوئے۔ [3]

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے اپنے ملفوظات میں بیس بزرگوں سے خرقہ پوشی کا ذکر موجود ہے جن میں سے سات بزرگوں کی نسبت سلسلہ عالیہ سہروردیہ سے ہے ان کی فہرست مندرجہ ذیل ہے: [4]

۱۔ سید احمد کبیر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ۔[5]
۲۔ حضرت شاہ رکن عالم ملتانی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ۔
۳۔ شیخ قوام الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ۔[6]
۴۔ شیخ مکہ عبد اللہ یافعی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ۔
۵۔ شیخ مدینہ عبد اللہ مطری سہروردی رحمۃ اللہ علیہ۔
۶۔ شیخ نجم الدین کبری سہروردی رحمۃ اللہ علیہ۔
۷۔ شیخ شرف الدین محمود شاہ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ۔[7]

---

[1] ۔ اخبار الاخیار ص ۳۰۸۔
[2] ۔ مراۃ الاسرار جلد دوم ص ۴۱۱۔
[3] ۔ ایضاً۔
[4] ۔ الدر المنظوم ص ۱۷۔۱۶۔
[5] ۔ سید احمد کبیر حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے والد اور سلطان العارفین شیخ صدر الدین عارفؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔
[6] ۔ شیخ قوام الدینؒ حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کے خلیفہ تھے۔
[7] ۔ شیخ شرف الدین محمود شاہ سہروردیؒ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ تھے۔

محمد غوثی نے سید شرف الدین مشہدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت مخدوم کو چار سو چالیس سے زائد اصحاب سے خلافت ملی تھی۔ [1]

شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ مشہور ہے کہ آپ کو چودہ خانوادوں میں بیعت کی اجازت تھی۔ [2]

مخدوم جہانیاںؒ حضرت قطب الاقطابؒ کے سلسلہ میں بیعت کیا کرتے تھے

بیعت اور بیعت کا طریقہ

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے بارے میں لکھا جا چکا ہے کہ وہ چودہ خانوادوں کے خلیفہ تھے اور قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالمؒ سمیت انہوں نے بیس اکابر مشائخ سے خرقہ ہائے خلافت حاصل کئے تھے۔ [3]لیکن اس کے باوجود وہ عام طور پر لوگوں کو اپنا مرید نہیں بناتے تھے۔ البتہ اگر کوئی شخص باارادت صادق ان کی خدمت میں مرید ہونے کے لئے حاضر ہوتا تھا تو ارشاد فرماتے تھے:

’’میں ان سے نہیں ہوں کہ کسی کو مرید کروں لیکن عقد اخوت کرتا ہوں اور حدیث نبویﷺ کے مطابق برادری میں لیتا ہوں۔ اس لئے کہ حدیث میں وارد ہے :

"عقد اخی کریم یستحی ان یعذب الرجل بین یدی اخوتہ "

اور یہ بھی کہتے تھے کہ یہ لوگ جو ساتھ جامہ ہائے مشائخ کے تبرک لیتے ہیں چونکہ اس کی اصل موجود ہے۔ اس لئے میں بھی اس پر عمل کرتا ہوں ایک روز آنحضرتﷺ مع اصحاب ایک مکان میں تشریف لائے وہ مکان آدمیوں سے بھرا ہوا تھا۔

---

[1] ۔ گلزار ابرار ص ۱۱۳۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان چار سو چالیس اصحاب میں حضرت مخدوم کے تمام اساتذہ بھی شامل ہیں جن سے انہوں نے تعلیم پائی۔

[2] ۔ آب کوثر ص ۲۷۸، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۴۔

[3] ۔ حدیقۃ الاولیاء، ص ۱۵۶۔

اس دوران حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ آئے اور جگہ نہ پاکر باہر ہی بیٹھ گئے۔ آنحضرتﷺ نے انہیں اس طرح بیٹھے ہوئے دیکھا تو اپنا جامہ خاص ان کی طرف پھینکا اور فرمایا کہ تم اس جامے کو زمین پر بچھا کر بیٹھ جاؤ۔ حضرت جریرؓ نے وہ جامہ مبارک لے کر سر آنکھوں پر ملا اور اسے تیمناً وتبرکاً اپنے پاس محفوظ کر لیا۔[1]

اگرچہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کو مختلف روحانی سلاسل میں خرقہ خلافت واجازت حاصل تھا لیکن وہ اکثر قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے سہروردی سلسلہ میں بیعت کیا کرتے تھے۔ [2]

حضرت مخدوم کی کرامات

حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے بہت سے کرامات منسوب ہیں۔ ان کے خلیفہ سید اشرف جہانگیر سمنانؒی کا بیان ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے اتنی کرامتیں صادر ہوئیں کہ متاخرین صوفیہ میں سے کسی سے نہیں ہوئیں۔ اس لئے وہ ''مظہر العجائب'' اور ''مصدر الغرائب'' کہے جاتے تھے۔ [3]

لیکن حضرت مخدوم ان کرامتوں کو اپنے لئے باعث شرف واعزاز نہیں سمجھتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک ولی کے لئے ممکن ہے کہ وہ ہوا میں اڑے، پانی پر چلے، اس کے لئے زمین اور آسمان کی طنابیں کھینچ جائیں۔ لیکن وہ اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک اپنی گفتار، رفتار اور کردار میں پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰﷺ کا پیرو نہ ہو۔[4]

پابندی شریعت اور اتباع سنت

---

[1] ۔ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۶۴۹۔۶۴۸۔

[2] ۔ الدر المنظوم، ص ۲۵۶۔

[3] ۔ لطائف اشرفی جلد اول ص ۳۹۰۔

[4] ۔ الدر المنظوم ،ص ۵۴۵۔

حضرت مخدوم جہانیاںؒ پابندی احکام شریعت اور سنت نبویﷺ کے اتباع کا بطور خاص خیال رکھتے تھے اور اپنے مریدوں، شاگردوں اور طالبان حق کو بھی ان امور کی تعلیم وتلقین کرتے تھے۔ حضرت مخدوم اپنی روز مرہ زندگی کے تمام معمولات کو بھی احادیث کے مطابق بنانے کی سعی وکوشش کرتے تھے۔ پنجگانہ نمازوں کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، تراویح اور دوسری نفل نمازوں میں اتنی ہی رکعتیں پڑھتے جتنی کہ خود رسول اللہﷺ نے پڑھی تھیں۔ [1]

زیادہ تر ان ہی اوراد وظائف کی مداومت کرتے جن کا ذکر احادیث کی کتب معتمدہ میں موجود ہے۔ [2]

عبادت کی خاطر تمام رات نہ جاگتے بلکہ کچھ دیر کے لئے سو رہتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص عبادت میں تمام رات بیدار رہا اس نے ترک سنت کیا۔ کیونکہ ارشاد نبویﷺ ہے:

’’میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔‘‘[3]

حضرت مخدوم تنہا کھانا تناول کرنا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ تقسیم کرکے کھاتے اور فرماتے کہ حدیث صحاح میں ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو تنہا کھاتا ہے اپنے غلام کو مارتا ہے اور بخل کرتا ہے۔ [4]

حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ کبیر قدس سرہ کے وصال کا دن منگل ہے اور حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کا دن بھی منگل ہے۔ حضرت شیخ کبیرؒ منگل کے دن خوش ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ آج سبق نہیں ہے۔ ایک پوتا ولی تھا۔ اس نے بتایا کہ شیخ کو خوشی اس لئے ہے کہ انہوں نے لوح محفوظ پر دیکھ لیا ہے

---

[1] ۔ الدر المنظوم، ص ۳۴۸، ۳۶۸، ۳۵۹، ۳۶۲۔
[2] ۔ ایضاً ص ۵۶، ۳۶۵، ۳۷۵۔
[3] ۔ ایضاً ص ۳۱۷۔
[4] ۔ ایضاً ص ۵۷۔

کہ منگل کے دن ان کا وصال ہوگا۔

"لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام : الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب"

یعنی موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست کی طرف پہنچاتی ہے۔

حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے مزید فرمایا کہ شیخ رکن الدّین کی قبر سے میں نے سنا :

"سیدنا عظیم یوم الثلاثاء لانہ وصال جدی وتوسل بہ"

اے سید منگل کے دن کی تعظیم کرو کیونکہ یہ میرے دادا کے وصال کا دن ہے اور اس دن سے توسل کر۔
پھر فرمایا کہ پہلے میں منگل کے دن سبق نہیں پڑھتا تھا اس وقت سے پڑھتا ہوں اور توسل کرتا ہوں۔ [1]

حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ اور سماع

ہر چند کہ مشائخ سہروردؒ سماع کے اصولی طور پر مخالف نہیں ہیں لیکن سہروردی سلسلے میں سماع کو وہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جو سلسلہ چشتیہ میں اسے حاصل ہوئی۔ برعظیم میں سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے اکابر مشائخ نے نہ تو باالتزام سماع کی محفلوں میں شرکت کی اور نہ ان کا باقاعدہ اہتمام کیا۔ البتہ اگر کبھی اور کہیں ان حضرات کو محفل سماع میں شرکت کرنے کا موقع ملا تو انہوں نے اس سے انکار نہیں کیا۔ حضرت قطب الاقطابؒ دہلی میں محفل سماع میں شریک ہوئے۔ شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے بند کمرے میں قوالی سنی، سماع کے بارے میں مشائخ سہروردرحہم اللہ تعالیٰ کا مؤقف اور ملتان کے اکابر مشائخ کی محفل سماع میں شرکت کے واقعات آئندہ صفحات میں پیش کئے جائیں گے۔

ابن عربیؒ اور ابن رشد کا تاریخی مکالمہ

---

[1] ۔ طالوت (عبدالرشید) حضرت شیخ رکن الدّین کی کہانی مخدوم جہانیاںؒ کی زبانی در آستانہ زکریا ملتان اشاعت مئی ۱۹۵۹ء۔

ابن عربیؒ اور ابن رشد دو عظیم المرتبت فلسفی ہیں جنہیں عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ ابن عرؒبی کی شخصیت وافکار نے مشرقی دنیا کو متاثر کیا اور ابن رشد کے افکار ونظریات نے مغربی دنیا پر اپنا سکہ جمایا۔

محمد لطفی جمعہ اپنی تصنیف تاریخ فلاسفۃ الاسلام میں لکھتے ہیں کہ ابن رشد کو تاریخ میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس میں تین ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ جو فلاسفہ اسلام میں کسی کو بھی حاصل نہیں۔ اول یہ کہ وہ عرب کا سب سے بڑا فلسفی اور فلاسفہ اسلام میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ دوسرے یہ کہ قرون وسطیٰ کے جلیل القدر حکماء میں سے ہے۔

محمد بن احمد بن محمد بن رشد، کنیت ابوالولید یہ کنیت اس کے اجداد میں منتقل ہوتی رہی ہے۔ ولادت ۱۱۲۶/۵۲۰ء۔ قرطبہ میں پیدا ہوا۔ فقہاء اور قضاۃ کے گھرانے میں جنم لیا۔وفات ۹ صفر ۵۹۰ھ/۱۱۹۸ء مراکش میں وفات پائی۔ اس کا تعلق اندلس کے اعلیٰ اور معروف خاندان سے تھا اس کے آباء واجداد مالکی مذہب کے ائمہ میں تھے۔ والد اور دادا قرطبہ کے قاضی تھے۔ ابن رشد نے شریعت اسلامیہ کے اشعری طریقے پر تعلیم حاصل کی اور فقہی اقوال کی امام مالک کے طریقے پر تحصیل کی۔ ابن رشد کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے طبقہ نسواں کی حمایت اور آزادی کا مطالعہ کیا۔ کیونکہ اس نے اندلس کی مسیحی اور مسلمان عورتوں میں زبردست فرق محسوس کیا تھا۔

حضرت مخدومؒ نے چھ حج اکبر کئے

مؤرخ فرشتہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کئی برس تک حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کی خدمت میں رہ کر مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، مصر، شام، بیت المقدس، روم، عراق، خراسان، بلخ اور بخارا کی سیاحت پر روانہ ہوگئے۔ اس سفر کے دوران انہوں نے متعدد حج کئے جن میں چھ حج اکبر بھی شامل ہیں۔ [1]

بزرگان دین سے استفادہ

[1] ۔ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۶۴۵۔ نیز اخبار الاخیار ص ۳۰۸۔

مؤرخ فرشتہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مخدوم جہانیانؒ مدینۃ الرسولﷺ میں دو برس تک سلطان العلماء استاذ المحدثین عفیف الدین بن سعد الدین علی الیافی الیمنی کی خدمت میں حاضر رہے۔ اسی سفر کے دوران حضرت مخدوم نے شیخ حمید الدین سمرقندیؒ کی خدمت میں رہ کر فیض روحانی اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ مکہ مکرمہ میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی شیخ عبد اللہ یافعیؒ سے ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ بہت محبت اور تعلق خاطر پیدا ہوگیا۔ [1]

مؤرخ فرشتہ نے حضرت مخدوم جہانیانؒ کے سفر اور سفر کے دوران جن اکابر مشائخ سے ان کی ملاقات ہوئی اور جن بزرگان دین سے انہوں نے اکتساب علم اور روحانی فیض حاصل کیا۔ اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ جس کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ یہاں پرصرف یہ لکھنے پر اکتفاء کرتے ہیں کہ ’’سیروا فی الارض‘‘ پر عمل کرتے ہوئے حضرت مخدوم جہانیانؒ نے دنیا کی سیاحت کی اور ’’جہاں گشت‘‘ کے لقب سے شہرت دوام حاصل کی۔ سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ لکھتے ہیں کہ بہت سے اولیاء اللہ نے معارف وحقائق کی تلاش میں سیاحت کی ہے لیکن مخدوم جہانیاں کی طرح کسی نے سفر نہیں کیا۔ انہوں نے ربع ملکوں کی سیاحت کی۔ اور شاید ہی کوئی درویش ایسا ہوگا جس سے حضرت مخدوم نے ملاقات کی ہو اور اس سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔ [2]

مولانا عبد الحق محدث دہلویؒ نے اس ضمن میں لکھاہے کہ انہوں نے بہت سیاحت کی اور بہت سے اولیاء کرام سے نعمت وبرکت حاصل کی۔ [3]

تبحر علمی اور توافق روحانی

---

[1] ۔ ایضاً نیز اخبار الاخیار، ص ۳۰۷۔
[2] ۔ لطائف اشرفی جلد اول ص ۔۳۹۰
[3] ۔ اخبار الاخیار، ص ۳۰۷۔

حضرت مخدوم جہانیاںؒ طریقت وشریعت کے علوم میں اپنی مثال آپ تھے۔ تذکرہ نگاروں کے علاوہ علماء اور مشائخ نے ان کی تبحر علمی اور روحانی فضیلت کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے اور ان کی دینی وتبلیغی خدمات کو بیان کیا ہے۔ حضرت مخدوم کے ملفوظات کے جامع شیخ علاء الدین علی لکھتے ہیں کہ :

''یہ تمام علوم جو اس ملفوظ میں ظاہر ہیں وہ ذات (یعنی حضرت مخدومؒ) ان سب علوم کی جامع تھی۔''[1]

مولانا عبد الحق دہلویؒ نے لکھا ہے کہ :

''حضرت مخدوم جہانیاںؒ جامع است میان علم وولایت''۔[2]

مولانا عبد الحی نے ان کی خدمت میں ان شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

''علم میں درجہ اجتہاد پر فائز اور عبادت میں نہایت ممتاز تھے۔ فقہ وحدیث پر عبور کامل اور اصول وفروع دونوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر تھے۔ وہ اعمال میں جائز رخصت کی بجائے عزیمت پر عامل تھے۔ اور بعض مسائل میں منفرد بھی تھے۔ ذکاوت میں برتر، تیز فہم، گفتگو میں حلاوت، اخلاق میں ستودہ تھے۔ شریف الطبع ہونے کے ساتھ نہایت رطب اللسان، نزدیک اور دور کے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو کرمستفید ہوتے تھے اور بہت سے اہل فضل وکمال ان سے فیض پاتے تھے۔ طلباء اور مرید ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ طلباء کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ وہ اپنے زمانے میں اس تبحر علمی کے باعث پورے ہندوستان میں منفرد سمجھے جاتے تھے۔ [3]

نواب صدیق خان حضرت مخدوم کے مناقب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

''آپ علوم کتاب وسنت کے جوہر فرد اور کمالات باطنی کے

---

[1] ۔ الدر المنظوم، ص ۱۱۔
[2] ۔ اخبار الاخیار فارسی، ص ۱۴۲۔
[3] ۔ نزہۃ الخواطر ،جلد دوم ص ۴۷۔

معدن تہذیب اخلاق اور ملکات روحانی کے سہیل یمن تھے‘‘۔[1]

اسلامی علوم میں مہارت وجامعیت

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کو قرآنی علوم میں بالخصوص دسترس حاصل تھی۔ قرات وتجوید شان نزول اور تفسیر پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ انہوں نے اکابر مشائخ کی طرح قرآن مجید کو سات قراتوں سے پڑھا تھا۔ چنانچہ اپنے پوتے حامد بخاری کو قرآن کریم پڑھاتے ہوئے انہوں نے خود فرمایا: میں نے قرآن کریم کی ساتوں قراتیں سیکھی ہیں اور مجھ سے سنے تو اسناد اس کے صحیح ہیں۔[2]

علم حدیث کے بھی زبردست ماہر تھے۔ مشکوٰۃ المصابیح انہوں نے اوچ کے نامور محدث سے سماعت کی۔ پھر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں دوسری تمام کتابوں کے ساتھ کتب حدیث کا بھی اعادہ کیا جو وہ ہندوستان میں پڑھ چکے تھے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا امام مالک، سنن ترمذی، سنن امام بیہقی وغیرہ کتب احادیث پر گہری نظررکھتے تھے۔ [3]
اور عربی زبان بلاتکلف بولتے تھے۔ [4]
حضرت مخدومؒ صرف ونحو اور لغت اور عربی وفارسی ادب میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ ’’جو شخص صرف ونحو ایسے علوم سیکھے تو اس پر علم شریعت یعنی فقہ واصول فقہ آسان ہو جاتے ہیں۔ اس شخص کی حالت ایسی ہے گویا اس نے سو برس تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی کہ طرفۃ العین اس کی نافرمانی نہ کی ہو۔ پس کونسی عبادت اس سے بہتر ہوگی کہ وہ عربی علوم کو حاصل کرے۔ ورنہ وہ ماضی ومستقبل امرونہی، فاعل ومفعول اور مبتدا وخبر کو کیا جانے گا۔ وہ تو فقہ کے معنی بھی غلط کرے گا اور غلط کہے

---

1. ماثر صدیقی (سوانح عمری نواب صدیق حسن خان قنوجی) جلد اول از نواب علی حسن خان ص ۳۷ نول کشور پریس ۱۹۲۴۔
2. الدر المنظوم ،ص ۲۷۴، ۸۲۴۔
3. ایضاً ص ۵۱۷، ۵۱۶۔
4. ایضاً ص ۵۱۶ ، ۶۰۶۔

گا اس طرح خطائے عظیم کا مرتکب ہوگا۔‘‘[1]
حضرت مخدوم جہانیاںؒ علم طریقت کے علاوہ علم شریعت یعنی تفسیر قرآن، احکام فقہ اور علم حدیث کو ضروری سمجھتے تھے۔ [2]

اور ان تمام علوم کے جامع تھے۔ سید علاء الدین علی لکھتے ہیں کہ ’’حضرت مخدوم ایک سو اٹھاسی علوم میں مہارت کاملہ رکھتے تھے‘‘۔[3]

فیروز شاہ تغلق کے عہد میں حضرت مخدومؒ کے دہلی کے دورے

سلطان فیروز شاہ تغلق، سلطان محمد بن تغلق کے برعکس صوفیاء کرام سے دلی عقیدت رکھتا تھا۔ وہ شیخ الاسلام علاء الدین اجودھنیؒ سجادہ نشین درگاہ حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا اور حضرت مخدوم جہانیاںؒ کا حد درجہ ادب واحترام کرتا تھا۔ معاصر مؤرخ شمس سراج عفیف روایت کرتے ہیں کہ حضرت سید جلال الدین بخاریؒ ہر دوسرے یا تیسرے سال بادشاہ سے ملاقات کرنے کے لئے اوچ سے فیروزآباد تشریف لاتے۔ بادشاہ اور جناب سید کے درمیان بے حد محبت تھی اور ہر دو بزرگوار اس محبت میں اضافہ کرنے کی سعی فرماتے تھے۔ حضرت سید جب اوچ سے تشریف لاتے اور فیروز آباد کے نواح میں پہنچتے تو بادشاہ مسند تک حضرت کے استقبال کو جاتا اور ملاقات کے بعد جناب ممدوح کو بے حد اعزاز کے ساتھ شہر میں لاتا۔

جناب سید کبھی تو منارہ سے متصل کو شک معظم کے اندر اور کبھی شفا خانے میں اور کبھی شاہزادہ فتح خان کے خطیرہ میں قیام فرماتے تھے۔ مختصر یہ کہ جناب سید اپنے قیام گاہ سے

---

[1] ۔ ایضاً ص ۱۳۸
[2] ۔ ایضاً ص ۷۰۳
[3] ۔ ایضاً ص ۱۳۔۱۲۔ سید علاء الدین حضرت مخدومؒ کے ملفوظات کے مرتب ہیں۔

مقررہ طریقے کے مطابق بادشاہ سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے اور جیسے ہی حضرت ممدوح محل حجاب میں پہنچ کر سلام کرتے تو بادشاہ باوجود اس عظمت وشان کے تخت گاہ پر ایستادہ ہو جاتا اور بے حد تواضع کے ساتھ جناب سید سے ملاقات کرتا اور اس کے بعد ہر دو بزرگ بالائے بام خانہ تشریف فرما ہوتے۔

جب حضرت سید واپس ہوتے اس وقت بھی فیروز شاہ بالائے بام خانہ تعظیم کے لئے ایستادہ ہوتا اور جب تک کہ حضرت ممدوح محل حجاب تک نہ پہنچتے بادشاہ اسی طرح کھڑا رہتا۔ حضرت سید بادشاہ کو سلام کرتے اور بادشاہ جواب میں سلام کرتا اور جب حضرت ممدوح نظر سے غائب ہو جاتے اس وقت بادشاہ بیٹھ جاتا تھا۔ سبحان اللہ کیا حسن ادب تھا جو بادشاہ جناب سید کے لئے بجالاتا تھا۔ [1]

اوچ اور دہلی کے باشندوں کی حاجت روائی

حضرت مخدوم جہانیاںؒ اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے مابین ہونے والی ملاقاتوں کا ذکر کرتے ہوئے شمس سراج عفیف نے مزید لکھاہے کہ :

فیروز شاہ بھی دوسرے تیسرے روز جناب سید کے قیام گاہ پر حضرت سے ملاقات کرنے کے لئے حاضر ہوتا اور ہر دو بزرگ باہم یکجا ہو کر محبت آمیز گفتگو فرماتے تھے۔ اوچ اور دہلی کے باشندے اپنی حاجات جناب سید کے حضور میں عرض کرتے اور حضرت سید اپنے خدام کو حکم دیتے کہ ان حاجات کو قلم بند کرلیں۔ جب بادشاہ حضرت کی ملاقات کو آتا تو جناب ممدوح وہ کاغذ فیروز شاہ کی خدمت میں پیش فرماتے اور بادشاہ اس کاغذ کو غور سے ملاحظہ فرما کر ہر حاجت مند کی اس معروضے کے مطابق حاجت روائی کرتا۔ چند روز کے بعد جناب سید فیروز آباد سے اوچ روانہ ہو جاتے اور حضرت شاہ (فیروز

---

[1] ۔ تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف اردو ترجمہ از مولوی محمد فدا علی طالب ص ۳۳۴۔ مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد رکن ۱۹۳۸ء۔

شاہ تغلق) اسی طرح ایک منزل مشایعت کرتا۔ [1]

رشد وہدایت

حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اپنی زندگی اسلام کی تبلیغ واشاعت اور بندگان خدا کی اخلاقی وروحانی اصلاح وتربیت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ اپنے مرشد طریقت قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کی طرح حضرت مخدوم رشد وہدایت کا ایک مکتب تھے۔ اور اپنی مجلس میں علوم ومعارف کے رُموز وغوامض حل فرماتے تھے۔ رشد وہدایت کا یہ سلسلہ سفر وحضر میں برابر جاری رہتا تھا۔ اوچ میں ان کی خانقاہ مرجع خلائق تھی جہاں مریدوں اور شاگردوں کا ہجوم رہتا تھا۔ طالبان حق دور ونزدیک سے جوق درجوق ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فیوض وبرکات حاصل کرتے تھے۔ عوام وخواص یعنی اُمراء، وزراء اور سلاطین کے علاوہ ہر مکتب فکر کے علماء وفقہاء بھی حضرت مخدوم کی بہت تعظیم وتکریم کرتے اور کسب فیض کیلئے حاضر ہوتے تھے۔

جن دنوں حضرت مخدومؒ دہلی تشریف لے جاتے تو ان کا مکتب رشد وہدایت دہلی منتقل ہو جاتا تھا اور دارالسلطنت دہلی اور اس کے گرد ونواح کے لوگ کثیر تعداد میں حضرت مخدوؒم کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے تھے۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں مرقوم ہے کہ ۷۸۱ھ/۱۳۷۹ء میں آپ دہلی تشریف لائے تو اس وقت سلطان فیروز شاہ تغلق مہم سامانہ کے سلسلے میں دہلی سے باہر گیا ہوا تھا۔ آپ کو اس کی ملاقات کے لئے دہلی میں دس مہینے رکنا پڑا۔ اس دوران میں لوگ آپ کی مجلس میں حاضر ہو کر مذہبی، فقہی اور صوفیانہ مسائل پر استفسار کرتے تھے اور آپ ان کے سوالوں

---

[1] ۔ تاریخ فیروز شاہی، از شمس سراج عفیف ص ۳۳۴۔ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن

کے جواب دیتے تھے۔ [1]

درس وتدریس

حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ انہوں نے اوچ میں ’’مدرسہ جلالی‘‘ قائم کیا۔ جہاں درس وتدریس کا باقاعدہ انتظام تھا۔ اس مدرسہ میں قرآن حکیم، تفسیر مدارک، صحاح ستہ، مشارق الانوار، شرح کبیر، چہل اسم، مشکوٰۃ المصابیح، رسالہ مکیہ، قصیدہ لامیہ، کتاب متفق، عقائد نسفی، شرح نودنہ نام، فقہ اکبر، عوارف المعارف، اوراد شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کادرس دیا جاتا تھا۔ حضرت مخدوم صرف ونحو اور لغت کی طرف خاص طورپر توجہ دلاتے تھے تاکہ عربی زبان کی تحصیل آسان ہو اور اس میں شاگردوں کو اچھی مہارت اورقدرت حاصل ہو جائے۔ [2]

درس حدیث

درس حدیث کا معمول یہ تھا کہ حدیث کی قرات کے بعد صرف ونحو کے مطابق تشریح کی جاتی تھی۔ پھر مشکل لغات کی شرح ہوتی اس کے بعد حضرت مخدوم حل مطلب فرماتے تھے۔ مدرسہ جلالی میں احادیث کی کتب معتمدہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور مصابیح کے علاوہ جامع صغیر کا باقاعدہ درس ہوتا تھا۔ [3]

درس فقہ و تفسیر

حضرت مخدوم مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔ مذاہب اربعہ پر انہیں مکمل عبور حاصل تھا۔ چنانچہ درس کے دوران ہر مذہب

---

[1] ۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے دہلی میں اپنے قیام کے دوران جو وعظ وارشاد اور گفتگو فرمائی۔ ان ملفوظات کو ان کے ایک مرید علاء الدین علی نے جامع العلوم کے عنوان سے مرتب کیا۔

[2] ۔ الدر المنظوم، ص ۵۴۰۔

[3] ۔ تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ ص ۱۵۳ بحوالہ خزانہ جلالی (قلمی) ص ۱۲۶۔

کا فرق بیان فرماتے پھر فقہ حنفی کی جامعیت پر روشنی ڈالتے تھے۔ تفسیر مدارک مدرسہ جلالی کے نصاب میں شامل تھی۔[1]

حضرت مخدوم ؒ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا۔ دور ونزدیک سے طلباء ''مدرسہ جلالی'' میں آکرتعلیم حاصل کرتے تھے۔ نامور عالم اور واعظ مطالب قرآن واحادیث حل کرتے تھے۔ مریدین ومعتقدین بالالتزام تفسیر وحدیث اور کتب تصوف کا درس لیتے تھے۔ خاص مریدوں کے لئے تہجد ورنہ عموماً فجر کے بعد حضرت کا درس شروع ہوتا تھا۔ [2]

دیار وامصار سے طالبین کی آمد

حضرت مخدوم ؒ کا حلقہ درس بہت وسیع تھا۔ پروفسیر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں کہ حضرت مخدومؒ کے حضور میں نہ صرف برصغیر پاکستان وہند کے لوگ حاضر خدمت ہو کر رشد وہدایت اور فیض وبرکت حاصل کرتے تھے۔ بلکہ بیرون ملک سے کثیر تعداد میں لوگ حصول تعلیم وتلقین کے لئے حاضر خدمت ہوتے تھے۔ [3]

حفاظ شیرآز کی مخدوؒم کی خدمت میں حاضری

ایک مرتبہ حفاظ شیرآز کی ایک جماعت حضرت مخدوؒم کی خانقاہ میں پہنچی۔ ان حفاظ نے قرآن کریم کی پانچ آیات پڑھیں اور پھر کچھ اشعار پڑھ کر سنائے جس سے مجلس میں موجود حضرات پر رقت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضرت مخدومؒ نے ان حفاظ کے حق میں دعا فرمائی اور ان کی تعریف کی اور فرمایا کہ امامت کے لئے خوش خواں کی بجائے درست خواں ہونا چاہئے۔ [4]

حضرت مخدومؒ کے علمی اور روحانی کمالات کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ چنانچہ دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں اور ملکوں سے عوام وخواص ان کی خدمت میں طویل مسافت طے کرکے حاضر ہوتے اور ظاہری وباطنی فیوض

---

1. الدر المنظوم ص ۷۹۰۔
2. تذکرہ مخدوم جہانیاں جہانگشت ص ۱۵۲
3. ایضاً ص ۱۳۰
4. الدر المنظوم، ص ۶۴۵

حاصل کرتے تھے۔ اس ضمن میں شیخ فخر الدین ترمذی اور شیخ فخر الدین گاوزردنی کی مثالیں دی جاسکتی ہیں جو ترمذ اور گاوزندون سے بطور خاص حضرت مخدومؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک عرصے تک ان کی زیرتربیت رہ کر فیض یاب ہوتے رہے۔ [1]

حضرت مخدومؒ کے آثار وملفوظات

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت قدس سرہ العزیز نے اسلام کی تبلیغ واشاعت اور بندگان خدا کی اخلاقی وروحانی اصلاح وتربیت اور تعلیم وتدریس میں اہم اور قابل قدر خدمات کے علاوہ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

حضرت مخدومؒ کی تصانیف

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی تصنیف میں ''مقرر نامہ'' ، ''رسالہ مکیہ، اربعین صوفیہ'' شامل ہیں جبکہ قرآن مجید کا ایک ترجمہ بھی ان سے منسوب کیا جاتا ہے اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مخدومؒ نے اپنی سیر وسیاحت کے حالات وواقعات پر مشتمل ایک سفر نامہ بھی قلمبند کیا تھا۔ لیکن اس سفر نامے کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مخدومؒ کا تحریر کردہ نہیں ہے۔ جواہر جلال کے ایک قلمی نسخے مملوکہ ڈاکٹر ایس وی ترمذی کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت مخدومؒ نے ''اسرار العارفین وسیر الطالبین'' کے عنوان سے ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ [2]

حضرت مخدومؒ کے ملفوظات

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ملفوظات میں جامع العلوم، سراج الہدایہ، خزانہ جلالی، جواہر جلالی، مظہر جلالی جیسے اہم اور قابل قدر

---

[1] ۔ ایضاً ۲۶۷، نیز ۶۹۔۶۸۔

[2] ۔ پروفیسر محمد ایوب قادری تذکرہ مخدوم جہانیاں جہانگشت ص ۲۰۵۔

مجموعے شامل ہیں۔ حضرت مخدوم کے ملفوظات کو تاریخی اہمیت حاصل ہے اور ان کے ارشادات واقوال عوام وخواص میں مشہور ہیں۔ حضرت مخدومؒ کے بعض ملفوظات کا اردو زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہاں پر ہم حضرت مخدومؒ کے ملفوظات اور ان کی تصانیف کا تعارف کراتے ہیں۔ حضرت مخدوم کے ملفوظات سے ان کے مرشد طریقت قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کی حیات مبارکہ اور ان کی تعلیمات پر بھی روشنی پڑتی ہے اور ہمیں حضرت شاہ رکن عالمؒ کے بارے میں بہت سی باتوں کا علم ہوتا ہے۔

خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم

جامع العلوم حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے ملفوظات کا بہت اہم اور مفصل مجموعہ ہے۔ جیسے حضرت مخدوم کے مرید خاص ابوعبد اللہ علاء الدین علی بن سعد بن اشرف دہلویؒ ([1])نے ترتیب دیا ہے۔ اس مجموعے کے انداز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مخدوؒم کو اس امر کا علم تھا کہ ان کے ارشادات کو قلمبند کیا جارہا ہے۔ چنانچہ ملفوظات میں یہ جملہ بار بار آتا ہے۔ ’’لکھ لو، مسئلہ غریب ہے، کام آئے گا۔۔۔الخ‘‘ جامع العلوم میں شامل حضرت مخدومؒ کے ملفوظات مستند ہیں۔ ہم عصر شخصیات وواقعات کے حوالے تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ جامع العلوم کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں بعض نادر ونایاب کتب مثلاً عقائد نسفی، جامع صغیر، شرح عزیزی وغیرہ کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں عوارف المعارف رسالہ مکیہ اور قصیدہ لامیہ کی تشریح وتوضیح بھی اس طرح کی گئی ہے کہ ان کتابوں کے متعدد حصوں کی شرح ان ملفوظات کی مدد سے لکھی جا سکتی ہے۔

---

[1] ۔ ابوعبد اللہ علاء الدین حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ۷۷۷ھ/۱۳۷۵ء میں مرید ہوئے اور جب حضرت مخدومؒ ۷۸۱ھ/۱۳۷۹ء میں دہلی تشریف لائے تو ابوعبد اللہ علاء الدین نے مسلسل دس ماہ ان کی خدمت میں حاضر رہ کر ان کے ملفوظات کو نہایت محنت وجانفشانی سے قلمبند کیا۔

جامع العلوم (اردو ترجمہ)

جامع العلوم کا اردو ترجمہ مولوی ذوالفقار احمد نے ’’الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم‘‘ کے عنوان سے دو جلدوں میں کیا ہے جو ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں مطبع انصاری دہلی سے پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ [1]

بعد میں ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء میں حکیم غلام محبوب سبحانی نے ایسے دوبارہ طبع کروایا۔ صفحات کی تعداد ۹ سو کے قریب ہے جن میں تصوف کے حقائق ومعارف کے علاوہ شریعت وفقہ اور اخلاق ومعاشرت سے متعلق سینکڑوں اُمور ومسائل کا بیان ان ملفوظات میں موجود ہے ۔ جامع العلوم کے قلمی نسخے، اوچ شریف، حیدر آباد دکن، رام پور اور کلکتے کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

سراج الہدایہ

حضرت مخدومؒ کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ سراج الہدایہ ہے جسے احمد برنی نے مرتب کیا ہے۔ [2]۔ بعض حضرات کا بیان ہے کہ اس کے مرتب احمد معین سیاہ پوش ایرجی ہیں جبکہ بعض کتابوں میں مرتب کا نام مولانا عبد اللہ، سید عبد اللہ بھی لکھا ملتا ہے۔ [3]

سراج الہدایہ نو (۹) ابواب پر مشتمل ہے جن میں احادیث پیغمبرﷺ، شیخ اور مریدین کے تعلقات اور مسائل فقہ، احکام شریعت، حکایات، قصص الانبیاء کے علاوہ احادیث کے فضائل، عربی اور فارسی کے اشعار اور بہت سے اُمور ومسائل کے بارے میں اہم اور دلچسپ معلومات ملتی ہیں۔ سراج الہدایہ کے دو نسخے رضا لائبریری رام پور میں موجود ہیں۔

---

[1] ۔ جامع العلوم کے اردو ترجمے کی طباعت میں نواب صدیق حسن خان اور ان کے بیٹے نواب نور الحسن خان نے خاص دلچسپی لی تھی اور یہ ترجمہ نواب نور الحسن (متوفی ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء) کی سعی بلیغ سے شائع ہوا۔

[2] ۔ تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ ،ص ۱۸۹۔

[3] ۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند جلد۳ ،فارسی ادب اول،ص ۱۵۷۔

خزانہ جلالی

اس کا اصل نام ''خزانۃ الفوائد الجلالیہ'' ہے مگر یہ خزانہ جلالی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے مرتب احمد المدعوبہ بہا بن حسن بن محمود ہیں۔ [1]

حضرت مخدومؒ کے ملفوظات کے دیگر مجموعوں کی طرح خزانہ جلالی بھی علوم ومعارف کا ایک مفید قابل قدر اور نادر مرقع ہے۔ یہ مجموعہ ایک مقدمہ اور سترہ (۱۷) ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں علم، توبہ، اذکار، موت وزیارت، زکوٰۃ وسخاوت، صوم واعتکاف، حج، سفر وتجارت، اکل واصناف، نکاح وطلاق،جیسے شرعی اُمور ومسائل کے علاوہ رسول اکرمﷺ کا حلیہ مبارک، فضائل صحابہ کرام، تعظیم الولایت، مناقب اولیاء ومشائخ اور خرقہ خلافت ایسے اہم موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

خزانہ جلالی کے ماخذ

خزانہ جلالی میں مشارق الانوار، فتاویٰ سراجی، ارشاد المریدین، فوائد الفواد، احیاء العلوم، رونق المجالس، فتاویٰ ظہیری، کتاب متفق، رسالہ امین الدین گاوزرونی، قوت القوب، کتاب عمدہ، فقہ اکبر، جامع صغیر، فتاویٰ مسعودی، ترغیب الصلوٰۃ، شرح نودنہ نامہ (از جلال الدین تبریزیؒ)، کتاب الاوراد، عین العلم، بواقیت المواقیت، درمختار، روضۃ الریاحین (از عبد اللہ یافعیؒ) ، رسالہ مولانا ضیاء الدین برنی، جامع الکبیر، سیر الکبیر (سرخسی)، فتاویٰ ناصری، فوائد السالکین اور منہاج العابدین کے علاوہ سیر العارفین، اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیاء جیسی مستند مذہبی کتب اور تذکروں کے حوالے اور اقتباسات ملتے ہیں جس سے اس کی تاریخی اہمیت اور افادیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

خزانہ جلالی کا ایک نسخہ اوچ کے گیلانی کتب خانے میں موجود ہے۔

---

[1] ۔ تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ ص ۱۹۶۔

جواہر جلالی

جواہر جلالی حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے ملفوظات کا ایک ضخیم دفتر ہے۔ جو ان کے مرید اور خلیفہ فضل اللہ بن ضیاء العباسی نے ۷۸۰ھ/۱۳۷۹ء میں مرتب کیا۔ [1]

اس کے ابواب اور فصلوں کی تعداد بیالیس (۴۲) ہے اور درود ودعا، آداب مراقبہ وتلاوت قرآن، اسرار ومعارف، خواب، طعام، دعوت، پوشاک وغیرہ کے آداب، خلوت وعزلت اور ہدایا وفتوح جیسے موضوعات کی خالص شرعی اور صوفیانہ نقطہ نگاہ سے وضاحت کی گئی ہے۔ خزانہ جلالی کی طرح جواہر جلال میں بھی بہت سے کتابوں کے حوالے اور اقتباسات دیئے گئے ہیں۔

مظہر جلالی

پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں کہ حضرت مخدوم کے ملفوظات کا ایک مجموعہ مظہر جلالی کے نام سے ہے اس کا ایک نسخہ مخدوم نو بہار شاہ سجادہ نشین اوچ بخاری کے پاس ہے۔ [2]

ملفوظات کے اس مجموعے میں توحید، بیان فرض، عزیمت ورخصت، طہارت ووضو، قضائے حاجت، مسح، تیمم،، اذان، سلام اور اقامت وغیرہ کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ [3]

مجموعی طور پر یہ تمام ملفوظات ادبی، علمی، معاشرتی اور ثقافتی سرمائے کا ایک بیش بہا خزانہ ہیں۔ اس میں علم اقوال یعنی شریعت، علم افعال یعنی طریقت اور علم احوال یعنی حقیقت کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ حضرت مخدوم کے نزدیک ابرار سے مراد اصحاب شریعت اور مقربین سے مراد ارباب طریقت ہیں۔ ان کا ارشاد ہے کہ جاہل کبھی شیخ کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت مخدومؒ کا فرمان ہے کہ مذہب حنفی میں غائبانہ نماز جنازہ نہیں۔ ان کی یہ بھی تحقیق ہے کہ صحیح لفظ قریشی نہیں بلکہ قرشی

---

1. پروفیسر محمد ایوب قادری تذکرہ مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ، ص ۱۹۹۔
2. ایضاً ص ۲۰۱۔
3. ایضاً ص ۲۰۲۔

ہے۔ قریش ایک غلیظ ترین دریائی مچھلی ہے اور عرب میں قریشی کہنا گالی دینے کے مترادف ہے۔ [1]

مناقب مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ

حضرت مخدومؒ کے تذکرہ نگاہ پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں کہ ''مناقب مخدوم جہانیاں'' حضرت مخدوم کے ملفوظات کا ایک نادر مجموعہ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ایشیائٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) کی لائبریری میں ہے۔ [2]

تذکرہ نگار موصوف کی تحقیق کے مطابق اس کتاب کا معتد بہ حصہ گم ہو چکا ہے اور کتاب سترہویں مجلس کے درمیان ختم ہو جاتی ہے یہ کتاب سلطان فیروز شاہ تغلق کے انتقال کے بعد مرتب ہوئی کیونکہ اس میں سلطان کو مرحوم لکھا گیا ہے چونکہ اس میں عہد فیروزی کے بہت سے سیاسی حالات وواقعات کے علاوہ اس دور کے اکثر اُمراء، عمال اور عمائدین کے نام ملتے ہیں اس لئے یہ کتاب تاریخی اہمیت کی بھی حامل ہے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ کی حیات تعلیمات پر تذکرہ تالیف کیا ہے۔ اس میں انہوں نے مناقب مخدوم جہانیاںؒ کے نایاب نسخے کے بعض اقتباسات ڈاکٹر ریاض الاسلام سے حاصل کرکے شامل کتاب کئے ہیں۔ [3]

صوفی اپنے ارادے میں فانی ہوتا ہے اور حق تعالیٰ ہی کا فعل اس میں جاری ہو جاتا ہے۔ اور اس کے نتیجے کے طور پر اس کی کوئی مراد باقی نہیں رہتی اور نہ کوئی غرض اور نہ حاجت ومرام اب وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں۔ [4]

"ساکن الجوارح مطمئن الجنان مشروع الصدر منور الوجہ عامر البطن غنیا عن الاشیاء

---

[1] ۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان وہند جلد ۳ ،فارسی ادب اول، ص ۱۵۹۔

[2] ۔ ایضاً ص ۲۰۳

[3] ۔ ایضاً

[4] ۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، فتوح الغیب مقالہ ۶

لخالقہا "پر ہوجاتا ہے۔ یعنی بلاحرکت اعضاء قلب مطمئن فراخ وکشادہ سینہ، روشن چہرہ، باطن آباد اور تعلق خالق کی وجہ سے تمام اشیاء سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔

تاریخ فاطمین مصر

ہر شخص تعجب کرے گا کہ قرامطہ کیسے ثابت قدم اور اپنی دھن کے پکے تھے۔ ایک مقام پر پسپا ہوتے تھے مار کھاتے مارے جاتے لیکن دوسرے مقام پر پھر سر اٹھاتے۔ غرض کہ انہوں نے اپنے مقصد کی تکمیل میں اپنی جانوں تک کو دینے میں دریغ نہ کیا۔

ہر وقت مہدی کی اُمید میں رہتے اور اس کا انتظار کرتے کبھی ایک شخص کو مہدی سمجھتے کبھی دوسرے کو۔ ان کے داعیوں کے اغراض ومقاصد عام طور پر خود غرضی پر مبنی تھے۔ قرامطہ یوں تو مسلمان کہلاتے تھے لیکن ان کو اسلام کے عقائد سے کوئی سروکار نہ تھا۔ یہ شیعیوں کے فرقہ اسماعیلیہ کی ایک شاخ تھے۔

بار بار خلیفہ عباسی کے لشکر کو شکست دی ۔ گو وہ تعداد میں تھوڑے تھے لیکن عباسیوں کے ٹڈی دل لشکروں کا مقابلہ کرنے سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ کبھی کبھی وہ پسپا بھی ہوتے تھے۔ مگر فتح یاب عباسیوں کے بہترین فوجی سردار بھی ان کے مقابلے میں ناکام ثابت ہوتے تھے۔ بڑھتے بڑھتے یہ لوگ ایک دفعہ بغداد کے قریب پہنچ گئے خلیفہ مقتدر بہت بگڑا اور تعجب سے کہنے لگا کیا قرامطہ کی فوج جو دوہزار سات سو سے زیادہ نہیں ہمارے اسی ہزار کے لشکر کو بھی مغلوب کررہی ہے۔ [1]

از منہ قدیم میں عدل وانصاف کے مؤید قوانین اپنے اپنے قبائل کی عادات وخصائل سے مخلوط تھے۔ اور موروثی طور پر ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتے تھے۔ ان قوانین کی حیثیت مذہبی آئین اور اخلاقی ومعاشی ضابطوں سے جداگانہ نہیں تھی۔

---

[1] ۔ ابن اثیر ،جلد۸ ،ص ۶۲۔

آج مختلف اقوام وممالک میں جو قوانین رائج ہیں وہ مختلف اقوام عالم کی پرانی عادات اور تاریخی رسومات کا مخلوط مجموعہ ہیں۔

ابتدائی زمانے میں چونکہ افراد انسانی کی انفرادی اور اجتماعی زندگی انتہائی سادہ تھی۔ اس لئے ان کے عادات رسوم بھی سادہ تھے۔ اس زمانے میں بڑی بڑی حکومتوں یا سلطنتوں کا رواج نہیں تھا۔ بلکہ قبائلی نظام رائج تھا۔ اس لئے قوانین کا نفاذ قبیلے کی رائے عامہ اور اس کے سردار کی مرضی اور اقتدار پر موقوف تھا۔ اور کبھی جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مصداق شخص اقتدار پر بھی۔

جب انسانی تمدن نے ترقی کی تو معاشرے کی حالت بہ افراد انسانی میں تعلقات وروابط کی نئی صورتیں اور جہتیں سامنے آئیں جن میں پیچیدگیاں اور دشواریاں پیش آنے لگیں۔ انسانی حقوق کے تعین اور تحفظ کیلئے واضح قوانین کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔

پھر یہ قوانین افراد اور قبائل کی عادات ورسوم سے الگ حیثیت اختیار کرنے لگے۔ قبائل نظام کی جگہ حکومت اور سردار قبیلہ کی جگہ حکمران نے لے لی اور حکومت اپنے مختلف شعبوں محکموں اور طاقت واقتدار کے ذریعہ قانون سازی کرنے لگی۔

بزرگان دین میں سب سے بہتر طریقہ غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ ہے سب سے عمومی دعوت غوث الاعظمؒ کی دعوت ہے۔ سب سے مؤثر تحریک غوث الاعظمؒ کی تحریک ہے۔ سب سے مکمل نظام غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کا نظام ہے اور سب سے نفع بخش اور فیض رساں سلسلہ غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ ہے اس سلسلہ کو غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی جانشینوں نے اپنے اپنے دور میں ”دعوت الی اللہ“ دعوت آخرت اور دعوت ایمان وعمل کو برابر جاری رکھا ہے۔ یہ دعوت آج بھی جاری ہے۔ زیر نظر مضمون اس دعوت ایمان وعمل کی ایک کڑی ہے۔

معتزلہ

معتزلہ عقل کی بالادستی کے قائل تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ عقل ہی کے ذریعے اشیاء کے حسن وقبح کو جانا جا سکتا ہے۔ وہ نہ تو روز قیامت رؤیت باری تعالیٰ کے قائل تھے۔ نہ شفاعت نبویﷺ کے اور نہ عذاب قبر کو تسلیم کرتے تھے۔ وہ قرآن کو مخلوق سمجھتے تھے اور حدیث نبویﷺ کے منکر تھے۔ معتزلہ کو مامون الرشید کے عہد میں عروج حاصل ہوا وہ محدود عقل کے سہارے مسائل کو حل تو کیا کرتے تھے۔ انہوں نے مسائل کو پہلے سے بھی زیادہ الجھا دیا ۔

موجئہ اور اشاعرہ

مرجئہ کا عقیدہ یہ تھا کہ

- ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھا جائے۔
- گناہگار مسلمان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہیں۔
- مشتبہ اُمور میں مثلاً جہاں ایک گروہ دوسرے کو کافر قرار دے رہا ہو تو معاملہ خدا پر چھوڑ دیا جائے۔

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام کے تبصرے پر تبصرہ

شیخ صدر الدین عارفؒ کے بارے میں شیخ محمد اکرام کا یہ بیان کہ ان کی مسند نشینی ہندوستان میں موروثی سجادہ نشینی کی پہلی اہم مثال ہے درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ شیخ کبیر نے اپنے بعد شیخ صدر الدین عارف کو اپنا روحانی جانشین مقرر نہیں کیا تھا۔ شیخ کبیرؒ کے کسی ہمعصر یا قریب العصر مؤرخ اور تذکرہ نویس نے یہ نہیں لکھا کہ شیخ صدر الدّین کو ان کے والد شیخ کبیرؒ بہاء الدینؒ نے اپنا روحانی جانشین مقرر کیا تھا۔ جمالیؒ کے برعظیم تذکرہ نگار ہیں جنہوں نے اپنی تالیف سیر العارفین میں تیرہ اکابر مشائخ کے احوال وآثار قلمبند کئے ہیں جن میں جمالی خود سلسلہ سہروردیہ سے تعلق رکھتے تھے اور سہروردی کے مرید تھے انہوں نے بھی شیخ کبیر یا شیخ صدر الدین کے احوال بیان کرتے وقت کہیں یہ نہیں لکھا کہ شیخ کبیر نے شیخ صدر الدین کو اپنا روحانی جانشین مقرر کیا تھا۔ اور نہ ان کے بعد آنے والے مؤرخین اور تذکرہ نگاروں مثلاً محمد غوثی مانڈوی اور شہزادہ داراشکوہ نے اپنے تذکروں یعنی گلزار ابرار میں یہ بیان کیا ہے کہ شیخ صدر الدین عارف اپنے والد کی وفات کے

بعد ان کے جانشین کی حیثیت سے یا اجازت سے مسند ارشاد پر بیٹھے۔ [1] بلکہ کتب تاریخ وتذکرہ میں اس کے برعکس بیانات اور حوالے ضرور ملتے ہیں جس کی تفصیل ہم یہاں بیان کئے دیتے ہیں۔

شیخ کبیرؒ نے مولانا عراؔقی کو اپنا روحانی جانشین مقرر کیا

شیخ صدر الدین عارفؒ اپنی نسبی قربت سے قطع نظر اپنے علم وفضل، مجاہدہ وریاضت، ملکہ اجتہاد اورروحانی کمالات کے پیش نظر شیخ کبیرؒ کے روحانی جانشین اور درگاہ غوثیہ کے سجادہ نشین بننے کے اہل تھے لیکن شیخ کبیرؒ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کو موروثی شکل دینا نہیں چاہتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ اپنے شاگرد رشید اور مرید خاص شیخ فخر الدین عراؔقی کو اس منصب جلیلہ کا اپنے تمام خلفاء میں سے زیادہ اہل سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے شیخ فخر الدین عراقی کو اپنا روحانی جانشین نامزد کیا۔ [2]

---

[1] ۔ شیخ سماء الدین کنبوہ ملتانی۔ ملتان کے رہنے والے تھے۔ بعد میں ترک وطن کرکے دہلی میں آکر مقیم ہوگئے۔ ایک عرصے تک نتھمبور میں بھی ان کا قیام رہا۔ اپنے دور کے جید عالم اور برگزیدہ شیخ طریقت تھے۔ مولانا نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ قطب الملت شیخ سماء الملت والدین اگرچہ تمام مشائخ کبار میں آخری لیکن علوم ظاہر وباطن کے اعتبار سے ان کے اطوار میں جنیدؒ اور بایزیدؒ کے آثار نمایاں تھے۔ (مصنف)

[2] ۔ شیخ عراقی :نام ابراہیم لقب فخر الدین اور تخلص عراقی تھا والد بزرگوار کا نام شہر یار تھا اور ہمدان کے رہنے والے تھے بچپن میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھااور سترہ برس کی عمر میں دینی علوم کی تعلیم مکمل کر لی تھی۔ قرات کلام اللہ نہایت خوش الحان کیا کرتے تھے۔ عراقی شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے خواہرزادہ تھے اور حضرت شیخ الشیوخ سے ظاہری اور باطنی علوم میں فیض حاصل ہوا تھا۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے انہیں عراقی کا تخلص عطا کیا تھا اور انہیں جانے کا حکم دیا تھاایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ عراقی ہمدان کے مدرسے میں درس دے رہے تھے کہ کچھ قلندر غزل گاتے ہوئے گزرے، غزل کے اشعار سن کر عراقی پر حالت وجد طاری ہوگئی ایک قلندر بہت حسین تھااس کے حسن فانی کودیکھ کر شیخ عراقی کے دل میں

سید صباح الدین کی تحقیق
چنانچہ سید صاحب کی تحقیق کے مطابق شیخ کبیرؒ نے شیخ عراؔقی کو اپنا روحانی جانشین مقرر کیا تھا۔ سید صباح الدین عبد الرحمن (ایم اے) نے سلاطین ہند اور برعظیم کے علماء مشائخ اور تبلیغ اسلام کے حوالے سے قابل قدر تحقیقی کام کیا ہے۔ اور بزم صوفیہ کے علاوہ بزم مملوکیہ بزم تیموریہ مستند ومعتبر کتابیں تالیف کی ہیں سید صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے اپنے وصال کے وقت شیخ فخر الدین عراؔقی ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا تھا۔ [1]

مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت
شہرئہ آفاق شاعر اور معروف ممتاز تذکرہ نگار مولانا عبد الرحمن جامیؒ روایت کرتے ہیں کہ شیخ فخر الدین عراؔقی پچیس سال تک شیخ بہاء الدین زکرؒیا کی خدمت میں رہے۔ جب شیخ کی وفات قریب پہنچی تو شیخ فخر الدین کو بلوایا اور انہیں خلیفہ نامزد کیا اور خدا کی رحمت سے جاملے۔ [2]یہاں خلیفہ تو وہ پہلے ہی سے تھے اور اب انہیں روحانی جانشین مقرر کر دیا گیا۔

منفرد وممتاز غیر معمولی خصوصیات کا حامل منفرد وممتاز روحانی نظام

عشق حقیقی کا شغلہ بھڑک اٹھا چنانچہ کپڑے پھاڑے سر سے عمامہ اتار کر اسی وقت ان قلندروں کے ساتھ چل کھڑے ہوئے تھے۔ عراق عرب اورعجم کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان پہنچے اور ملتان میں قلندروں کے ساتھ خانقاہ بہائی میں قیام کیا۔ حضرت بہاء الدین زکرؒیا کی نظر ان پر پڑی تو انہوں نے پہچان کر التفات فرمایا اور اپنی دختر سے ان کی شادی کردی۔ شیخ عراقی ربع صدی تک حضرت بہاء الدین زکریا کی خدمت میں حاضر رہے حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے وصال کے وقت شیخ عراقی کو اپنا روحانی جانشین مقرر کیا۔ عراقی کی متکبرانہ نگارشات میں لمعات کے علاوہ ایک مثنوی اور ایک دیوان بھی ہے، انہوں نے اٹھائیس برس کی عمر میں ۶۸۸ھ/۱۲۸۹ء میں وفات پائی ان کا مزار شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے مزار کے قریب ہے۔

[1] ۔ بزم صوفیہ ص ۱۵۷۔

[2] ۔ نفحات الانس اردو ترجمہ مولانا سید احمد علی نظامی، ص ۱۳۸۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے برعظیم میں تصوف کے جس منفرد وممتاز سلسلے کے داغ بیل ڈالی تھی۔ اور تصوف کی جس نئی اور انقلابی روایت کے پیش نظر برعظیم میں جو روحانی نظام رائج کیا تھا وہ زبردست خصوصیات اور غیرمعمولی اوصاف کا حامل نظام تھا۔ اس روحانی نظام میں جہاں احکام شریعت کی سختی سے پابندی اور افراد انسانی کی اخلاقی وروحانی اصلاح وتربیت اور ان کی معاشی ومعاشرتی فلاح وبہبود جیسے اہم اُمور ومقاصد شامل تھے وہاں اس امر کا بھی خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا کہ یہ روحانی سلسلہ موروثی شکل اختیار نہ کرے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں شیخ کبیرؒ نے اپنے کسی بیٹے کو اپنا روحانی جانشین مقرر نہیں کیا اور نہ اپنے سات بیٹوں میں سے شیخ صدر الدین عارفؒ کے سوا کسی دوسرے بیٹے کو خرقہ خلافت ہی عطا کیا۔

سجادگی کو موروثی شکل دینا مقصود نہ تھا

شیخ کبیرؒ کے روئے عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے روحانی سلسلے کو موروثی شکل دینا نہیں چاہتے تھے انہوں نے اپنے بیٹوں میں سے کسی کو اپنا روحانی جانشین مقرر نہیں کیا۔ جن تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ شیخ کبیرؒ نے اپنے بڑے بیٹے شیخ صدر الدین عارؒف کو اپنا سجادہ نشین مقرر کیا تھا۔ انہوں نے یہ غلط لکھا ہے اور اس بیان کے ثبوت میں ان کے پاس کوئی تاریخی حوالہ موجود نہیں ہے۔ حتی کہ برعظیم کے نامور مؤرخ، محقق اور دانشور شیخ محمد اکرام نے شیخ صدر الدین عارؒف کی مسند نشینی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھ دیا ہے کہ: ”غالباً ہندوستان میں موروثی سجادہ نشیی کی یہ پہلی اہم مثال ہے جس کے بعد میں اُچ کے قادری پیروں نے بھی عمل کیا“۔[1]

[1] ۔ آب کوثر ،ص ۳۰۱۔

- **عروس البلاد، مدینۃالاولیاء ، قبۃ الاسلام ملتان کا ایک یادگار دن**
- ہر شہر کی ایک تاریخ ہوتی ہے اور اس تاریخ میں کچھ یادگار دن ہوتے ہیں۔
- ملتان کا شمار برعظیم پاک وہند ہی کے نہیں بلکہ پوری دنیا کے قدیم ترین تاریخی شہروں میں ہوتا ہے۔
- ملتان کی تاریخی اہمیت وعظمت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ اسے اسلامی دور میں عروس البلاد، مدینۃ الاولیاء اور قبۃ الاسلام کے نام سے موسوم کیا گیا اور اسلام سے پہلے بھی اس کی مذہبی وثقافتی اہمیت وعظمت مسلمہ ہے۔
- ملتان کی ایک شاندار، باقار تاریخ ہے اور اس تاریخ میں بہت سے یادگار دن ہیں۔
- ملتان کی تاریخ کا سب سے اہم دن وہ ہے جس دن اس شہر کو محمد بن قاسم نے فتح کیا۔
- ملتان کی تاریخ کا ایک اور اہم یادگار دن ۹ رمضان المبارک ۶۴۷ھ کادن ہے۔
- ۹ رمضان المبارک ۶۴۷ھ/۱۲۵۱ء کا دن عروس البلاد، مدینۃ الاولیاء قبۃ الاسلام ملتان کی تاریخ کا انتہائی خوشگوار، پر مسرت اور جانفزاء دن تھا اس مبارک دن عروس البلاد ملتان فی الحقیقت ایک دلہن کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ ہر طرف چہل پہل کا سماں تھا ہر سو خوشیاں اور مسرتیں رقص کناں تھیں۔ شہر کے کوچہ بازار کی رونقیں عالم شباب پر تھیں اور اہل شہر کے چہرے فخر وانبساط سے چمک رہے تھے۔
- یہ مبارک اور یادگار دن حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کی ولادت باسعادت کا دن تھا۔

ہمیں خدائے بزرگ وبرتر کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس نے برعظیم میں حضرت شاہ قطب الاقطاب کی ان تاریخ ساز

تعلیمات، ان کی قابل قدر تبلیغی و اصلاحی خدمات رفاہ عامہ اور اصلاح معاشرہ کے لئے ان کے مؤثر اور نتیجہ خیز اقدامات اور ان کے ناقابل فراموش تجدیدی کارناموں کے لئے ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہونا چاہئے کہ اس نے برعظیم میں حضرت شاہ رکن عالمؒ جیسے اولوالعزم مبلغین اسلام اور بزرگان دین کوجنم دیا۔اور شاہ رکن عالم کے حضور خراج عقیدت پیش کرنا چاہئے۔ حضرت قطب الاقطاب کی خدمت میں خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنی زندگی کے تمام معمولات اور معاملات میں کتاب اللہ اور سنت نبوی کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ مروجہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنی چاہئے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی سختی سے پابندی کی جائے۔ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی ادا کئے جائیں۔ طلب حلال کسب حلال اور رزق حلال کی خواہش رکھنی چاہئے۔ اپنے سے بڑوں کا ادب و احترام اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت ومہربانی کے ساتھ پیش آیا جائے۔ یتیموں، مسکینوں اور محتاجوں کی ہر ممکن امداد و اعانت کی جائے۔ معذوروں، محتاجوں کے دکھ درد کا مداوا کیا جائے ۔ ظالموں کو ظلم سے باز رکھنے کی سعی وکوشش کرنی چاہئے، صاحب اختیار افراد کو راہ راست پر چلنے کی تلقین کرنی چاہئے اور ہر حالت میں حسن وصداقت کے علم کو بلند رکھاجائے۔ اور اپنی ذات کی اصلاح کرنے کے علاوہ افراد انسانی کی اخلاقی وروحانی اصلاح وتربیت کرکے انہیں اعلیٰ اخلاق وآداب سے آراستہ کیا جائے تاکہ وہ نیک وبد، خیروشر، حلال وحرام اور جائز وناجائز میں فرق وامتیاز کرسکیں اور اولیائے کرام کے مختلف روحانی مقامات بیان کئے جانے چاہیے ان مقامات میں غوث ، قطب نقیب ابدال اور اوتاد اخیار اور ابرار وغیرہم شامل ہیں۔ اولیائے کرام کے یہ القاب ان کے روحانی منصب اور مرتبہ ومقام کی نشاندہی کرتے ہیں۔ شیخ ابوالفتح رکن الدینؒ اپنے وقت کے قطبوں کے قطب تھے۔

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالمؒ

صوفیاء کرام میں غوث قطب ابدال اور اوتاد کے القاب صدیوں سے رائج ہیں اور اکابر مشائخ نے ان الفاظ کو استعمال کیا ہے۔ سیدنا حضرت غوث الاعظمؒ کے روحانی مرتبہ ومقام کو بیان کرتے وقت غوث اور قطب جیسے الفاظ والقاب پر اکثر بزرگان دین نے روشنی ڈالی ہے ۔

طہارت ظاہری وباطنی

آپ سے ایک عقیدت مند نے جنابت کے بارے میں سوال کیا۔ تو دوسرے دن صبح کو جب میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھ کو دیکھتے ہی انہوں نے فرمایا ’’میں تمہارا بس منتظر تھا‘‘ پھر دوران گفتگو میں فرمایا : ’’جنابت دو قسم کی ہوتی ہے۔ جنابت جسم اور جنابت دل۔ جنابت جسم کا سبب تو بالکل واضح ہے۔ مگر جنابت دل ناہموار آدمیوں کی جمیت سے پیدا ہوتی ہے۔ جسم تو پانی سے پاک صاف ہو جاتا ہے لیکن دل کی جنابت آنکھوں کے پانی سے دور ہوتی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے پانی کے تین اوصاف بیان فرمائے۔ رنگ، مزہ اور بُو، پھر فرمایا کہ شریعت مطہرہ نے وضو کے دوران میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو اس لئے مقدم رکھا ہے کہ کلی کرنے سے مزہ معلوم ہوجاتا ہے اور ناک میں پانی ڈالنے سے اس کی بُو معلوم ہو جاتی ہے۔ پھر فرمایا جس طرح نبی کی صورت میں شیطان ظاہر نہیں ہو سکتا اسی طرح شیخ حقیقی کی صورت میں بھی شیطان ظاہرنہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شیخ حقیقی کو نبی پاک صاحب لولاکﷺ کی متابعت کاملہ حاصل ہوتی ہے۔‘‘

شیخ ظہیر الدین بیگ کا بیان ہے جس وقت حضرت شیخ رکن الدین عالم کی زبان سے یہ کلمات نکل رہے تھے تو اس وقت میرے جسم سے پسینہ جاری تھا۔ [1]

بعض تذکروں میں یہ لکھا ہے کہ حصرت قطب الاقطابؒ نے بالتفصیل وضو کے متعلق وضاحت کرنے کے بعد شیخ ظہیر

---

[1] ۔ اخبار الاخیار، از شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ۔

الدین بیگ سے مخاطب ہو کر فرمایا : ''مولانا صاحب اگرچہ آپ علوم ظاہری سے مالا مال ہیں لیکن علوم باطنی سے خالی ہیں۔''[1]

حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے :

''نہ ہر کہ سربتراشد قلندری داند ''۔[2]

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان
نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی
برہان

مسند نشینی

شیخ الاسلام قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ۲۳ ذی الحجہ ۶۸۴ھ/۱۲۸۵ء کو اپنے والد بزرگوار شیخ صدر الدین عارفؒ کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر رونق افروز ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۶ سال کی تھی۔ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ شاہ رکن عالمؒ اپنے دادا شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے براہ راست سجادہ نشین اور جانشین تھے۔ [3]

اس ضمن میں حضرت بہاء الدین زکریؒا کی بشارت اور شیخ رکن الدؒین کا نوعمری میں اپنے دادا کی دستار اپنے سر پر رکھ لینے والا واقعہ بیان کر چکے ہیں۔ ان واقعات سے اس امر کی واضح نشاندہی ہو چکی تھی کہ شیخ رکن الدین نہ صرف یہ کہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کی مسند ارشاد پر متمکن ہونگے بلکہ ان کی یہ

---

1. ڈاکٹر منظور جاوید خان۔ تاج داراولیاء، ص ۶۲۔
2. دیوان حافظ، ص ۲۳۴ مطبوعہ محمدی پریس کانپور۔
3. شیخ عبدالحق دہلویؒ اخبارالاخیار (اردو) ص ۱۴۲ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔ حضرت شیخ صدر الدین قدس سرہٗ کا وصال ملتان میں ۳ ماہ ذی الحجہ کو ظہر اور عصر کے درمیان ہوا۔ اگر حضرت بہاء الدین زکریاؒ کا سن وفات ۶۵۶ھ تسلیم کر لیا جائے تو شیخ صدر الدین عارفؒ کا سن وصال ۶۷۴ھ ہو سکتا ہے۔ صاحب مراۃ الاسرار نے شیخ صدر الدؒین کی عمر انہتر برس لکھی ہے اور ان کا سن وفات ۶۸۴ھ لکھاہے جو درست معلوم ہوتاہے۔ مؤرخ فرشتہ نے ان کا سن وفات ۷۷۶ھ لکھا ہے جو بالکل غلط ہے۔

تقرری حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے جانشین کی حیثیت سے ہوگی نیز یہ کہ وہ اپنے تبحر علمی روحانی کمالات اور دینی خدمات کے باعث برعظیم کے اس انتہائی اہم اور مؤثر روحانی سلسلے کے روشن چراغ ثابت ہونگے۔

شاہ رکن عالم ملتانیؒ نے مسند ارشاد پر بیٹھ کر رشد وہدایت کا سلسلہ شروع کیا تو ان کی دلآویز شخصیت قابل قدر ذاتی خصوصیات اور ان کے علم وفضل کے پیش نظر سلطان علاء الدین خلجی نے انہیں شیخ الاسلام کے منصب جلیلہ کی پیشکش کی جو انہوں نے منظور فرمائی۔ اس سے پیشتر ان کے والد ماجد اور ان کے دادا اس منصب عالی پر فائز رہ چکے تھے۔ غالباً یہ تاریخ اسلام کا پہلا اور آخری واقعہ ہے کہ شیخ الاسلام کا عہدہ ایک خاندان میں یکے بعد دیگرے باپ بیٹا اور پوتے کو ملا ہو اور پھرحضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ بھی اس منصب پر رونق افروز ہوئے۔

مولانا ظہیر الدین خٹک والی وہ روایت جو مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ نے مجمع الاخبار سے نقل کی ہے اور سیر العارفین والی وہ روایت جس میں حضرت قطب الاقطاب کی حضرت سلطان المشائخ سے ملاقات کے دوران مولانا علم الدین علامہ کے دل میں جو سوال پیدا ہوا تھا وہ دونوں بزرگوں نے جان لیا تھا۔ خاص طورپر قابل ذکر ہیں یہ دونوں روایتیں درجہ اسناد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ پہلی روایت کو ہم نے علم الدین علامہ کے دعویٰ سجادگی کے عنوان کے تحت اور دوسری روایت کو ''حضرت قطب الاقطاب اور حضرت سلطان المشائخ کی یادگار ملاقاتیں'' کے عنوان کے تحت قلمبند کیا ہے۔

حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کا شمار تاریخ اسلام کی انتہائی مقدس وبرگزیدہ ہستیوں،ایمان افروز شخصیات اور مقربان بارگاہ الٰہی میں ہوتا ہے۔ قطب الاقطاب شیخ رکن الدین ملتانیؒ علم وفضل میں یکتا، اخلاق وآداب میں فرد، زہد وورع اور صدق وصفا میں یگانہ روزگار اور سیرت وکردار میں بے نظیر وبے مثال تھے۔ صاحب دل افراد کے علاوہ تاریخ کے طالب علم اور ارباب دین ودانش بھی شاہ رکن عالم ملتانیؒ کی دلآویز شخصیات ان کے

تبحر علمی، ان کی تبلیغی سرگرمیوں، اصلاحی وتجدیدی خدمات اورروحانی کمالات سے آشنا ہیں اور یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ حضرت شاہ رکن عالم ملتآنی کی ذات سے کشف وکرامات اور خوارق وعادات کا ظہور بہت کثرت سے ہوا۔

گنبد بہ آفتاب درخشاں برابر است

منقبت در شان قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ

آں قلعہ کہن کہ برآں خانقاہ تست
از نور حق بہ طور فروزاں برابر است
پیوستہ روشن است مزار بلند تو
گنبد بہ آفتاب درخشاں برابر است
برسر ہمی نہند بہ حد ناز اہل دل
خاک درت بہ افسر خاقاں برابر است

این راز ہر گدائے درت کرد آشکار
درویش بے نیاز بہ سلطان برابر است
چوں فخر دیں کہ مرشد مصر وعراق شد
شان مرید تو بہ بزرگاں برابر است
در دامن تو دولت دنیا ودین بہم
باتباع سنت عثمانؓ برابر است
در سند وہند اشاعت اسلام کردہ
این کار توبہ فیض رسولاں برابر است
کافر بہ دیں رسیدہ ومومن بہ معرفت
احسان توبہ گبر ومسلماں برابر است
اے مرد حق ز منظر اوج کمال تو
چشم فلک بہ دیدئہ حیراں برابر است
آں دم بخود حیرت واین مدح سنج تو
گردوں نہ بامحمد اسد خاں برابر است۔[1]

صبح ملتان از گریبانش دمید
سید الکونین خورشید مبین
صد جہاں زوماہ وش کوکب جبین
جان و دل از جلوہ ہایش مستیز
دین ودنیا از نگاہش ضو پذیر
چشم او اخلاق صد تحسین بود
پک شعاعش شاہ رکن الدین بود
جرعہ ہای نور از جامش چکید
صبح ملتان از گریبانش دمید
این شعاع پاک چوں طلعت نمود
تیرگی از خطہ ملتان ربود
این شعاع خوش نظر خورشید زاد
ذرہ را تاپ مہ وخورشید داد

---

[1] ۔ محمد اسد خان اسد ملتانی۔

از ہزاراں قلب زنگ کفر شست
نخل دیں اندر دل کفار است
ای خنک دل ہاکہ از نورش تپید
جاں شد واسرار چاں می پردہ دید
صد ہزاراں کس ازد انساں شدند
صاحب دین ودل وایماں شدند
خطہ انوار شد ملتان ما
مرکز حق گشت کفر ستان ما
مانثار پائی آں عالی مقام
در شب ماجلوہ اش ماہ تمام
پر توافگن ہست فیضانش ہنوز
جلوہ ریز و ماہ تابانش ہنوز
قبہ اش جاں بخش وشوق افزائی ما
ہست نخل طور صحرائی ما ۔[1]

ءءء

نذرانہ عقیددت بحضور سرور کائنات فخر موجودات نبی کریمﷺعربی کلام بلاغت اللسان

[1] ۔ عاصی کرنالی۔

از حضرت قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیη

محمد خیر خلق اللہ کلہم
محمد خیر من فی العالمین سہم

محمد (ﷺ) تمام مخلوق سے بہتر وبرتر ہیں۔محمد (ﷺ)دونوں جہاں کے تمام اعلیٰ مرتبت انسانوں سے بالاتر ہیں۔

محمد کامل الاوصاف مرتفعا
محمد قدرہ یعلو علی الامہم

محمد (ﷺ)تمام صفات میں کامل اور بلند تر ہیں۔محمد ﷺکی قدر ومنزلت تمام امتوں سے اعلیٰ وافضل ہے۔

محمد جآئانا بالحق یرشدنا
ان لیس لعبد الاباری انفسہم

محمد (ﷺ)سیدھی راہ دکھانے اور سچی بات بتانے آئے۔اور وہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت ہرگز نہ کریں۔

وھو الشفیع اذا طال الوقون غدا
یوم القیمۃ یوم العرض

والندم

قیامت کے طویل دن میں آپ ﷺہماری شفاعت فرمائیں گے۔وہ قیامت کا دن جو ہمارے لئے پیشی اور ندامت کا دن ہے۔

من مثلہ بضیاء النور بغرنیہ
کذالک اللوح یعرف مع القلم

آپ ﷺکی مثل کون ہے جو اپنے نور کی چشمک سے پہچانا جائے۔آپ ایسی شخصیت ہیں جن کو لوح وقلم بھی پہچان لیتے ہیں۔

والشمس والبدر من انوار طلعتہ
مارت لخیر الوریٰ من جملۃ الخدم

اور سورج اور چودہویں کاچاند آپ ﷺکے نور سے منور ہیں۔یہ منجملہ تمام آپ کے اعلیٰ خدام میں سے ہیں۔

والعرش یشھد والکرسی معرفیہ
بان نور ھما من سید الامم

اور عرش اور کرسی بھی اس امر کا اعتراف کررہے ہیں۔کہ ان میں نور سید الامم کے نور میں سے ہے۔

محمد بنع الماء من انا مللہ
محمد مریفہ یشفی من السقم
محمد (ﷺ)وہ ذات ہے جن کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔محمد (ﷺ)کے لعاب دہن میں تمام امراض کے لئے شفا ہے۔

محمد جھرۃ جاء العیر لہ ملسما قبل الکفین والقدمہ
محمد (ﷺ)وہ ذات ہے جن کی خاطر اونٹ سلامکرتا حاضر ہوا اور آپ ﷺکے قدم چومنے لگا۔

لولا لا ماکان لا شمس ولہ قمر
ولانھار والالیل فضحتہ
اگر آپ ﷺکی ذات نہ ہوتی تو یہ سنتیں اور فرض بھی نہ ہوتے۔اور حج اور روزے اور حرم کا طواف بھی نہ ہوتا۔

لولاہ ما کانت الدنیا باجمعا
ولانبات والا شیء من النعم
اگر آپ ﷺنہ ہوتے تو اس دنیا میں کچھ بھی نہ ہوتا۔اور نہ کوئی سبزہ زار ہوتا نہ ہی کوئی اور شے ہوتی اور نہ اللہ کی نعمتیں ہوتیں۔

وجعل وصلاتک یا مولای
دائمۃ
علی الحبیب دوام اشھر
الحرم
یا الٰہی یا مولا ہمیشہ درود وسلام بھیجتے رہیو اپنے حبیب پر اور ہمیشہ نیکی پاکیزگی اور حرمت کے شہر تک۔

ثم الصلوٰۃ علی المختار
من مضر
خیر البریتہ من باک و
مبتم
درود شریف کو اثرات بد سے آپﷺ کے اختیار پر چھوڑا۔آپﷺ ساری مخلوق سے اچھے نیک اور صاف گو ہیں۔

ولہ الغر ولا اصھاب
قاطبۃ
یاسری البارق التجدی
علی الجسم
اور سلام ہو تمام آل رسول پر صاحبہ پر۔جب تک خیموں پر بجلی کی روشنی رہے گی۔

ءءء

در مدح

قطب الاقطاب شیخ الاسلام رکن الدین ملتانی η

ذات پاکش مرد ماں را از نظر مے پرورد
تاکہ ساز و لعل مہرش از حجرمے پرورد

ہست در تاثیر ارشادش اثر ہائے عجب
اے بسا اصحاب غفلت کز اثر مے پرورد

مست بے خبرم زجام غفلت از چہ لیک پیر
ز آب شفقت شجرۂ ایں بے خبر مے پرورد

بے نوا و برگ و بے پر بودم و آں فضل او
از بے برگی و نوائی برگ و برمے پرورد

شیخ رکن الحق و الدین شمع جمع اولیاء
بحرِ مہر گوہر قلب بشر مے پرورد

مرشد آفاق بو الفتح محمد آنکہ او
بس وجود بے ہنر را از ہنر مے پرورد

خلق را تا ثمرہ ارشاد من حاصل شود
شجرہ ام را از پئے ایثار برمے پرورد

حاکمِ مشکیں کہ جان اوست خاکِ در گہت
لطف تو مے پرورد گر خاک در مے پرورد

ععع

باب (۴)

شیخ رکن الدؒین کی حیات مبارکہ کے تین اہم ادوار

شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ کو دیگر اکابر مشائخ کی طرح وسیع تر بنیادوں پر تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ان کی زندگی کا پہلا دور ان کی ولادت، بچپن اور تعلیم وتربیت پر مشتمل ہے۔ یعنی انہوں نے کس خاندان میں، کس باپ کے صلب اور کس ماں کے بطن سے جنم لیا، کس ماحول میں پرورش پائی اور کن بزرگان دین اور اساتذہ کرام کی زیر نگرانی انہوں نے تعلیم وتربیت پائی؟ نیز یہ کہ وہ کونسے عناصر وعوامل اور اسباب ومحرکات تھے جنہوں نے ان کی تعمیر سیرت اور شخصیت سازی میں بنیادی اور فیصلہ کن کردار ادا کیا؟

ان کی زندگی کا دوسرا اہم دور ان کی حیات ارضی کے ان ماہ وسال پر محیط ہے جب انہوں نے سن شعور اور دور بلوغت میں قدم رکھا۔ یعنی جب انہوں نے اپنے والد ماجد سلطان العارفین شیخ صدر الدین عارف رحمۃ اللہ علیہ کے دور سجادگی میں تعلیم وتربیت سے فراغت پانے کے بعد اپنے والد گرامی ہی کی زیر نگرانی ملتان کی عظیم الشان خانقاہ اور مشہور زمانہ مدرسہ عربیہ بہائیہ اور ان سے متعلقہ وملحقہ دینی ورفاہی اداروں کے انتظام اُمور وفرائض انجام دیئے۔ اپنی زندگی کے اس دور میں جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد کے فیض صحبت سے روحانی منازل طے کئے اور انہوں نے انسانی نفسیات کو سمجھنے اور حقائق ودقائق کو جاننے کے علاوہ عوام وخواص کی اخلاقی وروحانی اصلاح وتربیت اور ان کی قیادت وراہنمائی کرنے کا عملی تجربہ بھی حاصل کیا۔ یہ دور فی الحقیقت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے

تزکیہ نفس، تصفیہ قلب اور اسلامی علوم وفنون کی تعلیم وتربیت کا دور تھا۔ چنانچہ اس اہم تربیتی دور میں شیخ رکن الدؒین کو اپنی ذہنی وفکری صلاحیتوں اور اپنی عملی قوتوں کے اظہار وبیان کے مواقع نصیب ہوئے۔ انہوں نے اصلاحی ورفاہی اور تبلیغ واشاعت کے کاموں میں سرگرمئی عمل کا مظاہرہ کیا اور ان سرگرمیوں کے علاوہ وہ مدرسہ عربیہ بہائیہ کے انتظام وانصرام میں اپنے مرشد اور والد محترم کے معاون ومددگار رہے۔ جس کے باعث عوام وخواص کے چھوٹے بڑے تمام طبقات سے ان کا براہ راست رابطہ قائم ہوا۔ اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ شیخ رکن الدینؒ بچپن ہی سے لوگوں کے دکھ درد کو محسوس کرتے تھے۔ خدائے بزرگ وبرتر نے انہیں ایک دل درد مند سے نوازا تھا اور وہ ضرورت مندوں اور محتاجوں کی امداد واعانت کے لئے ہمہ وقت آمادہ وتیار رہتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ بچپن ہی سے بزرگان دین کا حد درجہ ادب واحترام کرتے تھے اور اہل اللہ کی خدمت میں حاضری دینے اور درویشوں کی صحبت میں بیٹھنے کواپنی خوش نصیبی سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنی زندگی کے دوسرے دور میں قدم رکھا تو ان کے طبعی میلانات، بچپن کے عادات واطوار اور ان کے ذہنی وفکری رجحانات کو مزید قوت واستحکام حاصل ہوا۔ زندگی کے اسی دور میں انہوں نے کثرت عبادت وریاضت یعنی پوری دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ حقوق اللہ ادا کرنے کے باعث بارگاہ الٰہی میں اعلیٰ مدارج حاصل کئے اور اپنے حسن سلوک نیک اعمال اور خدمت خلق یعنی حقوق العباد ادا کرنے کی بدولت لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے کے علاوہ اپنے عہد کے علمی اور دینی حلقوں میں قابل قدر مقام بھی حاصل کر لیا۔ اور اسی دور میں انہوں نے اپنے ہمعصر علماء فضلاء اُمراء اور مشائخ کے ساتھ روابط ومراسم قائم کئے۔ جو اپنی جگہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ غرض یہ کہ انہوں نے اپنی زندگی کے دوسرے اہم دور میں ہمہ جہت ترقی کی۔ شیخ رکن الدؒین کی زندگی کے اس دوسرے دور کی نمایاں ترین خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اس دور میں تعلیم وتعلم، درس

وتدریس، اصلاح وفلاح اور رشد وہدایت کا وسیع عملی تجربہ حاصل کیا اور انہیں اپنے عہد کے مختلف النوع حالات سے آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے عوام وخواص کو درپیش اُمور ومسائل، ان کی مشکلات ومصائب اوران کے اخلاقی وروحانی عوارض کو سمجھنے کے وافر مواقع ملے۔ ان وجوہ کی بناء پر ان کی زندگی کا یہ دوسرا دور بھی ان کی زندگی کے پہلے اور تیسرے یعنی آخری دور کی طرح بہت اہم اور قابل ذکر ہے۔

شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کے حالات وواقعات یعنی ان کی زندگی کے پہلے دور کے احوال وآثار کو زیر مطالعہ کتاب کے باب سوم میں ''دودمان اور چراغ دودمان'' کے عنوان کے تحت بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔

نائب سجادہ کی حیثیت سے شیخ رکن الدینؒ کے فرائض

سلطان العارفین شیخ صدر الدین عارف رحمۃ اللہ علیہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو اس وقت شیخ رکن الدّین کی عمر سترہ اٹھارہ برس کی تھی۔ اور وہ اپنی تعلیم وتربیت کے آخری مراحل میں تھے۔ شیخ رکن الدینؒ نے اپنے والد گرامی کی زیر نگرانی اپنی تعلیم کو جلد ہی مکمل کرکے ظاہری وباطنی علوم میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے والد بزرگوار اور سجادہ نشین خانقاہ معلیٰ سہروردیہ ملتان شیخ صدر الدین عارفؒ کے فرائض منصبی میں ان کی معاونت کرنا شروع کی۔ اس زمانے میں سلطان العارفین کی زیرسرپرستی مدرسہ عربیہ بہائیہ سمیت متعدد تبلیغی اور رفاہی ادارے سرگرم عمل تھے جن کے انتظام وانصرام میں شیخ رکن الدینؒ اپنے والد بزرگوار کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اس طرح انہیں اپنے مرشد طریقت کے دور سجادگی میں ان کی زیر نگرانی خانقاہ معلی اور مدرسہ عربیہ بہائیہ اور ان دونوں سے متعلقہ وملحقہ اداروں کے انتظامی فرائض سے عہدہ براء ہونے کے وافر مواقع حاصل ہوئے۔ جیسا کہ ایک مقامی تذکرہ نگار نے اپنی تالیف ''تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانی'' میں لکھا ہے کہ قطب الاقطاب

حضرت شاہ رکن عالمؒ دوپہر تک اوراد معمولہ میں مصروف رہتے تھے بعدازاں خانقاہ معلیٰ جس کے کئی شعبے تھے کے انتظام میں اپنے والد ماجد کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ نیز یہ کہ شیخ صدر الدین عارفؒ کے عہد میں ان کی حیثیت نائب سجادہ کی تھی۔ [1]

اندریں حالات یہ دعویٰ بجا طور پر کیا جا سکتا ہے کہ شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد گرامی کے کم وبیش بیس سالہ طویل دور سجادگی میں نہ صرف اپنی تعلیم وتربیت کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور عرفان وآگہی کے منازل طے کئے بلکہ انہوں نے اسی دوران مختلف دینی،تبلیغی، رفاہی، اصلاحی اور تعلیمی اداروں کے اغراض ومقاصد طریق کار اور انتظامی اُمور سے کماحقہ واقفیت حاصل کر لی تھی۔ گویا کہ شیخ رکن الدینؒ نے مسند ارشاد پر رونق افروز ہونے سے پہلے ہی ایک مرشد طریقت کی ہمہ جہت ذمہ داریوں اور منصب شیخ کے ہشت پہلو فرائض کو ادا کرنے کی باقاعدہ اور بھرپور عملی تربیت حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ جب وہ اپنے والد ماجد اور اپنے دادا بزرگوار شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا سہروردیؒ کے روحانی جانشین کی حیثیت سے مسند آرائے خلافت ہوئے تو اس وقت وہ نہ صرف یہ کہ مرشد طریقت کے منصب اعلیٰ پر متمکن ہونے کے لئے ذہنی وفکری طور پر تیار تھے۔ اور اس منصب کے لئے درکار صفات اور مطلوبہ خصوصیات سے پوری طرح آراستہ تھے بلکہ وہ اس منصب سے منتسب تمام فرائض سے عہدہ براء ہونے اور اس کے عظیم اخلاقی وروحانی مقاصد کی تحصیل وتکمیل کیلئے کشف وکرامات، نور بصیرت اور علمی کمالات کے علاوہ وافر اور کار آمد علمی تجربہ بھی رکھتے تھے وہ ایک انتہائی کامیاب مبلغ، منفرد وممتاز معلم، تاریخ ساز مصلح اور عظیم المرتبت مرشد طریقت ثابت ہوئے۔

اسلام مکمل ضابطۂ حیات

---

[1] ۔ تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی، ص ۳۹

صحیفہ انقلاب قرآن حکیم ان معنوں میں رشد وہدایت کی کتاب نہیں ہے جن معنوں میں یہود ونصاریٰ اپنی مذہبی کتابوں کو راہنما کتب قرار دیتے ہیں اور نہ اسلام ان معنوں میں مذہب ہی ہے جن معنوں میں اسلام کے سوا دنیا کے دیگر تمام مذاہب کے ماننے والے مذہب کی اصطلاح کو سمجھتے اور استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے کہ دیگر مذاہب کی طرح اسلام صرف مجرد اصولوں کے مجموعے کا نام نہیں کہ اس کو روز مرہ کی انسانی زندگی کے حالات وواقعات آئے دن کے پیدا ہونے والے سیاسی ومعاشی اُمور ومسائل اور نت نئے معاشرتی تغیرات سے الگ کیا جاسکے۔ دوسرے لفظوں میں دیگر مذاہب وادیان کی طرح اسلام محض عبادات ومناقب کا مرقع نہیں ہے بلکہ اسلام فی الحقیقت مذہب بھی ہے اور سیاست بھی۔ اقتصاد بھی ہے اور تمدن بھی۔ ادب بھی ہے اور معاشرت بھی۔

پیغمبر انقلاب ختم الرسل خیر البشر آنحضرتﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ملک اور دین دوجڑواں بچے ہیں جنہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا''۔

قرآن حکیم میں صفائی کیلئے طہارت کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے لفظی معنی ہیں پاکیزگی یا کسی چیز سے نجاست کا دور ہو جانا اسے ستھرا پن اور میل کچیل کے زائل ہو جانے کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ شریعت میں جسمانی اور قلبی دونوں طہارتوں پر زور دیا گیا ہے چنانچہ قرآن حکیم میں طہارت کا لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے اس لئے کہ ہر قسم کی دنیوی کثافتوں اور نجاستوں سے پاک وصاف ہو کر اور ہر نوع کے اخلاقی برائیوں سے دور رہ کر ہی صحیح معنوں میں مسلمان بنا جاسکتا ہے۔

اسلام میں پاکیزگی اورطہارت کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ رسول اکرمﷺ پر ''اقراء باسم ربک'' کے بعد جو دوسری سورۃ نازل ہوئی وہ طہارت کے بارے میں تھی۔ علاوہ ازیں طہارت کے

بارے میں قرآن حکیم میں کئی مقامات پر ذکر ملتا ہے اور خدائے بزرگ وبرتر نے نہ صرف طہارت کی اہمیت کو واضح کیا ہے بلکہ مسلمانوں کو پاک وصاف رہنے کی تلقین وتاکید کی ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ حضرت مریم علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ خدا نے تمہیں منتخب کر لیا ہے اور وہ تمہیں اہل ہیکل کی ناپاک نگاہوں سے پاک وصاف رکھے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :

’’عائلی قوانین کی اطاعت سے انسان پاک وصاف ہوتا ہے‘‘۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو مصحف مطہرہ یعنی پاکیزہ کتاب قرار دیا ہے اور فرمایا کہ قرآن حکیم سے صرف وہی لوگ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جو اپنے خیالات کو غیر قرآنی تصورات سے پاک وصاف کر لیں۔

صحت وصفائی کی اہمیت اور اس کی فرضیت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہ تک فرمادیا ہے کہ :

’’اللہ تعالیٰ پاک وصاف لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔‘‘

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ اگر ایک مرد کو تعلیم دی جائے تو اس سے صرف ایک فرد کی اصلاح ہوتی ہے اور اگر ایک عورت کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا جائے تو پورے خاندان کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اس قول کا اطلاق شعبہ تعلیم کی نسبت صحت کے میدان میں کہیں زیادہ ہوتا ہے ۔ یعنی اگر ایک مرد صحت کے اصولوں پر کاربند ہے تو صرف ایک فرد کی صحت وصفائی قائم وبرقرار رہتی ہے لیکن اگر ایک عورت بالخصوص مسلمان عورت صحت وصفائی کے اصولوں پر کاربند ہے اور اپنی انفرادی صحت کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے گھر اپنے بچوں اپنے خاندان اور اپنے ہمسایوں کا خیال رکھتی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پورے معاشرے کی صحت وصفائی کا خیال رکھتی ہے اس طرح مسلمان خواتین اس خوبصورت وخوشنما اور پاکیزہ معاشرے کو تشکیل دینے میں اہم کردار ادا کرسکتی ہے جس

معاشرے کی بنیاد پیغمبر اسلام محمد مصطفیٰﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں رکھی تھی اور جس معاشرے کو جلیل القدر صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ نے اپنے خون جگر سے سینچا تھا اور جس معاشرے کیلئے اسلامیان برصغیر نے قائد اعظم محمد علی جناح کی بے مثال بے لوث قیادت میں پاکستان حاصل کیا تھا۔ (وما علینا الاالبلاغ)

ظاہر ہے کہ یہ سب کام مرد تنہا انجام نہیں دے سکتا۔ پھر یہ سب احکام صرف مردوں کیلئے نہیں ہیں بلکہ تمام عاقل وبالغ مسلمان مردوں اور عورتوں پر فرض کئے گئے ہیں۔ اس لئے نہ صرف خواتین نے ان احکام پر عمل کرنا ہے بلکہ ایک ذمہ دار ماں، درد مند بیٹی پُر خلوص بہن اور فرماں بردار بیوی کی حیثیت سے اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ طہارت اور پاکی کے احکام کو رُوبہ عمل لانے میں مردوں کے ساتھ بھرپور عمل اشتراک تعاون کرنا ہوگا بلکہ ایک خوبصورت وخوشنما اور پاکیزہ معاشرہ تشکیل دینے کیلئے دن رات محنت اور لگن سے کام کرنا ہوگا۔ اس لئے کہ انفرادی صفائی کے علاوہ گھر کی صفائی کا فرض بھی خواتین کی ذمہ داری ہے۔ جو اپنی جگہ بہت اہم ہے پھر عورتوں کو اپنے گھر ہی کو صاف ستھرا نہیں رکھنا ہوتاہونا بلکہ اپنے بچوں کی صحت اور صفائی کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے۔ عورتیں اگر ان فرائض اور ذمہ داریوں کی طرف توجہ نہ دیں تو گھر جہنم کا نمونہ بن کر رہ جائیں۔ پھر گھر اور بچوں کی صفائی کے علاوہ عورتوں پر معاشرے کی صحت وصفائی کی بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اگر وہ اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر اور صاف ستھرے سے کپڑے پہنا کر سکول نہ بھیجیں تو نہ صرف ان کے بچوں کی صحت تباہ وبرباد ہو جائے بلکہ پورے معاشرے میں وبائی بیماریاں پھیلنے کے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔

ان قرآنی آیات سے طہارت وپاکیزگی کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے کہ نزول قرآن کی ترتیب کے اعتبار سے رسول اکرمﷺ پر نازل ہونے والی دوسری سورۃ طہارت ہے۔ یعنی پہلی آیت مبارکہ ’’اقراء باسم ربک ‘‘کا تعلق پڑھنے یعنی علم سے ہے اور قرآن مجید فرقان حمید کی دوسری آیت مبارکہ

کا تعلق طہارت یعنی جسمانی اور باطنی پاکیزگی کے ساتھ ہے۔ قرآن حکیم کی ترتیب نزول کے علاوہ دیگر آیات قرآنی اور ارشادات نبویﷺ سے بھی صحت وصفائی کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ رسول خداﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ ''پاکی نصف ایمان ہے''۔ طہارت یعنی صحت وصفائی کی اس اہمیت کے پیش نظر فقہاء اور محدثین نے حدیث اور فقہ کی کتابوں میں طہارت کے موضوع کو سب سے پہلے بیان کیا ہے۔

''لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق'' (حدیث)

ترجمہ: جہاں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو وہاں کسی بندے کی اطاعت فرض نہیں رہتی۔

اور مذاہب کی طرح اسلام صرف چند مجرد اصولوں کا نام نہیں کہ اس کو روز مرہ کی زندگی اور آئے دن کے پیدا ہونے والے مسائل سے الگ کیا جاسکے۔

اسلام: مذہب بھی ہے اور سیاست بھی۔ اقتصاد بھی ہے تمدن بھی۔ ادب بھی ہے اور معاشرت بھی۔ ارشاد نبویﷺ ہے :

''الملک والدین توامان''۔

ملک اور دین دو جڑواں بچے ہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔

اسلام نے دین کی رہبانیت کو ختم کرکے اس کے ساتھ سلطنت ملائی اور سلطنت کی ملوکیت کو ختم کرکے اس کو خلافت کا جامہ پہنایا۔ قصہ مختصر اسلام رہبانیت نہیں کہ اسے حکومت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ مسلمان شروع ہی سے اس اصول کو مانتے آئے ہیں کہ حکومت اور مذہب کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک گروہ ایسا بھی رہا جو اس معاملے میں بہت سخت تھا اور اس نے ''لاحکم الا اللہ'' کے تحت یعنی اللہ کے سوا کسی کا حکم قابل قبول نہیں۔ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بعد کسی مسلمان خلیفہ کی اطاعت نہیں کی۔ یہ رحجان آج بھی برصغیر کی بعض جماعتوں میں پایا جاتا ہے۔

چودہ طویل صدیاں گزر جانے کے باوجود یہ حقیقت آج بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ خدائے بزرگ وبرتر نے قرآن حکیم کی صورت میں جو ضابطہ حیات نازل فرمایا تھا وہ فی الحقیقت

ایک ایسا جامع منشور سیاست اور مؤثر دستور معیشت ہے جو ہر روز اور ہر زمانے میں حیات انسانی کے ہر شعبے میں ہماری مکمل رہنمائی کرتا ہے۔

پھر قابل ذکر امر یہ ہے کہ خدائے علیم وخبیر نے ہمیں اسلام کا ضابطہ حیات عطا کرکے خلاء میں معلق نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ پیغمبر انقلاب آنحضرتﷺ نے نہ صرف بنفس نفیس اس ضابطہ حیات پر عمل کرکے دکھایا بلکہ وہ تمام اثرات ونتائج پیدا کرکے دکھائے جن کا اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم پر چلنے والے متقی اور مومن بندوں سے وعدہ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسوہ رسول اللہﷺ کو ہمارے لئے بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔

صاحب دل بزرگان دین کے علاوہ اسلامی تعلیمات اور تاریخی حقائق وشواہد پر گہری نظر رکھنے والے ارباب حکمت ودانش غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلآویز شخصیت آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تبحر علمی آپؒ کی تبلیغی خدمات اور روحانی کمالات سے آشنا ہیں لیکن مبلغ اسلام اور مجدد دین ہونے کی حیثیت سے غوث الاعظمؒ نے جو شاندار اور ناقابل فراموش تجدیدی اور اصلاحی کارنامے انجام دیئے اور تبلیغ اسلام کے باب میں جو پیغمبرانہ انداز اختیار کیا اور اس ضمن میں جو بے مثال اور تاریخ ساز کامیابیاں حاصل کیں ان پر ابھی پوری تحقیق نہیں ہوئی جس کے باعث عوام الناس غوث الاعظمؒ کے پیش نظر تبلیغی مقاصد اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیغمبرانہ تعلیمات سے پوری طرح آگاہ نہیں ہیں اور نہ آپؒ کے پیغمبرانہ انداز تبلیغ سے واقف ہیں۔ یہی وہ وجہ ہے کہ عصر حاضر میں جو جماعتیں اور تنظیمیں تبلیغ اسلام میں سرگرم عمل ہیں ان کی تبلیغی سرگرمیوں کے مفید ومؤثر اور مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہو رہے ہیں۔

چنانچہ ہر نوع کی تبلیغی سعی وکوشش اور اصلاحی سرگرمیوں کے مطلوبہ نتائج پیدا کرنے اور پیغمبر آخر الزمانﷺ کے نور ہدایت کو ظلمت کدہ دہر میں جگمگانے کیلئے ہمیں غوث الاعظم کی تعلیمات کا سہارا لینا ہوگا اور آپؒ کے اختیار کردہ انداز تبلیغ اپنانا ہوگا اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ مستند تاریخ مرتب کی جائے۔

بہتر ین عمل

آپ کے حالات، مکاشفات، مہمان نوازی اور توکل سے پُر تھے آپ ہر شب مہمانوں کے ہمراہ کھانا تناول فرماتے۔ ضعیف اور کمزور لوگوں کی ہم نشینی اختیار کرتے۔ آپ کی صحبت میں بیٹھنے والا ہر فرد یہی محسوس کرتا کہ سب سے زیادہ شفقتیں آپ کی اسی پر ہیں۔

روزانہ رات کو آپ کا ایک خادم روٹیوں کا طباق لئے ہوئے دروازہ پر کھڑا ہو کر صدا لگاتا۔ کیا کسی کو روٹی کی ضرورت ہے؟ کیا کسی کو رات بسر کرنے کیلئے جگہ درکار ہے؟

آپؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ

’’جب میں نے تمام اعمال کی چھان بین اور جستجو کی تو مجھے معلوم ہوا کہ سب سے بہتر عمل کھانا کھلانا اور حسن اخلاق سے پیش آنا ہے اور اگر میرے ہاتھ میں پوری دنیا کی دولت دے دی جائے تو میں اس کو بھوکوں کو کھانا کھلانے میں صرف کردوں۔ کیونکہ میرے ہاتھ میں سوراخ ہیں جن میں کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی اور اگر میرے پاس ہزاروں دینار آجائیں تو میں رات گزرنے سے قبل ہی خرچ کر ڈالوں۔ ‘‘

حافظ عبد اللہ برزانی نے اپنی کتاب الشیخۃ البغدادیۃ میں رشید بن مسلم کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بیک وقت حنبلی اور شافعی مسلک کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، فقہاء وفقراء اور عوام میں آپ کو مقبولیت تامہ حاصل تھی۔ گویا کہ آپ اسلام کے ایک اہم ستون سمجھے جاتے تھے جن سے عوام وخواص مستفیض ہوا کرتے تھے۔ آپ کی ذات مستجاب الدعوات رقیق القلب اور علم دوست تھی۔ آپ کے خلق اور سخاوت کو بھی شہرت تامہ حاصل ہوئی تھی۔ آپ دائم الذکر اور کریم النفس تھے۔

اسلام ہر مسلمان کو مبلغ دیکھنا چاہتا ہے اور منشائے ایزدی یہ ہے کہ اخوت ومساوات، عدل وانصاف، قربانی وایثار، اخلاص واحسان، صداقت ودیانت اور راستبازی ورواداری کے قرآنی اصولوں کے مطابق ایک پاکیزہ معاشرہ تشکیل دیا جائے اس لئے ہم سب پر لازم ہے کہ ہم خدا کی زمین پر خدا کے قوانین کو نافذ کرنے کی ہر ممکن سعی وکوشش کریں اور اپنے قومی

مفادات کی حفاظت، اپنی عزت وآزادی کی نگہبانی، اسلامی اقدار وروایات کی پاسداری، اور ملکی سالمیت وبقاء کیلئے اپنی زندگی وقف کرنے کے علاوہ اصلاح معاشرہ، فلاح عوام اور خدمت خلق کا دینی فریضہ بھی ادا کریں۔ یہ وہ اعلیٰ وارفع اسلامی مقاصد ہیں جن کی تحصیل وتکمیل کیلئے قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ زندگی بھر سرگرم عمل رہے۔ حضرت قطب الاقطاب نے اپنی ساری زندگی اصلاح معاشرہ اور خدمت خلق میں گزار دی اور تصوف کے بارے میں اس حقیقت کو عملی طور پر ظاہر وثابت کردیا :

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح وسجادہ ودلق نیست ۔ [1]

(سعدی شیرازیؒ)

پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں نے تصنیف وتالیف اور تحقیق کے میدانوں میں اپنی عظمتوں کے پرچم گاڑ دیئے تھے اور سائنس ٹیکنالوجی کے شعبوں میں صحابہ کرامؓ نے شاندار اور ناقابل فراموش خدمات انجام دی تھیں ابوعبد الرحمن امیر معاویہؓ تاریخ اسلام کے پہلے امیر البحر اور اسلامی بحریہ کے بانی تھے اور ان کے پوتے خالد بن یزید نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرکے علم وفضل اور تحقیق وجستجو کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ خالد بن یزید مسلمانوں میں پہلا شخص تھا جس نے یونانی اور سریانی زبانوں کی کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کرنے کیلئے ایک دار الترجمہ قائم کیا۔ ذاتی کتب خانے میں ہزاروں کی تعداد میں اہم اور نادر کتابیں موجود تھیں وہ بذات خود عالم فاضل محقق ہونے کے علاوہ ارباب علم ودانش

---

[1] ۔ سعدی شیرازیؒ فارسی زبان کے صف اول کے ادیب، شاعر اور نامور مفکر ہونے کے علاوہ ایک قابل قدر صوفی بھی تھے ان کا شمار شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے معتقدین خاص اور مریدین باصفا میں ہوتا تھا۔

اور سائنسدانوں کا مربی اور سرپرست بھی تھا۔ اسے بجا طور پر تاریخ اسلام کا اولین کیمیاء دان قرار دیا جاتا ہے۔

غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ اگر تاریخ اسلام کے اس اہم مرحلے پر تبلیغ اسلام اور تجدید واحیائے دین کا فریضہ ادا نہ کرتے تو ملت اسلامیہ اور اسلامی عقائد واقدار میں ویسی ہی وسیع وعریض خلیج حائل ہو جاتی جو یہود ونصاریٰ کی تاریخ میں عہد عتیق اور عہد جدید کی تعلیمات اور یہودیوں اور مسیحیوں کے تعلیم یافتہ افراد کے درمیان حائل ہو چکی ہے۔

غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے در پیش خطرات وخدشات کا صحیح اندازہ اور عصری تقاضوں کی مناسب پذیرائی کرتے ہوئے اسلام کی تبلیغ اورتفہیم وتشریح اس طور اور اس انداز سے کی کہ اُمت مسلمہ کا ذہنی وفکری رشتہ اور اسلامی عقائد واقدار کا روحانی رابطہ پیغمبر آخر الزمانﷺ کی ذات اقدس سے دوبارہ قائم ہوگیا۔ یہ اس پیغمبرانہ انداز تبلیغ کا اثر واعجاز تھا جو غوث ااالاعظمؒ نے اختیار کیا تھا پھر یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے اور یہ بھی غوث الاعظمؒ کے اس پیغمبرانہ انداز کی کرشمہ سازی ہے کہ آپؒ نے اپنی تعلیمات کی صورت میں ایسے گنج ہائے گرانما یہ اور اپنے ایسے روحانی جانشین اور معتقدمین چھوڑے ہیں جو ہر ملک وقوم اور ہر زمانے میں تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرتے چلے آئے ہیں اور یہ ایمان افروز سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا۔

قرآن حکیم ان معنوں میں رشد وہدایت کی کتاب نہیں جن معنوں میں یہود ونصاریٰ اپنی مذہبی کتابوں کو راہنما کتب قرار دیتے ہیں اور نہ اسلام ان معنوں میں مذہب ہے جن معنوں میں اسلام کے سوادنیا کے دیگر تمام جدید وقدیم مذاہب وادیان کے ماننے والے مذہب کی اصطلاح کو سمجھتے اور استعمال کرتے ہیں اس لئے کہ اسلام محض عبادات ومناجات کے مجموعے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ فی الحقیقت ایک ایسا منشورسیاست، دستور معیشت اور آئین سیاست ہے جو زندگی کے ہر شعبے پر محیط

ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں حیات انسانی کے ہر مسئلے میں ہماری مکمل راہنمائی کرتا ہے۔

پھر قابل ذکر امر یہ ہے کہ خدائے بزرگ وبرتر نے ہمیں اسلام کا ضابطہ حیات یعنی قرآن حکیم عطا کر کے خلاء میں معلق نہیں چھوڑ دیا بلکہ پیغمبر آخر الزمانﷺ نے اس ضابطہ حیات پر بنفس نفیس عمل کرکے دکھایا اور اللہ تعالیٰ نے اسوہ رسول اللہﷺ کو ہمارے لئے بہترین نمونہ قرار دیا۔ ارشاد خداوندی ہے کہ :

’’بلاشبہ تم میں سے ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور روز قیامت سے ڈرتے اور کثرت سے یاد الٰہی کرتے ہیں رسول خدا (کی زندگی) میں پیروی واتباع کے لئے ایک عمدہ نمونہ ہے۔‘‘

اس ارشاد خداوندی سے یہ حقیقت نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ انسان اپنی اخلاقی وروحانی اصلاح وتربیت کے لئے کسی عمدہ نمونے کا محتاج ہے۔ نیز یہ کہ رسول اکرمﷺ کی حیات طیبہ یہ قابل تقلید نمونہ پیش کرتی ہے۔

٭٭٭

اسلام کی انقلابی تعلیمات اور عالمگیر پیغام

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو بنی نوع انسان کیلئے پسند کیا اور پیغمبر آخر الزمان محمد مصطفیٰﷺ پر اپنے پسندیدہ دین کی تکمیل کردی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بعثت نبویﷺ کے مقاصد کو اس آیت میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

’’ہو الذی بعثت فی الامیین رسولا منہم یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین‘‘۔[1]

یعنی وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اُمیّوں میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث کیا جو :

- انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔
- اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے۔
- اور انہیں کتاب (کی تعلیم دیتا ہے)۔
- اور حکمت سکھاتا ہے۔
- اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

بعثت نبویﷺ کے چہارگانہ مقاصد کی تحصیل وتکمیل کیلئے آنحضرتﷺ نے اعلان نبوت کے ساتھ ہی تبلیغ اسلام کا سلسلہ شروع کردیا ۔ اہم اور بنیادی فریضہ آپﷺ زندگی بھر تسلسل وتواتر اور پورے جذبہ وجوش کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ رسول اکرمﷺ نے جب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین کی طرف آنے کی دعوت دی تو قریش مکہ نے آپﷺ کی دعوت کو قبول کرنے کی بجائے آپﷺ پر بے پناہ مصائب ڈھائے نیز جن معدودے چند افراد نے اسلام قبول کیا تھا ان کو ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا۔

---

[1] ۔ القرآن، ۶۲ض۲۔

قریش مکہ نے رسول خدا کی زبردست مخالفت کی اور آپﷺ کو تبلیغ اسلام سے باز رکھنے کی ہر ممکن سعی وسازش کی۔ آپﷺ کی راہ میں کانٹے بچھائے گئے۔ چہرہ مبارک پر گندگی گرائی گئی۔ پشت مبارک پر اونٹ کی غلاظت رکھی گئی۔ گردن مبارک میں پھندا ڈالا گیا۔ جس کے باعث آپﷺ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔[1]

ان بیشمار زیادتیوں کے ساتھ بدزبانیاں بھی کی گئی۔ کسی نے آپﷺ کو ''مجنوں'' اور ''شاعر'' کہااور کسی نے آپﷺ کو ''سامر'' اور ''جادوگر'' کا لقب دیا۔ لیکن آپﷺ نے نہ صرف ان تمام سختیوں زیادتیوں اور بدزبانیوں کو خندہ پشیانی سے برداشت کیا اور کبھی شکایت یا کوئی گلہ اپنی زبان مبارک پر نہ آنے دیا بلکہ اپنے دینی فریضے یعنی تبلیغ اسلام کو برابر جاری رکھا۔

اسلام دین انسانیت ہے۔ یہ ہمیں مکارم اخلاق، محاسن روح اور معارف نفس کی حکمتوں سے آشنا کرتا ہے۔ خدائے بزرگ وبرتر کا پسندیدہ دین اسلام انسان کو حیوانوں کی سطح سے بلند وبالا کرکے اسے احسن التقویم کا مظہر بناتا ہے تاکہ وہ اس وسیع وعریض کائنات میں قدرت کاملہ کا شاہکار بن کر عبدیت وبندگی کے مقام پر فائز ہو سکے جو حضرت انسان کی تخلیق کا مقصد بھی ہے اور منشائے ایزدی بھی۔

اسلام جو دین انسانیت ہے وہ دنیا کے دیگر مذاہب کی طرح نہ تو محض افکار وعقائد اور عبادات ومناجات کے مجموعے کا نام ہے اور نہ اس میں حیات انسانی کو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اسلام جو دین انسانیت ہے وہ نہ تو کسی نوع کی فرقہ پرستی، نسلی مفاخرات اور لسانی علاقائی یا قبائلی امتیازات کاقائل ہے اور نہ دین اور دنیا کی الگ الگ درجہ بندی کی اجازت دیتا ہے۔

اسلام دین انسانیت ہے وہ حیات انسانی کو ایک وحدت قرار دیتا ہے اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں خواہ ان کا تعلق دینی افکار

---

[1] ۔ بخاری ، باب مالقی النبیﷺ من المشرکین۔

وعقائد سے ہو یا معروضی حالات سے ہو ان سب میں مکمل ہم آہنگی، یک رنگی اور یکسانیت دیکھنا چاہتا ہے۔

لیکن بدقسمتی سے مسلمان حکمرانوں نے اسلام کے اس بنیادی اصول کو یکسر فراموش کردیا۔ انہوں نے اپنی ذات، طبقہ اُمراء اور عوام الناس کی الگ الگ درجہ بندی کرلی اور عملاً سیاست کو دین سے جدا کرکے اپنے مقاصد کی تکمیل کرنا چاہی۔ حالانکہ ان کے سامنے محمد بن قاسم کی مثال موجود تھی۔ جس نے سندھ اور ملتان میں اسلامی طرز کی حکومت قائم کی تھی۔ سلاطین دہلی اگر چاہتے تو محمد بن قاسم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے برعظیم میں ایک اسلامی حکومت تشکیل دے سکتے تھے جو طبقاتی تقسیم سے مبّرا ہوتی ہے۔

توحید اسلام کے بنیادی ارکان کا رکن اول اور کلمہ طیبہ کی اصل ہے۔ ہر دور اور ہر زمانے کے صوفیاء نے تصور توحید پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے اصولی اور نظری پہلوؤں کی وضاحت کرنے کے علاوہ اسلام کے اس بنیادی رکن پر کامل واکمل انداز میں عمل کرکے دکھایا ہے۔

صوفیاء کا نظریہ توحید

نظریہ توحید کے بارے میں صوفیاء کے اقوال کی تشریح کرتے ہوئے امام ابوبکر بن ابواسحاق الکلاباذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

’’تمام صوفیاء کا اجماع ہے کہ اللہ ایک ہے، تنہا ہے، منفرد ہے، بے نیاز ہے، قدیم ہے، عالم ہے، قادر ہے، زندہ ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، غالب ہے، عظیم ہے، جلیل ہے، کبیر ہے، سخی ہے، مہربان ہے، بہت بڑا ہے، جبار ہے، باقی ہے، اول ہے، معبود ہے، سردار ہے، مالک ہے، پروردگار ہے، رحمٰن ہے، رحیم ہے، ارادہ کرنے والا ہے، کلیم ہے، متکلم ہے، خالق ہے، رازق ہے اور ان تمام صفات سے متصف ہے جو اپنی صفات اس نے بیان کی ہیں اور ان تمام اسماء سے موسوم ہے جو اس نے اپنے لئے مقرر کر رکھے ہیں۔ وہ اپنے اسماء اور صفات کے ساتھ

ازل سے موجود ہے اور وہ کسی لحاظ سے بھی مخلوق کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا۔ نہ اس کی ذات دیگر ذاتوں سے مشابہت رکھتی ہے، نہ اس کی صفات تمام وہ اُمور جن سے مخلوق کے حادث ہونے کا پتہ چلتا ہے ان کا اس پر اطلاق نہیں ہو سکتا۔ وہ ازل سے ہے سب سے پہلے ہے اس کے سوا نہ کوئی قدیم ہے اور نہ اس کے سوا کوئی معبود، نہ وہ جسم ہے نہ شبیہ، نہ صورت، نہ وجود، نہ جوہر اور نہ عرض، نہ وہ جمع ہوتا ہے اور نہ متفرق، نہ متحرک اور نہ ساکن، اس میں کمی یا بیشی نہیں ہو سکتی۔ اس کے نہ اجزاء ہیں نہ حصے، اس کے نہ جوارح ہیں نہ اعضاء نہ اس کی کوئی جہت ہے نہ مکان اس پر آفات کا اثر نہیں پڑ سکتا اور نہ اسے اونگھ آتی ہے اور نہ اشارے اسے معین کرسکتے ہیں۔ اسے مکان نہیں گھیر سکتا اور زمانے کا اس پر اطلاق نہیں ہوسکتا۔ اسے کوئی چھو نہیں سکتا۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ عزلت گزیں ہے اور نہ وہ کسی جگہ میں حلول کئے ہوئے ہیں، نہ فکر اس کا احاطہ کر سکتی ہے اور نہ پردے اسے چھپا سکتے ہیں۔ بصارت اسے پا نہیں سکتی''۔[1]

اسلام ایک عملی مذہب ہے اس میں فلسفیانہ موشگافیوں کی گنجائش بہت کم ہے۔ رسول اکرمﷺ نے ابتداء سے لے کر اپنے وصال تک اپنی زندگی کو عملی نمونہ کے طور پر پیش کیا۔ قرآن میں بار بار تاکید کی گئی ہے کہ رسول اللہﷺ کی پیروی کرو اور آپﷺ کی زندگی کو بہترین نمونہ سمجھو۔

آنحضرتﷺ کے سوا تاریخ میں کوئی دوسرا مذہبی رہنا ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی دعوت کی صحت وصداقت کیلئے خود اپنی زندگی کو بطور دلیل کے پیش کیا ہو۔ آج تک کسی مصلح، قائد،منکر یا مذہبی پیشوا نے اس نوع کا دعوٰی کرنے کی جرات نہیں کی۔

---

[1] ۔ تعرف از امام ابوبکر بن ابو اسحاق الکلاباذیؒ ص ۴۹۔۵۰، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور۔

آنحضرتﷺ نے تبلیغ اسلام کے اولین مرحلہ پر اپنے بدترین مخالفین یعنی ابوجہل اور ابولہب کو مخاطب کرتے ہوئے بھی اپنی صداقت کے ثبوت میں دلیل کے طور پر اپنی سیرت وکردار کو پیش کیا۔ اور مذاہب عالم میں سے کسی مذہب کے بانی یا کسی پیغمبر کے حالات زندگی اور مکمل سیرت محفوظ ومتواتر دستیاب نہیں ہے۔

نہ کسی مصلح کی سیرت اوراق تاریخ یا کسی مذہبی صحیفے میں محفوظ ہے اور نہ رسول اکرمﷺ کے سوا کسی اور پیغمبر کی سیرت کے تمام پہلو ہمارے سامنے ہیں۔ (ان کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کرو دوسروں کو سناؤ اور دوسروں کو ان پر عمل کرنے کی تلقین کرو)۔ چونکہ خدا نے پیغمبر انقلاب محمد مصطفیٰﷺ کی حیات طیبہ کو بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ اس لئے آپﷺ ہی کے حالات زندگی تاریخی طور پر محفوظ ملتے ہیں اور آپﷺ ہی وہ واحد انسان ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کے ہر پہلو کو دنیا کی نظروں کے سامنے اتباع اور پیروی کیلئے پیش کیا ہے اور بار بار تاکید کی ہے کہ جو کچھ میرے اقوال سنو یا اعمال دیکھو انہیں چھپاؤ نہیں اور نہ اپنے تک محدود رکھو بلکہ ان کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کرو، دوسروں کو سناؤ اور ان پر عمل کرنے کی تلقین کرو۔

صوفیاء اسلام کے بنیادی ارکان بالخصوص رکن اول یعنی توحید پر بہت زور دیتے ہیں، ہر دور اور ہر زمانے کے صوفیاء نے تصور توحید پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے اصولی اور نظری پہلوؤں کی وضاحت کرنے کے علاوہ اسلام کے اس رکن رکین پر کامل انداز میں عمل کرکے دکھایا ہے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ کے بانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے سوا کسی دوسرے کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے مرتبہ ومقام سے آگاہ نہیں ہے۔

توحید کا مفہوم اللہتعالیٰ کی یکتائی کا اقرار یعنی اسے یکتا دیکھنا اور یکتا جاننا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:''فاعلم انہ لا الہ الا اللہ'' پس آپ جان لیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ آیت مبارکہ پیش کرنے کے بعد شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ انصاری ہروی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یکتائی کا اقرار: تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ دین ودنیا کے عرفان تام سے عبارت ہے اور وہ دشمن اور دوست کے درمیان ایک پردہ ہے۔ گواہی اس کا علم، اخلاص بنیاد، اور وفا شرط ہے۔ توحید کی گفتار اور اس کے ظاہر وباطن کے تین اوصاف ہیں:

- اول: اللہ تعالیٰ کے بارے میں گواہی دینا کہ وہ اپنی ذات میں لاشریک ہے وہ پاک اور برگزیدہ ہے۔ فرزند وزن اور ہر شریک وسمیم سے پاک ہے۔
- دوم: گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں بے مثل ہے۔ کوئی اس کے مشابہ نہیں اور اس کی صفات عقل وفکر سے وراء ہیں۔ ان صفات کی کیفیت فہم واحاطہ میں نہیں آسکتی۔ وہ لامحدود ہے اور وہم کی وہاں تک رسائی نہیں۔ حق تعالیٰ کی صفات میں کسی کی مشارکت ومشابہت نہیں۔
- سوم :گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسماء میں بھی یکتا ہے جو حقیقی ازلی ہیں۔ اس کے اسماء کی ایک حقیقت ہے اور اس کے علاوہ دوسری تمام چیزیں عارضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے بھی نام ہیں لیکن جو اللہ تعالیٰ کا نام ہے اس کی حقیقت قدیم، ازلی اور اس کی شان کے شایان ہے۔ مخلوق کے جو نام ہیں۔ وہ اس کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور مخلوق کی شان کے مطابق فانی ہیں۔ اللہ اور رحمٰن اس کے اسماء ہیں۔ ان اسماء کے ساتھ کسی دوسرے کو نہیں پکارسکتے۔

➢ اللہ تعالیٰ کو تین چیزوں میں یکتا دیکھنا چاہئے:

- اول :اقرارمیں
- دوم: قسمتوں میں

- سوم: نعمتوں میں
- اقرار میں یکتائی سے مراد یہ ہے کہ تقدیروں کے تعین میں وہ بے مثل ہے، روز ازل سے اپنے وسیع علم وحکمت میں یگانہ ہے اور اس کے سوا کوئی شخص تقدیر کے علم وحکمت کا محرم نہیں۔ اس کا دیکھنا حکمت پر اس کا صحیح عرفان حیرت پر مبنی ہے۔ اور حصول قُرب اس کی قدرت سے متعلق ہے ۔ قدرت کے کسی جُزو میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔
- قسمتوں میں اس کی یکتائی اس کی عنایات کی صورت میں رُونما ہے جو اس نے خود اپنی مخلوق پر کی ہیں۔ چنانچہ ہر شخص کے مقام کے مطابق وہ اس پر نگاہ رکھتا ہے۔ ہر شخص کی بہتری کا اسے علم ہے اور اس نے ہر کام کا ایک وقت متعین کیا ہوا ہے۔
- نعمتوں میں اس کی یکتائی بے مثل شان کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ وہی ایک عطا کرنے والا ہے۔ کوئی اس کے سوا شکر واحسان کا سزاوار نہیں۔ اس کے سوا کسی کو قوت وقدرت نہیں نعمتوں کا روکنا اور ان کی کشائش اس کے سوا کسی کے تصرف میں نہیں۔

➢ اللہ تعالیٰ کو تین چیزوں میں یکتا جاننا چاہئے:

- اول : خدمت میں
- دوم: معاملات میں
- سوم: ہمت میں

➢ اپنی خدمت میں اللہ تعالیٰ کو یکتا جاننا ان تین چیزوں سے عبارت ہے:

- شان وشوکت کا ترک کرنا
- اخلاص کی پاسداری
- ضبط احوال

➢ اپنے معاملات میں اسے یکتا جاننا ان تین چیزوں سے عبارت ہے:

- خیالات کی صفائی

- تحقیق ذکر
- دوام اعتماد

➢ اپنی ہمت میں اسے یکتا جاننے سے مراد یہ تین چیزیں ہیں:

- اس کے سوا ہر چیز کی محبت کم ہو جائے۔
- اس کے سوا ہر چیز فراموش ہو جائے۔
- جمعیت باطن کے ساتھ ماسوا اللہ سے نجات حاصل کرنا۔ [1]

ععع

[1] ۔ صد میدان از خواجہ عبد اللہ انصاری ہرویؒ ، ۱۴۲، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور۔

شکر حق را کہ ما مسلمانیم
جز تو دیگر خدا نمے دانیم
شاہِ پیران و تاجِ اہلِ یقین
سرورِ عام و خاص رکن الدینؒ

ءءء

باب (۵)

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیη
کے عہد کے مشاہیر اسلام

نمبرشمار	مشاہیر اسلام کے اسمائے گرامی	سن وفات
1.	مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ	۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء

2.	خواجہ نصیر الدین طوسی محقق	۶۷۳ھ/۱۲۷۴ ء
3.	امام نووی ، فقیہ عارف باللہ	۶۷۶ھ/۱۲۷۷ ء
4.	مولانا ہروی شاعر	۶۸۰ھ/۱۲۸۱ ء
5.	صوفی سرمست	۶۸۰ھ/۱۲۸۱ ء
6.	ابن خلکان مورخ	۶۸۱ھ/۱۲۸۲ ء
7.	شیخ حسن رضی شارح کافیہ وشافیہ	۶۶۸ھ/۱۲۸۷ ء
8.	شیخ فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ، شاعر، عارف	۶۸۸ھ/۱۲ ء
9.	شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ	۶۹۰ھ/۱۲۹۱ ء
10.	ابوالفضل مہندس رحمۃ اللہ علیہ	۶۹۹ھ/۱۳۰۰ ء
11.	احمد بن اسحاق الابرقوہی رحمۃ اللہ علیہ	۷۰۱ھ/۱۳۰۲ ء
12.	قاضی تقی الدین ابن دقیق العمید رحمۃ اللہ علیہ	۷۰۲ھ/۱۳۰۲ ء
13.	حافظ الدین النسفی رحمۃ اللہ علیہ	۷۱۰ھ/۱۳۱۰ ء
14.	امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ	۷۱۲ھ/۱۳۱۲ ء
15.	مولانا ناصح الدین رحمۃ اللہ علیہ	۷۱۲ھ/۱۳۱۲ ء
16.	رشید الدین فضل اللہ طبیب	۷۱۸ھ/۱۳۱۸ ء
17.	امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ	۷۲۸ھ/۱۳۲۸ ء
18.	ابوالفداء اسماعیل مورخ	۷۳۲ھ/۱۳۳۱ ء
19.	النویری (منتہی الادب)	۷۳۲ھ/۱۳۳۲ ء
20.	اوحدی اصفہانی (جام جم)	۷۳۸ھ/۱۳۳۷ ء
21.	شمس الدین ابن الجزری	۷۳۹ھ/۱۳۳۸ ء
22.	شیخ جمال الدین المنری	۷۴۲ھ/۱۳۴۱ ء
23.	امام حسن طیبی شارح کشاف	۷۴۳ھ/۱۳۴۲ ء

24.	شمس الدین ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ	۷۴۴ھ/۱۳۴۳ ء
25.	اشیر الدین ابوحیان النحوی رحمۃ اللہ علیہ	۷۴۵ھ/۱۳۴۴ ء
26.	شمس الدین ابن العقیب رحمۃ اللہ علیہ	۷۴۵ھ/۱۳۴۵ ء
27.	فخر الدین جار بردی رحمۃ اللہ علیہ	۷۴۶ھ/۱۳۴۵ ء
28.	تاج الدین تبریزی	۷۴۶ھ/۱۳۴۵ ء
29.	حافظ شمس الدین ذہبی	۷۴۸ھ/۱۳۴۸ ء
30.	تاج الدین القیشی	۷۴۹ھ/۱۳۴۸ ء
31.	برہان الرشیدی	۷۴۹ھ/۱۳۴۸ ء
32.	عبید اللہ بن مسعود (شرح الوقایہ)	۷۵۰ھ/۱۳۴۹ ء
33.	امام ابن قیم	۷۵۱ھ/۱۳۵۰ ء
34.	سراج الدین الدمنہوری	۷۵۲ھ/۱۳۵۱ ء
35.	ابن الفحار الخولانی	۷۵۴ھ/۱۳۵۳ ء
36.	شہاب الدین احمد الظواہری	۷۵۵ھ/۱۳۵۴ ء
37.	تقی الدین السبکی ، مفسر	۷۵۶ھ/۱۳۵۵ ء
38.	محب الدین القونوی	۷۵۸ھ/۱۳۵۷ ء
39.	جمال الدین النحوی	۷۶۱ھ/۱۳۵۹ ء
40.	علاء الدین مغلطائی (السیرۃ النبویہ)	۷۶۲ھ/۱۳۶۱ ء
41.	ابوالمحاسن محمد حسینی	۷۶۵ھ/۱۳۶۳ ء
42.	ابن بطوطہ سیاح، مورخ	۷۶۹ھ/۱۳۶۸ ء
43.	ابن الخاتمہ	۷۷۱ھ/۱۳۶۹ ء
44.	ابن کثیر	۷۷۴ھ/۱۳۷۳ ء
45.	ابن خطیب اندلسی	۷۷۶ھ/۱۳۷۴ ء

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمعصر معروف وممتاز روحانی شخصیات (برعظیم پاکستان وہند)

نمبرشمار	اولیاء اللہ کے اسمائے گرامی	سن وفات
46.	حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ	۶۷۰ھ/۱۲۷۱ ء
47.	حضرت شیخ بدر الدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ	۶۷۰ھ/۱۲۷۱ ء
48.	حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ	۶۷۱ھ/۱۲۷۲ ء
49.	حضرت شیخ حمید الدین سوالی رحمۃ اللہ علیہ	۶۷۳ھ/۱۲۷۴ ء
50.	حضرت شیخ فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ	۶۸۸ھ/۱۲۸۹ ء
51.	حضرت خواجہ حسن افغان رحمۃ اللہ علیہ	۶۸۹ھ/۱۲۹۰ ء
52.	حضرت شیخ علاء الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ	۶۹۰ھ/۱۲۹۱ ء
53.	حضرت مولانا نور ترک رحمۃ اللہ علیہ	۶۹۲ھ/۱۲۹۳ ء
54.	حضرت سیدی مولہ رحمۃ اللہ علیہ	۶۹۳ھ/۱۲۹۴ ء
55.	حضرت شیخ بدر الدین سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ	۶۹۸ھ/۱۲۹۹ ء
56.	حضرت شیخ تقی الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ	۶۹۹ھ/۱۳۰۰ ء
57.	حضرت شیخ رکن الدین فردوسی رحمۃ اللہ علیہ	۶۹۹ھ/۱۳۰۰ ء
58.	حضرت شیخ علاء الدین اجودھنی رحمۃ اللہ علیہ	۷۱۰ھ/۱۳۱۰ ء
59.	حضرت مولانا علی شاہ جاندار رحمۃ اللہ علیہ	۷۱۱ھ/۱۳۱۱ ء
60.	حضرت مولانا ناصح الدین رحمۃ اللہ علیہ	۷۱۲ھ/۱۳۱۲ ء

.61	حضرت شیخ برہان الدین صوفی رحمۃ اللہ علیہ	۷۱۳ھ/۱۳۱۳ ء
.62	حضرت شیخ محمد بن ابراہیم ارموی رحمۃ اللہ علیہ	۷۱۵ھ/۱۳۱۵ ء
.63	حضرت شیخ ضیاء الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ	۷۲۱ھ/۱۳۲۱ ء
.64	حضرت شیخ شرف الدین قلندر رحمۃ اللہ علیہ	۷۲۴ھ/۱۳۲۴ ء
.65	حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ	۷۲۵ھ/۱۳۲۵ ء
.66	حضرت مولانا فخر الدین مروزی رحمۃ اللہ علیہ	۷۲۷ھ/۱۳۲۷ ء
.67	حضرت مولانا وجیہ الدین پابلی رحمۃ اللہ علیہ	۷۲۹ھ/۱۳۲۹ ء
.68	حضرت مولانا وجیہ الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ	۷۲۹ھ/۱۳۲۹ ء
.69	حضرت شیخ سراج الدین عثمان رحمۃ اللہ علیہ	۷۳۰ھ/۱۳۳۰ ء
.70	حضرت شیخ حسام الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ	۷۳۶ھ/۱۳۳۶ ء
.71	حضرت مولانا جلال الدین اودھی رحمۃ اللہ علیہ	۷۳۸ھ/۱۳۳۸ ء
.72	حضرت شیخ ضیاء الدین نخشبی رحمۃ اللہ علیہ	۷۴۰ھ/۱۳۴۰ ء
.73	حضرت شیخ شہاب الدین خراسانی رحمۃ اللہ علیہ	۷۴۱ھ/۱۳۴۱ ء
.74	حضرت شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ	۷۴۱ھ/۱۳۴۱ ء
.75	حضرت شیخ ابوبکر موئے تاب رحمۃ اللہ علیہ	۷۴۷ھ/۱۳۴۷ ء
.76	حضرت شیخ صلاح الدین درویش رحمۃ اللہ علیہ	۷۴۹ھ/۱۳۴۶ء

.77	حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	۷۵۷ھ/۱۳۵۷ ء
.78	حضرت شیخ احمد بن شہاب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	۷۵۹ھ/۱۳۵۹ ء
.79	حضرت شیخ صدر الدین احمد طیب رحمۃ اللہ علیہ	۷۵۹ھ/۱۳۵۹ ء
.80	حضرت شیخ قطب الدین منور رحمۃ اللہ علیہ	۷۶۰ھ/۱۳۶۰ ء
.81	حضرت مولانا علاء الدین نیلی رحمۃ اللہ علیہ	۷۶۲ھ
.82	حضرت شیخ جلال الدین محمد کبیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ	۷۶۵ھ
.83	حضرت شیخ عثمان ابن داؤد ملتانی رحمۃ اللہ علیہ	۷۳۶ھ/۱۳۳۶ ء
.84	حضرت شیخ محمد بن محمود ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ	۷۳۸ھ/۱۳۳۷ ء
.85	حضرت شیخ علاء الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ	۷۴۰ھ/۱۳۳۹ ء
.86	حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ	۷۷۳ھ/۱۳۷۱ ء

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر اولیائے کرام کی فہرست تو طویل ہے۔ یہاں پر ہم نے ان کے عہد کی معروف وممتاز روحانی شخصیات کی فہرست پیش کی ہے۔ ان بزرگان دین کے احوال کے لئے ملاحظہ ہو۔ سیر الاولیاء، تاریخ فیروز شاہی، تاریخ فرشتہ، سیر العارفین، اخبار الاخیار، گلزار ابرار، مراۃ الاسرار، سفینۃ الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء، تذکرہ علمائے ہند، نزہۃ الخواطر اور دیگر کتب تاریخ وتذکرہ۔ (مصنف)

ہمعصر حکمران

نمبر شمار	حکمران کانام	تخت نشینی کا سن	حکومت کی مدت
.87	سلطان قطب الدین ایبک	۶۰۳ھ/۱۲۰٦ء	چار سال

.88	سلطان آرام شاہ	۶۰۷ھ/۱۲۱۱ ء	ایک سال
.89	سلطان شمس الدین التمش	۶۰۸ھ/۱۲۱۲ ء	پچیس سال
.90	سلطان رکن الدین فیروز شاہ	۶۳۳ھ/۱۲۳۶ ء	ایک سال
.91	سلطانہ رضیہ	۶۳۴ھ/۱۲۳۷ ء	تین سال چھ ماہ
.92	سلطان معز الدین بہرام شاہ	۶۳۷ھ/۱۲۴۰ ء	دو سال دو ماہ
.93	سلطان علاء الدین مسعود شاہ	۶۳۹ھ/۱۲۴۲ ء	چار سال ایک ماہ
.94	سلطان ناصر الدین محمود	۶۴۴ھ/۱۲۴۶ ء	بیس سال
.95	سلطان غیاث الدین بلبن([1])	۶۶۴ھ/۱۲۶۶ ء	بائیس سال
.96	سلطان معز الدین کیقباد([2])	۶۸۶ھ/۱۲۸۷ ء	تین سال تین ماہ
.97	سلطان شمس الدین کیومرث	۶۸۹ھ/۱۲۹۰ ء	ایک ماہ
.98	سلطان جلال الدین فیروز خلجی([3])	۶۸۹ھ/۱۲۹۰ ء	پانچ سال
.99	سلطان رکن الدین ابراہیم	۶۹۴ھ/۱۲۹۵ ء	ایک سال تین ماہ

[1] ۔ مؤرخ برنی نے غیاث الدین بلبن کی تخت نشینی کا سن ۶۶۲ھ اور عصامی نے ۶۶۵ھ لکھا ہے ۔ دونوں غلط ہیں۔ ملاحظہ ہو تاریخ مبارک شاہی۔

[2] ۔ برنی کیقباد کی تخت نشینی کاسن ۶۸۵ھ لکھا ہے جو غلط ہے ملاحظہ ہو امیرخسرو کی مثنوی قران السعدین نیز یحییٰ سرہندی کی تاریخ مبارک شاہی ص ۵۲ اور عصامی کی فتوح السلاطین ص ۱۸۵۔

[3] ۔ برنی نے جلال الدین خلجی کا سن تخت نشینی ۶۸۸ھ لکھا ہے جو غلط ہے امیر خسروؒ نے مفتاح الفتوح میں ۶۸۹ھ لکھا ہے تاریخ مبارک شاہی میں بھی یہی سن لکھی ہے۔

100.	سلطان علاء الدین خلجی	۶۹۵ھ/۱۲۹۶ ء	بیس سال
101.	سلطان شہاب الدین عمر خلجی	۷۱۵ھ/۱۳۱۶ ء	تین ماہ چند روز
102.	سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی	۷۱۶ھ/۱۳۱۶ ء	چار سال چار ماہ
103.	سلطان خسرو خان ۔ برادوبچہ	۷۲۰ھ/۱۳۲۰ ء	چار ماہ چند روز
104.	سلطان غیاث الدین تغلق	۷۲۰ھ/۱۳۲۰ ء	چار سال دو ماہ
105.	سلطان محمد بن تغلق	۷۲۵ھ/۱۳۲۵ ء	چھبیس سال
106.	سلطان فیروز شاہ تغلق	۷۵۲ھ/۱۳۵۱ ء	اڑتیس سال

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیη
کا شجرۂ بیعت

قطب الاقطاب حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک کا شجرہ بیعت پیش کرتے ہیں۔ ہر بزرگ کی تاریخ سن وفات کے ساتھ ان کا مقام مدفن بھی درج کیا گیا ہے :

شجرۂ بیعت سلسلہ عالیہ سہروردیہ

مرشد طریقت	تاریخ /سن وفات	مقام مدفن
امام طریقت سیدنا علی المرتضی ص	۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ/۶۶۱ء	نجف اشرف
خیر التابعین حضرت امام حسن بصری ص	۵ رجب المرجب ۱۱۰ھ/۷۲۸	بصرہ
حضرت شیخ خواجہ حبیب عجمی قدس اللہ سرہٗ	۳ ربیع الثانی ۱۵۶ھ/۷۷۳ء	بصرہ
حضرت شیخ امام داؤد طائی قدس اللہ سرہٗ	۲۷ ربیع الثانی ۱۶۰ھ/۷۷۷ء	بغداد شریف

حضرت شیخ ابومحفوظ خواجی معروف کرخی قدس اللہ سرہٗ	ذی قعدہ ۲۰۰ھ/۸۱۶ء	بغداد شریف
حضرت شیخ الشیوخ سری سقطی قدس اللہ سرہٗ	۱ شعبان المعظم ۲۵۲ھ/۸۶۷ء	بغداد شریف
حضرت شیخ جنید بغدادی قدس اللہ سرہٗ	شوال المکرم ۲۹۸ھ/۹۱۰ء	بغداد شریف
حضرت خواجہ ممشاد دنیوری قدس اللہ سرہٗ	محرم الحرام ۲۹۹ھ/۹۱۱ء	
حضرت خواجہ شیخ احمد اسود دینوری قدس اللہ سرہٗ	ذی الحجہ ۳۶۷ھ/۹۷۷ء	سمرقند
حضرت شیخ محمد بن عبد اللہ عمویہ قدس اللہ سرہٗ	رجب المرجب ۳۷۳ھ/۹۸۳ء	
حضرت شیخ وجیہ الدین عبد القاہر قدس اللہ سرہٗ	رجب المرجب ۴۶۲ھ/۱۰۶۹ء	بغداد شریف
حضرت شیخ ابونجیب ضیاء الدین عبد القاہر سہروردی قدس اللہ سرہٗ	۱۷جمادی الآخر ۵۶۳ھ/۱۱۶۸ء	بغداد شریف
حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس اللہ سرہٗ	۱ محرم الحرام ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۴ء	بغداد شریف
حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا قدس اللہ سرہٗ	۷ صفر المظفر ۶۶۵ھ/ ۱۲۶۶ء	ملتان
حضرت شیخ صدر الدین عارف قدس اللہ سرہٗ	۲۳ ذی الحجہ ۶۸۴ھ/۱۲۸۵	ملتان
حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح قدس اللہ سرہٗ	۱۶ رجب المرجب ۶۳۵ھ	ملتان

اس شجرۂ طریقت پر کتاب مجلی ابن ابی جمہور المعانی ، نفحات الانس، بستان السیاحت، ریاض السیاحت اور طرائق الحقائق کے مصنفین نے اتفاق کیا ہی۔ یہ تمام مصنفین شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے قریب العہد تذکرہ نگار

ہیں۔ مذکورہ کرسی نامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ سے فیض طریقت حاصل تھا۔ شرف بیعت حاصل نہ تھا۔ ورنہ آپ کا سلسلہ قادریہ کہلاتا نہ کہ سہروردیہ۔ آپ کے شیخ خرقہ آپ کے عم محترم شیخ ابونجیب عبد القاہر سہروردیؒ تھے لیکن فیض طریقت دوسرے شیوخ زمانہ سے بھی حاصل کیا تھا۔ خصوصاً غوث اعظم محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت کچھ فیض حاصل کیا۔

تاریخ وفات اور سنن: تقویم تاریخی (قاموس تاریخی) مرتبہ عبد القدوس ہاشمی۔

مرآۃ الاسرار، سفینۃ الاولیاء

شیخ اکبؒر خود اپنے عہد کے نامور محدث اور عظیم المرتبت فقیہ تھے۔ اور جن کی ساری زندگی قرآنی احکام کی بحث واجتہاد میں گزری ہے۔
مغل فرمانروا جلال الدین اکبر کے عہد میں شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے تین سو برس بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ اکبر کے نظریہ وحدت الوجود پر ایک بار پھر اسی طرح کڑی تنقید کی جس طرح شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی۔ جس کا ذکر ہم گذشتہ اوراق میں کر چکے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے وحدت الوجود کو علمی سطح پر بھی لیکن علمی سطح سے کہیں زیادہ اپنے عہد میں رواج پاجانے والے اور غیراسلامی رحجانات کی آمیزش سے پراگندہ ہو جانے والے نظریہ وحدت الوجود کو ہدف تنقید بنایا۔

شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کی دہلی میں آمد اور مؤرخین کے بیانات

حضرت شیخ رکن الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالسلطنت دہلی کے جو تاریخی دورے کئے ان کی روئیداد مختلف مؤرخین اور تذکرہ نویسوں نے بیان کی ہے۔ چنانچہ شیخ رکن الدینؒ کے قریب

العہد تذکرہ نگار مولانا جمالی جنہوں نے ہندوستان کے صوفیاء کرام کا اولین تذکرہ ’’سیر العارفین‘‘ کے عنوان سے تالیف کیا لکھتے ہیں کہ شیخ رکن الدینؒ دو بار سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں اور تین مرتبہ سلطان قطب الدین مبارک (خلجی) کے زمانے میں دہلی آئے۔[1]

مؤرخ فرشتہ نے بھی یہی لکھاہے کہ شیخ رکن الدینؒ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں دوبار اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے عہد میں تین بار دہلی میں تشریف لائے۔ [2]

مولانا جمالی اور مؤرخ فرشتہ کے بعد آنے والے تمام مؤرخین، تذکرہ نویسوں اور اہل قلم جن میں گلزار ابرار کے مؤلف محمد غوثی مانڈوی، مراۃ الاسرار کے مؤلف شیخ عبد الرحمن چشتی، خزینۃ الاصفیاء اور حدیقۃ الاولیاء کے مؤلف مفتی غلام سرور لاہوری، بزم صوفیہ کے مؤلف سید صباح الدین عبد الرحمٰن اور آب کوثر کے مصنف ڈاکٹر شیخ محمد اکرام کے علاوہ غلام دستگیر نامی، ظہور الحسن شارب اور نور احمد خان فریدی وغیرہم شامل ہیں۔ ان سب اہل قلم نے مولانا جمالی اور مؤرخ فرشتہ ہی کے حوالے سے زیادہ تر شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دہلی کے دوروں کا ذکر کیا ہے جب کہ دہلی میں شیخ رکن الدینؒ کے قیام کے دوران میں ان کی گونا گوں مصروفیات اور خواجہ نظام الدینؒ سے ان کی یادگار ملاقاتوں کے ایمان افروز اور معلومات افزاء احوال ومکالمات کو ہم عصر تذکرہ نگار سید امیر خورد کرمانی نے اپنی قابل قدر تالیف ’’سیر الاولیاء‘‘ میں قلمبند کیا ہے۔ جو ہماری تاریخ کا ایک بیش قیمت سرمایہ ہے۔ اہل تصوف ان ملاقاتوں کی روئیداد بالخصوص جس تعظیم وتکریم کے ساتھ یہ بزرگ ایک دوسرے سے ملتے تھے اور ان کے مابین ہونے والے پرمغز اور فکر انگیز مکالمات کے مطالعے سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ امیر خورد کرمانی کے

---

1 - سیر العارفین ص ۲۰۱۔

2 - تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۶۲۷۔۶۳۸۔

علاوہ سلطان المشائخ کے ایک دوسرے مرید خاص خواجہ جہاں احمد ایاز نے بھی شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کی دہلی میں آمد اور دارالسلطنت سے باہر ان کے شاہانہ استقبال اور سلطان المشائخ سے ان کے تعلق خاطر کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ غرض یہ کہ جہاں تک شیخ رکن الدین ابوالفتح سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے دہلی کے تاریخی دوروں اور دہلی میں حضرت شیخ کے قیام کے دوران ان کی مصروفیات اور سلطان المشائخ سے ان کی یادگار ملاقاتوں کا تعلق ہے امیر خورد کی ''سیر الاولیاء'' اور کسی حد تک خواجہ احمد ایاز کا روزنامچہ اور ان کے ہم عصر اہل قلم کے علاوہ قریب العہد اہل قلم کی نگارشات میں سے مولانا جمالی کی ''سیر العارفین'' اور مؤرخ فرشتہ کی تالیف ''گلزار ابراہیمی المعروف بہ تاریخ فرشتہ اس کے اہم ماخذ ہیں۔ سیاح ابن بطوطہ نے ''رحلۃ ابن بطوطۃ'' میں شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کی دہلی میں آمد اور ان کے قیام کے بارے میں تھوڑا بہت لکھاہے جو اپنی جگہ انتہائی اہم اور معلومات افزاء ہے۔

لیکن بدقسمتی سے اب اکثر وبیشتر صورتوں میں بزرگان دین کے مزارات ومقابر اور خانقاہوں کو ذاتی مفادات اور خاندانی منفعت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے آج ہمیں ایسے سجادہ نشین کثرت سے ملیں گے جو اپنے بنیادی فرائض یعنی اسلام کی تبلیغ واشاعت اور لوگوں کی اخلاقی وروحانی اصلاح وتربیت سے غافل ہیں۔

جن حضرات کو مسند خلافت پر فائز ہو کر عوام وخواص کی اخلاقی وروحانی اصلاح وتربیت کرکے پیغمبرانہ نیابت کا عظیم فریضہ ادا کرنا ہے وہ خود بہت سی اخلاقی کمزوریوں کا شکار اور مختلف النوع عوارض میں مبتلا ہیں۔ لوگوں کی فلاح وبہبود ان کا مطمع نظر نہیں ہے بلکہ ان کی نظریں لوگوں کے مال اور دولت پر ہوتی ہیں۔ اسلام کی تبلیغ واشاعت ان کا نصب العین نہیں بلکہ انہیں ذاتی مفاد اور دنیاوی مصالح زیادہ عزیز ہیں۔

پروفیسر خلیق نظامی کی تحقیق کے مطابق مؤرخ یحییٰ سرہندی نے سب سے پہلے یہ روایت نقل کی ہے کہ جس وقت سلطان لکھنؤکی طرف روانہ ہو رہا تھا تو شیخ نے فرمایا تھا: ’’ہنوز دلی دو راست‘‘ جب سلطان اپنی مہم سے کامیاب واپس آیا اور افغان پور (دہلی سے چند میل کے فاصلے پر) پہنچا تو اس نے کہا کہ:

’’برسینہ دشمن پائے دادہ سلامت آمدم‘‘۔

کسی نے شیخ کو بھی یہ خبرپہنچادی۔ انہوں نے پھر فرمایا:
’’دہلی از تو دور است‘‘۔[1]

یحییٰ سرہندی نے یہ روایت ’’تاریخ مبارک شاہی‘‘ میں نقل کی جو شیخ کے وصال کے تقریباً سوا سو سال بعد مرتب ہوئی۔ خلیق نظامی لکھتے ہیں کہ بعد کے مؤرخوں نے اس جملے کے گرد پوری پوری داستانیں بناڈالی۔ عہد مغلیہ کے مؤرخین نے اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

سانحہ افغان پور سے پہلے کے واقعات

سلطان غیاث الدین تغلق کی پر اسرار حالات میں اچانک موت اور اس کی موت سے پہلے کے حالات وواقعات یعنی سلطان تغلق شاہ کی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تلخ اور توہین آمیز مراسلت، دلآزار لفظی چپقلش، بنگال سے حضرت خواجہ کے نام سلطان کا حکم کہ اس کے دارالحکومت پہنچنے سے پہلے حضرت خواجہ دہلی چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں، سلطان اور حضرت خواجہ کے کشیدہ تعلقات اور ان کا تاریخی پس منظر، سلطان کی بنگال سے واپسی اور اس کے استقبال کی تفصیلات، احمد ایاز خواجہ جہاں کی زیرنگرانی افغان پور میں نئے چوبی محل کی دو تین روز میں تعمیر، نئے محل میں شاہی ضیافت کا اہتمام، ضیافت میں مخصوص امراء، ملوک، اکابر بالخصوص قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کی شرکت اور پھر ایک خاص وقت پر محل کے یکایک گر پڑنے سے صرف چند مخصوص

---

[1] ۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رحجانات ص ۲۱۹۔

افراد کی ہلاکت اور ان کی ہلاکت کے سبب یعنی محل کے گر پڑنے کی مختلف وجوہات کے بارے میں ہم نے عصر حاضر کے ان تمام اہم اور قابل ذکر دانشوروں کی آراء کو گذشتہ اوراق میں بیان کردیا ہے جن کے نزدیک محل کا گر پڑنا محض ایک اتفاقی حادثہ تھا۔

افغان پورسازش میں مشائخ کرام کو ملوث کرنے کی مذموم کوشش

لیکن مؤرخین اور اہل قلم کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جن کا خیال ہے کہ شہزادہ جوناخان نے اپنے باپ سلطان تغلق شاہ کو ہلاک کرنے کی باقاعدہ سازش کی تھی۔ بعض مؤرخین نے جن میں زیادہ تر غیر ملکی مصنفین شامل ہیں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جوناخان کی اس سازش میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بھی شریک تھے۔ جب کہ مشائخ چشت کے بعض تذکرہ نگاروں نے سلطان تغلق شاہ کی اچانک موت کو حضرت خواجہ کی کرامت قرار دیا ہے اور بعض مؤرخین نے یہ لکھ کر کہ قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو اس سازش کا پہلے سے علم تھا۔ حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس کو بھی ملوث کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کی غالباً وجہ مؤرخ محمد قاسم فرشتہ کی وہ روایت ہے جو اس نے قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے نقل کی ہے۔ مؤرخ فرشتہ لکھتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق شاہ بنگالہ سے نواح دہلی میں پہنچا تو اس کے فرزند سلطان محمد تغلق شاہ نے اس کا استقبال کیا اور شیخ (شیخ رکن الدین ملتانیؒ) بھی اس کی پیشوائی کو روانہ ہوئے اور بادشاہ ضیافت کھانے کے لئے اس قصر میں وارد ہوا جو اس کے فرزند نے اس کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ بھی قصر میں رونق افروز تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ ''جس قدر جلد ممکن ہو اس قصر سے باہر آجایئے'' بادشاہ نے جواب دیا کہ ''کھانے سے فارغ ہو کر باہر آتا ہوں'' شیخ نے دوبارہ بادشاہ سے کہا اور وہی جواب سنا۔ شیخ رکن الدین ابوالفتح قصرؒ سے باہر آگئے اور بہت سے لوگ

بھی ان کے ساتھ ہولئے لیکن بادشاہ اپنے چند مصاحبوں سمیت وہاں بیٹھا رہا۔ ابھی شیخ دوسری دہلیز میں نہ پہنچے تھے کہ اس قصر کی چھت گر پڑی اور بادشاہ ہلاک ہو گیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر لوگ اور زیادہ شیخ کے معتقد ہوئے اور شیخ عثمان سیاح ([1])کا گلستان ارادت از سر نو تازہ ہوگیا۔ [2]

شیخ کو نور باطن سے سانحہ کا علم ہو گیا تھا

معلوم ہوتا ہے کہ مؤرخین نے تاریخ فرشتہ کی مذکورہ بالا روایت کے ابتدائی حصے (یعنی ’’شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ بھی قصر میں رونق افروز تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ جس قدر جلد ممکن ہو قصر سے باہر آجایئے)کو بنیاد بنا کر یہ لکھنے کی جسارت کی ہے کہ حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کو اس سازش کا پہلے سے علم تھا۔ حالانکہ قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن عالمؒ ایسے صاحب مقام ولی اللہ تھے جو اپنے نور باطن سے پیش آنے والے حالات وواقعات کو جان سکتے تھے۔ مؤرخ محمد قاسم فرشتہ کی متعلقہ عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت قطب الاقطابؒ اس سانحہ کے رونما ہونے سے پہلے ہی اپنی روحانی طاقت کے ذریعہ اس سے آگاہ ہو چکے تھے۔ جبھی انہوں نے سلطان غیاث الدین تغلق سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس قدر ممکن ہو قصر سے باہر آجایئے اور پھر لوگوں نے بھی اسے حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت ہی تصور کیا۔ جیسا کہ مؤرخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ دیکھ کر لوگ اور زیادہ شیخ کے معتقد ہوئے۔

---

[1] ۔ شیخ عثمان سیاح حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص اور خلیفہ تھے۔ انہیں حضرت قطب الاقطابؒ نے دہلی میں قیام کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ شیخ عثمان سیاح کے حالات زیر مطالعہ تصنیف میں حضرت قطب الاقطاب کے اکابر خلفاء کے عنوان کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔ (مصنف)

[2] ۔ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۶۳۹۔

اگر حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کو اس سازش کا پہلے سے علم ہوتا کہ یہ چوبی محل سلطان کو ہلاک کرنے کی غرض سے تعمیر کیا گیا ہے تو وہ نہ تو سب کی موجودگی میں سلطان تغلق کو محل سے باہر آجانے کے لئے کہتے اور نہ اس سانحے کے رونما ہو جانے کے بعد یعنی سلطان کی موت کے بعد لوگ ان کے پہلے سے زیادہ معتقد ہوتے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سانحہ کے رونما ہونے کا علم حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی مومنانہ فراست یا نور باطن سے اس وقت ہوا تھا۔ جب انہوں نے سلطان سے کہا تھا ”جس قدر ممکن ہو قصر سے باہر آجائیے“۔

سانحہ افغان پور کے ایک اور چشم دید گواہ کی شہادت

خواجہ جہاں احمد ایاز سانحہ افغان پور کا ایک انتہائی اہم چشم دید گواہ تھا۔ سلطان غیاث الدین اور اس کے ساتھیوں کی موت کے وقت خواجہ جہاں کی موقعہ پر موجودگی تاریخی طور پر ثابت ہے۔ اپنی موجودگی کا اعتراف اس نے خود کیا ہے۔ ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفر نامے میں اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ اس چشم دید گواہ یعنی خواجہ جہاں احمد ایاز نے بھی سانحہ افغان پور کے واقعات کو اپنے روزنامچے میں قلمبند کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ چوبی محل میں نے تین دن میں تیار کرادیا۔ جب ولی عہد نے اس کو دیکھا تو بہت خوش ہوا کیونکہ میں نے اس کی آرائش بہت اچھی کی تھی اور تین دن میں اتنا بڑا محل بنوادیا تھا۔ ربیع الاول ۷۲۵ھ کے آغاز میں سلطان افغان پور پہنچااور اپنے ولی عہد کے بنوائے ہوئے نئے محل کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ولی عہد نے فوراً کھانا لانے کا حکم دیا اور بادشاہ سے اس کی عدم موجودگی کے زمانے کے حالات جو دہلی میں پیش آئے تھے عرض کئے۔ کھانے میں بادشاہ کے وہ بڑے بڑے اُمراء بھی شریک تھے جو بادشاہ کو ولی عہد کے خلاف اکساتے رہے تھے اور بادشاہ کا چھوٹا بیٹا محمود بھی تھا جس کو بادشاہ جونا خان کی جگہ اپنا ولی عہد بنانا چاہتا تھا اور

حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانیؒ بھی دستر خوان پر تھے۔ کھانے کے بعد ولی عہد نے مجھے (یعنی احمد ایاز خواجہ جہاں) بادشاہ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ یہ یہی وہ نو مسلم ہے جو دیوگیر کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور شیخ نظام الدین بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا ہے۔ میں نے اسے میر عمارت کا عہدہ دیا ہے اور اسی نے یہ محل تیار کیا ہے۔ [1]

افغان پور کے اس نو تعمیر شدہ چوبی محل میں سلطان غیاث الدین کی آمد، شاہی ضیافت اور اس کے بعد ہونے والی گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے مزید لکھتا ہے کہ بادشاہ نے محل تعمیر کرنے پر میری تعریف کی لیکن اس کے ساتھ ہی کہا کہ یہ شیخ نظام الدّینؒ کا مرید ہے اور میں نے تم کو حکم بھیجا تھا کہ شیخ کو دہلی سے نکال دو اور ان کے اس مرید کو بھی ملازمت سے برطرف کردو۔ تم نے ابھی تک میرے اس حکم کی تعمیل کیوں نہیں کی؟ ولی عہد نے بادشاہ کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور شیخ رکن الدین ملتانیؒ سے کہا کہ عصر کی نماز کا وقت قریب ہے۔ مخدوم باہر چل کر نماز پڑھ لیں۔ میں یہاں بادشاہ کی خدمت میں نذر کے ہاتھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سنتے ہی شیخ رکن الدینؒ بادشاہ کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے اور میں (احمد ایاز) بھی ولی عہد کے ساتھ باہر آگیا۔ ولی عہد نے نذر کے ہاتھی منگوائے چونکہ مکان نیا بنا تھا اور اس میں فرش بھی لکڑی کا تھا۔ جونہی کئی ہاتھی محل میں داخل ہوئے۔ فرش دب گیا اور چوبی محل یکایک گر پڑا۔ بادشاہ اور اس کا بیٹا محمود اور ولی عہد کے مخالف اُمراء محل کے ملبے کے نیچے دب گئے۔ ہم سب محل کے باہر کھڑے تھے۔ ولی عہد نے چیخنا شروع کیا کہ مزدوروں کو جلد بلواؤ، رسیاں منگاؤ اور ملبہ ہٹاؤ۔ شیخ رکن الدینؒ نے محل کے گرنے کی آواز سنی تو وہ بھی نماز پڑھے

---

[1] ۔ انوار اولیاء ص ۳۰۱ مرتبہ رئیس احمد جعفری بحوالہ روزنامچہ احمد ایاز خواجہ جہاں۔

بغیر دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے، ولی عہد چیختا رہا اور ہم بھی شور کرتے رہے۔ مگر مزدور قریب نہ تھے۔ وہ اتنی دیر میں آئے کہ جب ملبہ ہٹایا گیا تو بادشاہ اور اس کا بیٹا محمود اور سب امیر مر چکے تھے۔ راتوں رات بادشاہ اور اس کے بیٹے محمود کو اس مقبرے میں دفن کیا گیا جو اس نے اپنے قلعے کے قریب خود اپنے لئے تعمیر کروایا تھا۔ [1]

خواجہ جہاں احمد ایاز کی شہادت سے مندرجہ ذیل اُمور ثابت ہوتے ہیں

- وہ (خواجہ جہاں) سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں میرعمارت کے عہدے پر فائز تھا اور چوبی محل اس نے تعمیر کرایا تھا۔
- چوبی محل تین دن میں تعمیر کیا گیا تھا۔
- نو تعمیر شدہ محل کو دیکھ کر جونا خان بہت خوش ہوا تھا۔ [2]
- سلطان غیاث الدین کو اس محل میں ٹھہرایا گیا۔ اور اس نے اپنے اُمراء کے ساتھ یہاں کھانا کھایا۔
- شاہی ضیافت میں سلطان تغلق کے ساتھ بڑے بڑے وہ سب اُمراء محل کے اندر موجود تھے جو بادشاہ کو جوناخان کے خلاف اکساتے رہتے تھے۔
- حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ بھی شاہی ضیافت میں موجود تھے۔
- سلطان کا چھوٹا بیٹا محمود بھی اس وقت محل میں موجود تھا۔
- سلطان غیاث اپنے بیٹے محمود کو جوناخان کی جگہ اپنا ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔
- سلطان غیاث الدین نے جوناخان کو حکم دیا تھا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیآء کو دہلی سے نکال دیا

---

[1] ۔ انوار اولیاء ص ۳۰۳۔

[2] ۔ جونا خان ،شہزادہ محمد کا نام جونا خان تھا۔

جائے اور ان کے مرید یعنی خواجہ جہاں احمد ایاز کو ملازمت سے برطرف کردیا جائے۔

- جوناخان نے حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کو محل سے باہر چلے جانے کے لئے کہا۔
- جوناخان نے سلطان غیاث الدین کی خدمت میں ہاتھی پیش کئے۔
- ہاتھیوں کے آنے کے باعث فرش دب گیا اور محل یکایک گرگیا۔
- سلطان تغلق اس کا بیٹا محمد اور جوناخان کے مخالف اُمراء محل کے ملبے کے نیچے دب گئے۔
- جب محل گرا تو خواجہ احمد ایاز اپنے ساتھیوں سمیت محل سے باہر کھڑا تھا۔
- محل گرنے پر جوناخان نے بہ آواز بلند مزدوروں کو بلانا شروع کیااور انہیں ہدایت کی کہ وہ رسیاں لائیں اور ملبہ ہٹائیں۔
- محل گرنے کی آواز سن کر حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں پہنچ گئے۔
- بادشاہ کو ملبے کے نیچے سے نکالنے کے لئے خواجہ جہاں احمد ایاز اور اس کے ساتھی بھی شور کرتے رہے ۔ یعنی مزدوروں وغیرہ کو بلاتے رہے۔
- مزدورقریب موجود نہیں تھے۔
- مزدوروں نے آنے میں دیر کی۔
- جب ملبہ ہٹایا گیا تو سلطان اس کا بیٹا محمود اور سب امیر مر چکے تھے۔
- راتوں رات بادشاہ کو دفن کر دیا گیا۔

ابن بطوطہ کی روایت اور احمد ایاز کی شہادت میں فرق

میر عمارت ایاز کی شہادت سے ہم نے جو مذکورہ بالا امور ونکات اخذ کئے ہیں ان سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ

سلطان غیاث الدین تغلق اس کے چھوٹے بیٹے محمود اور اس کے معتمد اُمراء کی موت مشکوک حالات میں واقع ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں ان اُمور سے ابن بطوطہ کی اس روایت میں بیان کردہ حالات وواقعات کی بھی تائید وتصدیق ہو جاتی ہے۔ جو ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ ''رحلۃ ابن بطوطۃ'' میں حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کے حوالے سے تحریر کی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ خواجہ احمد ایاز نے اپنی شہادت میں صرف یہ نہیں کہا کہ یہ محل بنایا ہی اس طریقے سے گیا تھا کہ جب ہاتھیوں کو اس کے قریب لایا جائے تو وہ گر پڑے گا۔ وہ یہ لکھ بھی کیسے سکتا تھا؟ اس لئے کہ خود اس کی اپنی شہادت کے مطابق یہ محل اسی نے تعمیر کرایا تھا۔ چنانچہ وہ خود اپنے خلاف گواہی کیونکردے سکتا تھا کہ محل شہزادہ جوناخان کے ایماء پر ایک سوچی سمجھی سکیم کے مطابق بنایا گیا تھا۔ چنانچہ اگرذرا غور سے دیکھا جائے تو ابن بطوطہ کی روایت اور احمد ایاز کی شہادت میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

احمد ایاز کی شہادت کے بعض اہم پہلو

خواجہ احمد ایاز کی تحریر سے اخذ شدہ مذکورہ بالا اکیس نکات سے جہاں ابن بطوطہ کی بیان کردہ روایت کے واقعات کی تائید وتصدیق ہوتی ہے وہاں اور بھی بہت سے ایسے پہلو سامنے آتے ہیں جن سے سلطان غیاث الدین تغلق کی موت طے شدہ سازش کے تحت واقع ہونے کی نشاندہی ہوتی ہے۔ جن میں سے ہم صرف چند ایک پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مثلاً محل اس وقت گرا جب وہاں ہاتھیوں کو لایا گیا۔ اور جب ہاتھیوں کو وہاں لایا گیا تو محل میں صرف بادشاہ، اس کا وہ بیٹا جسے وہ جوناخان کی جگہ ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ اور وہ اُمراء موجود تھے جو جوناخان کے مخالف تھے۔ محل گرنے سے پہلے جوناخان نے حضرت شاہ عالم ملتانؒی کو محل سے باہر بھیج دیا۔ اور جب محل گر تو جوناخان، خواجہ احمد ایاز اور اس کے تمام اُمراء اور ساتھیوں میں سے کوئی ایک

شخص بھی محل کے اندر نہیں تھا۔ گویا صرف وہ لوگ محل میں موجود تھے جن کو جوناخان مروانا چاہتا تھا۔

احمد ایاز کی شہادت کا ایک توجہ طلب پہلو

مزید برآں خواجہ احمد ایاز کی شہادت کا وہ حصہ سب سے زیادہ قابل غور اور توجہ طلب ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جوناخان نے چیخ چیخ کر مزدوروں کو بلانا شروع کیا۔ اور خود احمد ایاز اور اس کے ساتھیوں نے بھی شور کیا۔ ہر چند کہ خود خواجہ احمد ایاز کی اپنی شہادت کے مطابق اس وقت مزدور قریب موجود نہیں تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس وقت مزدور قریب موجود نہیں تھے تو بلایا کن لوگوں کو جارہا تھا؟ بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی۔ محل کے گرجانے کے باعث ہندوستان کا بادشاہ ملبے کے نیچے دبا پڑا۔ وہ بادشاہ جو جوناخان کا حقیقی باپ بھی تھا۔ ان حالات میں یہ کیسے ممکن تھا کہ جوناخان اور اس کے ساتھیوں نے صرف مزدوروں کو بلانے پر اکتفا کیا اور خود آگے بڑھ کر بادشاہ کی زندگی بچانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور وہ اس وقت تک عورتوں کی طرح چیخ وپکار ہی میں مصروف رہے جب تک مزدور نہیں آئے۔ ان اُمور سے یہ حقیقت قطعی اور حتمی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کی جان کو بچانے کے لئے وہاں پر موجود افراد نے ذاتی طور پرکوئی سعی وکوشش نہیں کی اور انہیں مرنے کے لئے ملبے تلے دبا رہنے دیا۔ جس سے ان کی نیت اور ارادے کی واضح نشاندہی ہوتی ہے۔

ایک اور قابل تحقیق اور توجہ طلب امر

پھر یہ امر اپنی جگہ قابل تحقیق اور توجہ طلب ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق جیسے عظیم المرتبت، رعایا پرور اور مقبول خواص وعوام فرمانروا جس کی خصوصیات کو تمام مؤرخین

نے متفقہ طور پر تسلیم کیا اور جس کے بارے میں معاصر مؤرخ ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ تخت دہلی پر سلطان تغلق شاہ جیسا بادشاہ کبھی نہیں بیٹھا ہے اور شاید اس کے بعد بھی کوئی اس جیسا حکمران اس تخت پر جلوہ افروز نہ ہوگا۔ چنانچہ دارالسلطنت دہلی سے قریب ہوتے ہوئے ایسے قابل قدر اور بے مثال سلطان کو راتوں رات دفن کیوں کردیا گیا؟ یہ اور اس نوع کے دیگر اُمور اس سازش کی واضح طور پر نشاندہی کرتے ہیں جو شہزادہ محمد نے اپنے باپ اپنے چھوٹے بھائی محمود اور اپنے مخالف اُمراء کو منظر سے ہٹا کر خود ہندوستان کا بادشاہ بننے کے لئے کی تھی اور میر عمارت احمد ایاز اس سازش میں شریک تھا۔ اندریں حالات خواجہ احمد ایاز سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ محل کے گرجانے کا اصل سبب اور وجہ بھی بیان کرتا۔اس کی حیثیت محض ایک چشم دید گواہ کی نہیں تھی بلکہ جیسا کہ ابن بطوطہ کی متذکرہ روایت کے علاوہ خود خواجہ احمد ایاز کی اپنی تحریر سے ظاہر وثابت ہوتا ہے کہ وہ اس محلاتی سازش کا ایک انتہائی اہم اور شرمناک کردار بھی تھا۔ بنابریں اس نے نہ صرف محل کے گرجانے کی اصل وجہ بیان نہیں کی بلکہ اس سازش پر پردہ ڈالنے اور لوگوں کی توجہ کو اصل حقائق سے ہٹانے کی خاطر سلطان غیاث الدین تغلق کی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ساتھ حسد وعداوت کی ایک کہانی وضع کرلی۔ ہر چند کہ معاصر مؤرخ برنی (جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒء کا مرید تھا) نے تاریخ فیروز شاہی میں اور نہ حضرت خواجہؒ کے معاصر تذکرہ نگار امیر خوردکرمانی نے ”سیرالاولیاء“ میں ایسی کوئی بات لکھی ہے جس سے حضرت خواجہؒ اور سلطان تغلق شاہ کے مابین کسی رنجش یا کشیدہ وتعلقات ظاہر ہوتے ہوں اور نہ حضرت شاہ رکن عالمؒ نے ابن بطوطہ سے سلطان کی موت کا واقعہ بیان کرتے وقت اس نوع کی کوئی بات کی اس لئے صحیح بات یہی ہے کہ خواجہ احمد ایاز نے حضرت سلطان المشائخ اور غیاث الدین تغلق کے مابین کشیدگی اور رنجش کی کہانی وضع کرکے سلطان غیاث الدین سے یہ جملہ منسوب کردیا کہ اس نے شہزادہ محمد سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”میں نے تم کو حکم بھیجا تھا کہ شیخ (حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ) کو دہلی سے نکال

دو۔‘‘اس کہانی کو حقیقت کا رنگ دینے کے لئے خواجہ احمد ایاز نے اپنے روزنامچے میں کچھ اور واقعات بھی بیان کئے ہیں جن کی تصدیق معاصر ماخذ سے نہیں ہوتی اور نہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں اس کا کہیں ذکر ملتا ہے۔

حضرت شاہ رکن عالم η کی بیان کردہ روایت درست ہے

امر حقیقت یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن بطوطہ نے حضرت شاہ رکن عالم ملتانی کے حوالے سے سلطان تغلق شاہ اور اس کے ساتھیوں کی موت کی جو روایت بیان کی ہے وہ درست ہے یہ عمارت چوبی محل احمد ایاز نے شہزادہ محمد کے ایماء پر بنایا بس اسی غرض سے تھا جب وہاں قاتلین لائے جائیں تو گر جائے۔ اس محل کی تعمیر میں احمد ایاز نے جس صنعت اور کاریگری کا مظاہرہ کیا تھا صدر جہاں گجراتی نے اس صنعت کو طلسم کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ نیز سلطان غیاث الدین تغلق کی اس المناک موت کے بعد کے حالات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کی موت سازش کا نتیجہ تھی۔ سلطان محمد بن تغلق نے تخت نشین ہونے کے بعد احمد ایاز کو خواجہ جہاں کا خطاب دے کر اپنا وزیر اعظم بنالیا اور وہ اپنے ستائیس سالہ دور حکومت میں اس پر انعام واکرام کی بارش کرتا رہا۔ اس کے دل میں خواجہ جہاں کے برابر اور کسی کی جگہ نہیں تھی اور نہ کوئی اور شخص اس کی (خواجہ جہاں کی) برابری کر سکتا تھا۔

سانحہ افغان پور

چنگیز خان ۱۱۶۲ء کے لگ بھگ پیدا ہوا اس کا باپ ایک معمولی سردار تھا۔

۱۲۰۶ ء میں مؤرخین کے مطابق تاتاری قبائل کو متحد کرنے میں کامیاب ہوا اور ان قبائل نے اسے چنگیز خان کے نام سے اپنا حکمران تسلیم کر لیا چنگیز خان کے معنی میں عالمی شہنشاہ

-

فرزند وسجادہ نشین شیخ علاء الدین اجودھنیؒ اپنے تقدس اور اتقاء کی بناء پر مشہور تھے۔ سلطان محمد تغلق ان کے حلقہ مریدین میں شامل ہوگیا تھا۔ [1]

تغلق سلطان نے حضرت محبوب الٰہیؒ کے جنازے کو کندھا دیا

''سلطان محمد تغلق حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حضرت شیخ علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا۔ اس نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے علاج کے لئے شاہی خطیب کو بھیجا پھر ان کی وفات پر ان کے جنازے کوکندھا دیا اور ان کے روضہ مبارک کی عمارت بنوائی۔ حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ اور حضرت شیخ رکن الدین ملتانؒی کی خانقاہیں بھی اس نے تعمیر کرائیں۔''[2]

جبکہ محمد تغلق کا باپ سلطان غیاث الدین تغلق حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا معتقد تھا اور بچپن میں حضرت بابا فرؒید کی ہمسائیگی میں رہتا تھا۔ حضرت بابا فریدؒنے اس کے لئے دعا بھی فرمائی تھی۔ [3]

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے پوتے اور ان کی درگاہ کے سجادہ نشین شیخ علاء الدّین کا یہ واقعہ کہ انہوں نے حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی سے ملاقات کرنے کے بعد تازہ غسل کیا۔ صوفیاء کرام کے تمام اہم تذکروں میں موجود ہے لیکن آج تک کسی مؤرخ یا تذکرہ نگار نے اس کی توضیح وتشریح نہیں کی۔ اندریں حالات اس واقعہ کی وضاحت حضرت قطب الاقطابؒ کے معتقدین اور سجادہ نشینوں کے علاوہ ان کے تذکرہ نگاروں اور مؤرخین پر

---

[1] ۔ تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی ص ۱۶۸ نیز عجائب الاسفار از ابن بطوطہ ص ۳۴۔ ابن بطوطہ نے غلطی سے شیخ علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کا نام فرید الدّین لکھا ہے۔

[2] ۔ ہندوستان کے سلاطین ، علماء اور مشائخ کے تعلقات از سید صباح الدین عبد الرحمن ص ۹۸ ۔ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۶۴ء۔

[3] ۔ تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو: شیخ محمد اکرام کی آب کوثر ص ۳۹۵۔۳۹۶۔

ایک قرض تھا۔ جو بحمد اللہ ہم نے ادا کردیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی۔ اور تاریخی حقائق وشواہد اور دلائل وبراہین کی روشنی میں اس حقیقت کو واضح کرد یا کہ یہ واقعہ اس حد تک کہ شیخ علاء الدینؒ نے قطب الاقطاب حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح کسی بھی لحاظ سے ایسی شخصیت نہیں تھے کہ ان سے ملاقات کے بعد حضرت شیخ علاء الدینؒ سجادہ نشین درگاہ حضرت شیخ الشیوخ بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو تازہ غسل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

علاوہ ازیں اول مرحلہ پر اس امر کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ نوراحمد خان فریدی نے خلاصۃ العارفین کے حوالے ملتان مشائخ سہرورد کا جو نسب نامہ نقل کیا ہے وہ اس نسب نامہ سے قدرے مختلف ہے جو پیرزادہ محمد حسین نے نقل کیا ہے۔

مشائخ سہروردیہ کے بارے میں قریشی اسدی اور ہاشمی کی بحث

تذکرہ نگاروں نے مشائخ سہرورد کو قریشی اسدی لکھا ہے اور ان کا بنوہاشم سے ہونا تسلیم ہی نہیں کیا ہے۔ مخدوم سید ولدیت حسین شاہ گیلانی تبریزی مجسٹریٹ ملتان (متوفی ۱۸۷۸ء) کے فرزند تھے۔ انہوں نے افغانستان کے مؤقف بزرگ سید میرجان شاہ صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی ۱۹۲۱ میں ملتان میونسپل کمیٹی کے سب سے پہلے غیر سرکاری پریذیڈنٹ منتخب ہوئے اور برابر اس عہدے پر فائز رہے۔ ۱۹۱۶ء میں ملتان اور لاہور ڈویژن سے لیجسلیٹو کونسل کے رکن منتخب کئے۔ ۱۹۲۱ء میں ہندوستان کی لیجسلیٹو اسمبلی کے بلامقابلہ رکن منتخب ہوئے اور زندگی بھربلامقابلہ منتخب ہوتے رہے۔ انتہائی روادار اور آزاد خیال اور وسیع المشرب انسان تھے اور سیاسی اعتبار سے جناب محمد علی جناح کے ہم نوا تھے اور اسمبلی میں جناح صاحب کی انڈپنڈیٹ پارٹی کے رکن تھے۔ سید راجن بخش نے کانگریس اور تحریک خلافت میں بھی حصہ لیا اور اردو زبان کی بھی قابل ذکر خدمت کی۔ کانگریس نے جب عدم تعاون کی

تحریک کا آغاز کیا تو سید راجن صاحب نے کانگریس سے علیحدگی اختیار کرلی۔ ۱۹۳۶ء میں وفات پائی۔ ان کی نماز جنازہ میں تقریباً اسی ہزار افراد نے شرکت کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو مرقع ملتان از سید محمد اولاد علی گیلانی۔ (مصنف) ص ۳۲۳۔۳۴۰

اسلامی تصوف کے مختلف ادوار کے اس تاریخی تحلیل وتجزیہ کے بعد یہ دعوی ہے۔[1]

تذکرہ اولیائے پاک وہند ص ۴۱ بحوالہ انوار غوثیہ۔[2]

داراشکوہ: والد کا نام وجیہ الدین بن کمال الدین علی شاہ قریش ہے۔ ملتان کے قدیمی باشندے تھے۔[3]

مفتی غلام سرور لاہوری

ان کے جد بزرگوار کمال الدین علی شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم میں آئے وہاں سے ملتان میں آکر قیام کیا۔ ان کے ہاں شیخ وجیہ الدین پیدا ہوئے جن کو خداوند حقیقی نے کمالات ظاہری وباطنی سے آراستہ کیا۔ وجیہ الدین کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی دختر سے ہوئی جو موضع کوٹ کروڑ میں سکونت پذیر تھے۔ [4]

آپ کی والدہ ماجدہ مولانا حسام الدین ترمذی کی دختر تھیں۔ آپ کی ولادت کوٹ کروڑ میں ہوئی اور آپ کے والد مولانا وجیہ الدین بن علی شاہ قرشی خوارزمی ہیں ۔ [5]

غرض یہ کہ معاصر مؤرخین تذکرہ نگاروں اور اہل قلم کی نگارشات میں شہزادہ محمد کی بیوی کی طلاق۔اس کے حلالہ

---

[1] ۔ مرقع ملتان ص ۲۱۲۔

[2] ۔ تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانؒی ص ۲۴۔ اخبار الاخیار اردو ترجمہ ص ۶۲۔

[3] ۔ سفینۃ الاولیاء ص ۱۵۱۔

[4] ۔ حدیقۃ الاولیاء ص ۱۴۸

[5] ۔ گلزار ابرارص ۵۵

اور اس کے نتیجے میں شہزادہ محمد سلطان اور شیخ صدر الدین عارفؒ کے مابین کشیدہ تعلقات ان واقعات کا اشارہ تک نہیں ملتا۔ جن کا ذکر راجن شاہ نے انوار غوثیہ کے جواب میں لکھی جانے والی کتاب دلیل التحرین اور نور احمد خان فریدی کی تالیف تذکرہ حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ سے قبل کے بعض دوسرے غیر محتاط تذکرہ نگاروں اور اہل قلم کی تالیفات میں کیا گیا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ سلطان العارفین شیخ صدر الدین عارؒف کی وفات کے تین سو سال بعد مغل فرمانروا جلال الدین اکبر کے عہد میں اس واقعہ کا کچھ ذکر اپنی کتاب طبقات اکبری میں کسی حوالے کے بغیر کیا ہے اور خود صحت میں شک ہے۔ اس لئے کہ اس نے اس روایت کی ابتداء گویند سے کی ہے۔ یعنی یہ لوگوں کی روایت ہے۔ اس تاریخی تحلیل وتجزیہ کے بعد یہ دعویٰ بجا طور پر کیا جاسکتا ہے کہ شہزادہ محمد کی بیوی کی طلاق اس کے حلالہ اور شہزادہ محمد اور شیخ صدر الدین عارفؒ کے مابین کشیدہ تعلقات کی روایات غلط اور بے بنیاد ہیں اور یہ سب مشائخ سہرورد کے عقیدت پسندوں کی وضح کردہ ہیں جن میں حقیقت کا شائبہ تک نہیں۔ چنانچہ یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ بی بی راستیؒ سلطان رکن الدین بن سلطان شمس الدین التمش کی دختر تھیں۔ یا یہ کہ شہزادہ محمد کی مطلقہ بیوی کا شیخ صدر الدین عارف سے حلالہ کیا گیا۔

دلیل التحرین میں منقول یہ روایت تاریخی طور پر درست معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اکثر معتبر ومستند کتب تاریخ وتذکرہ کے مناجات سے ان واقعات کی صحت وصداقت کی تصدیق ہوتی ہے۔ جوکئی لحاظ سے محل نظر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جمالی اور مؤرخ فرشتہ نے اس روایت کی نقل کرتے وقت نہ تو اس کی صحت وصداقت کی طرف توجہ دی اور نہ اس کے مضمرات پر غور کیا۔ اگر ان حضرات نے غور وفکر سے کام لیا ہوتا تو وہ کبھی بھی اس روایت کو نقل کرنے کی جرات نہ کرتے۔

دلیل التحرین کے تمام مندرجات درست نہیں ہیں۔ دلیل التحرین کے مذکورہ بالا اقتباس میں سے جہاں تک حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی بہو یعنی سلطان العارفین شیخ صدر الدین عارفؒ کی زوجہ اور حضرت شاہ رکن عالمؒ کی والدہ حضرت بی بی راؔستی کا سلطان رکن الدین بن سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی ہونے کا دعویٰ کا تعلق ہے تو اس ضمن میں امر حقیقت یہ ہے کہ یہ دعویٰ سرے سے غلط اور بے بنیاد ہے۔ سلطان بلبن شہزادہ محمد شیخ صدر الدین عارفؒ کے معاصر مؤرخین تذکرہ نگاروں اور اہل قلم میں سے کسی ایک نے بھی ان واقعات کا ذکر تک نہیں کیا جو راجن شاہ صاحب نے دلیل التحرین میں بیان کئے ہیں۔ ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروزشاہی اس عہد کی سب سے زیادہ معتبر اور مستند تاریخ ہے۔ برنی نے شہزادہ محمد سلطان شہید کی بیوی کی طلاق اور پھر شیخ صدر الدین سے اس کے نکاح کا ذکر مطلق نہیں کیا۔ اسی طرح قریب العہد تذکرہ نگار مولانا جمال اور قریب العہد مؤرخ فرشتہ بعد میں آنے والے مؤرخین نے بھی ان واقعات کو بیان نہیں کیا۔ امیر خسرو اور امیر حسن سنجریؒ ملتان میں پانچ برس تک اس کے ساتھ رہے۔ ان کی نگارشات میں بھی ان واقعات کا سراغ نہیں ملتا۔ پھر شہزادہ محمد انتہائی سلیم الطبع سنجیدہ مزاج اور کریم النفس انسان تھا۔ تمام مؤرخین نے اس کے اوصاف ومحاسن کو تسلیم کیا ہے۔ جیسا کہ مؤرخ فرشتہ لکھتا :

شہزادہ محمد کے اپنی بیوی کو طلاق دینے اور پھر مطلقہ بیوی کے حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ سے حلالہ اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والے ان واقعات میں سے کسی ایک واقعہ کا سراغ نہیں ملتا جسے بعض غیر محتاط اور غیرذمہ دار تذکرہ نگار بہتر کسی حوالے کے بیان کرتے ہیں۔

معاصر برنی نے بھی شہزادہ کی شخصی خصوصیات کو بیان کیا ہے۔ امیرخسروؒ مغلوں کے خلاف مہم میں شہزادہ محمد کے ساتھ تھے۔ اور شہزادہ کی شہادت کے بعد مغلوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر ان کی قید میں بھی رہے۔ امیر خسروؒ نے شہزادہ

محمد کی شہادت پر خون کے آنسو بہائے ہیں اور دلسوز مرثیے کہے ہیں۔ اسی طرح امیر حسن سنجزی نے بھی شہزادے کی موت کے المناک حادثے پر اپنی تحریروں میں اظہار تاسف کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ ان دونوں معاصر دانشوروں کی نگارشات میں شہزادہ محمد کی بیوی کی طلاق اور اس کے شیخ صدر الدین عارف سے حلالہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ امیر خسرو اور امیر حسن کے مراثی اور ماتم نامے جب شاہی دربار میں پڑھے گئے تو سلطان غیاث الدین بلبن سمیت تمام درباری اشک بار ہوگئے۔ یہ مراثی اور ماتم نامہ شاہی دربار کے علاوہ پورے ہندوستان کی مجالس، گھروں میں پڑھے جاتے تھے۔

دوسری منحوس بات یہ ہوئی کہ ان دنوں میں لاہور کے بعض تاجر گجرات (کاٹھیا وار) کی طرف گئے۔ ان ایام میں گجرات پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ جب ہندوؤں نے اس کپڑے کو جو لاہور سے سوداگر لے کر گئے تھے خریدنا چاہا تو ان سوداگروں نے کپڑے کی قیمت زیادہ بتائی۔ مثلاً جس کپڑے کی قیمت دس درہم تھی اس کی قیمت بیس درہم بتائی اور جس کی قیمت بیس درہم تھی اس کی چالیس درہم بتائی اسی طرح ہر کپڑے کی قیمت دوگنی بتائی۔ بعد ازاں ان کپڑوں کو ان کی اصلی قیمت پر بیچ دیا۔ یعنی جو قیمتیں بتائی تھیں ان سے نصف پر بیچ دیا۔ گجرات کے ہندوؤں کے ہاں یہ طریقہ نہ تھا کہ وہ جس سامان کو بیچنا چاہتے تھے اس کی ٹھیک ٹھیک قیمت بتاتے تھے اور ایک ہی بات کرتے تھے۔ الغرض جب گجرات کے ہندوؤں نے یہ لین دین دیکھا تو ان میں سے ایک نے سوال کیا کہ تم کس شہر سے آئے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم لاہور کے ہیں۔ اس ہندو نے کہا کہ کیا تمہارے شہر میں اسی طرح لین دین ہوتا ہے؟ لاہور کے سوداگروں نے کہا کہ ہاں اسی طرح۔ بعد ازاں اس ہندو نے کہا کہ کیا وہ شہر اب تک آباد ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں آباد ہے۔

ہندو کہنے لگا کہ وہ شہر جہاں اس طرح کاروبار ہوتا ہے۔ آباد نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ جب وہ سوداگر واپس آئے تو ابھی راستے ہی میں تھے کہ تاتاریوں نے لاہور پر حملہ کیا اور لاہور کو تباہ وبرباد کرکے رکھ دیا۔ [1]

شیخ محمد اکرام کا تبصرہ

عصر حاضر کے ایک اور نامور محقق، نقاد اور مؤرخ اور آب کوثر ، رود کوثر، اور موج کوثر ایسی بلند پایہ تحقیقی کتابوں کے مصنف شیخ محمد اکرام، شیخ رکن الدین سہروردیؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’ان کے حسن خلق اور پرہیزگاری کی سب تاریخیں گواہ ہیں کہ بالجملہ یہ کہنا صحیح ہے کہ خاندان خلجی اور خاندان غلاماں کے عہد حکومت میں سہروردیوں کا اثرورسوخ چشتیوں سے کم نہ تھا۔ اور بالخصوص سلطان علاء الدین خلجی، سلطان غیاث الدین تغلق اور سلطان محمد تغلق جس حد تک شیخ رکن الدّین کا پاس ادب کرتے تھے، اتنا انہوں نے کسی اور شیخ حتی کہ حضرت سلطان المشائخ کا بھی نہیں کیا۔ شیخ رکن العالمؒ نے یہ اثر خلق خدا کو فائدہ پہنچانے کی خاطر استعمال کیا۔‘‘[2]

خلیق احمد نظامی کا تبصرہ

تاریخ مشائخ چشت اور سلاطین دہلی کے مذہبی رحجانات ایسی اہم کتابوں کے مصنف پروفیسر خلیق احمد نظامی مشائخ سہرورد کی طرز زیست کے بارے میں مخصوص نظریات کے حامل ہیں اور مشائخ سہرورد کے بارے میں بعض مقامات پر غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔ جس پر ہم نے زیر مطالعہ تصنیف میں ’’غلط فہمیوں کا ازالہ‘‘ کے عنوان کے تحت سیر حاصل بحث اور نقد وجرح کی ہے۔ لیکن مشائخ سہروردؒ کے بارے میں مخصوص انداز فکر حاصل ہونے کے باوجود خلیق احمد نظامی

---

[1] ۔ فوائد الفواد ص ۲۵۰۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد سرور۔ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور ۱۹۷۳ء۔

[2] ۔ آب کوثر ص ۲۶۳، ۲۶۵۔

شیخ رکن الدینؒ کے حسن اخلاق عظمت کردار اور ان کی قابل قدر دینی خدمات کے پیش نظر ان کے بارے میں یہ لکھنے پر مجبور ہیں:

’’حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ اور شیخ رکن الدین ملتانؒی نے حکومت سے وابستگی لیکن اپنے روحانی پروگرام کو نظر انداز نہیں کیا۔‘‘[1]

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی کا جامع تبصرہ

آخر میں ہم مولانا جعفر شاہ پھلواروی کا جامع تبصرہ پیش کرتے ہیں جس سے حضرت شاہ رکن عالؒم کی شخصیت وکردار اور سلاطین دہلی کے ساتھ ان کے روابط کی نوعیت اور ان مراسم کے اصل مقاصد واضح ہوکر ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ مولانا موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی کے اہل حکومت کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ اہل حکومت کی اصلاح حال جس حد تک ممکن ہو کرتے رہیں۔

علامہ شمس بریلوی کا تبصرہ

مشائخ سہرورد کے سلاطین دہلی سے روابط کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ شمس بریلوی رقمطراز ہیں کہ سہروردی سلسلہ میں رفاہ خلق اور آسودگی عوام کے لئے دربار سے تعلق پیدا کرنا عین ثواب سمجھا جاتا تھا اور خود بانی سلسلہ سہروردیہ حضرت شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اس سے گریز نہیں کرتے تھے۔

سلطان غیاث الدین تغلق کی موت جیسا کہ مختلف روایات سے ظاہر ہے انتہائی مشکوک حالات میں واقع ہوئی۔ قبل ازیں علاء الدین خلجی اپنے چچا اور محسن ومربی جلال الدین فیروز خلجی کو ہلاک کرکے ہندوستان کا بادشاہ بنا تھا۔ وہاں معاملہ چچااور بھتیجے کے درمیان تھا اور یہاں باپ اور بیٹے کے مابین تنازعہ تھا۔ علاء الدین خلجی نے اپنے چچا کو کھلے بندوں مارا تھا۔ پھر

---

[1] ۔ تاریخ مشائخ چشت ص ۲۲۳۔۲۲۲۔

خزانوں کے منہ کھول کر رعایا کو رام کیا تھا۔ [1]۔ یہ سب باتیں جوناخان کو معلوم تھیں۔ چنانچہ وہ اپنے باپ کوکھلے بندوں موت کے گھاٹ نہیں اتار سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے باپ کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے ایک انوکھا اور حیرت انگیز طریقہ استعمال کیا جو اس کی سخت گیری اور ظلم پسندی کے علاوہ اس کی جدت طبع اور اختراع پسندی کا ایک محیر العقول نمونہ ہے۔

سلطان محمد کے بعض اقدامات اور منصوبے

ہندوستان کا کوئی بھی حکمران محمد بن تغلق جیسا جدت پسند، اختراع پرداز اور منصوبہ ساز ہونے کے ساتھ ساتھ سخت مزاج ظالم وجابر اور متشدد نہیں تھا۔ محمد شاہ نے نبوت کا دعویٰ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس نے پوری دنیا کو فتح کرنے کے لئے ایک بڑی فوج تیار کی۔ دہلی کی بجائے دولت آباد کو دارالسلطنت بنایا اور اہل دہلی کو حکم دیا کہ وہ دولت آباد منتقل ہو جائیں۔ اس نے طلائی سکوں کی جگہ تانبے کے سکے ڈھالنے کا منصوبہ بنایااور دشمن پر فتح پانے کے لئے ہر طرح کے حربے اور ہتھکنڈے استعمال کئے۔ [2]

چنانچہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرنے کے بارے میں سوچ سکتا اور اپنے محسن بہرام ایبہ کی فوج کو دھوکہ دینے کے لئے شیخ رکن الدین کے بھائی اور اپنے ہم شکل شیخ عماد الدین اسماعیل کو چتر شاہی کے نیچے کھڑا کراکر دانستہ موت کے منہ میں دھکیل سکتا تھا اس شخص سے کچھ بعید نہیں کہ اس نے اپنے باپ کی زندگی کا خاتمہ کرکے تخت وتاج حاصل کرنے کے لئے اپنے معتمد خاص اور ماہر تعمیرات احمد ایاز سے ایک

---

[1] ۔ سلطان علاء الدین خلجی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو مؤرخ ضیاء الدین برنی کی تصنیف تاریخ فیروز شاہی۔

[2] ۔ سلطان محمد تغلق کے حالات، خصوصیات اور اس کے منصوبوں کی تفصیلات کیلئے دیکھئے معاصر مؤرخ برنی کی تصنیف تاریخ فیروز شاہی اور معاصر سیاح ابن بطوطہ کا سفر نامہ ۔نیز دیگر کتب تاریخ۔

ایسا محل تعمیر کرایا ہو جس کے ایک خاص وقت پر گر جانے سے غیاث الدین تھا اس کے ساتھی اُمراء اور اس کے چہیتے بیٹے محمود کی بیک وقت موت واقع ہوسکے اور سلطان محمد بلاشرکت غیرے ہندوستان کے تخت وتاج کا مالک بن سکے۔

قاضی جاوید

ہمارے زمانے کے بعض اہل قلم نے صوفیہ کرام کو عام دنیادار تصور کرتے ہوئے اور مال ودولت کی حیثیت اور اس کے مصرف کی حقیقت اور مقاصد کو سمجھے بغیر ملتان کے مشائخ سہروردرحہم اللہ تعالیٰ کی مالی حیثیت کو موضوع بحث بنایا ہے اور ان پر تمول کا بے جااعتراض عائد کیا ہے۔ اس ضمن میں مشائخ سہرورد رحمۃ اللہ علیہ کا مشائخ چشت کے طرز زیست سے موازنہ کرتے ہوئے ڈاکٹر شمیم محمود زیدی نے لکھا ہے کہ مشائخ سہرورد متمول اور صاحب ثروت بزرگ تھے جب کہ ان کے ہم عصر خواجگان چشت تنگ دستی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ [1]

ڈاکٹر شمیم کا یہ دعویٰ تاریخی حقائق وشواہد کے مطابق کہاں تک درست ہے یہ ایک الگ مسئلہ ہے جس پر ہم نے اپنی متذکرہ زیر طبع تصنیف : ’’ملتان کے مشائخ سہروردؒ اور سلاطین دہلی اور تاریخی مطالعہ‘‘ میں تفصیلی بحث کی ہے۔

صوفیہ کرام کے نئے اور نام نہاد مداح کی زہر افشانیاں

تصوف کے حامی ومؤید اور صوفیہ کرام کے معتقد ومداح کے روپ میں ایک اور محقق ودانشور قاضی جاوید منظر عام پر آئے ہیں۔ انہوں نے ’’پنجاب کے صوفی دانشور‘‘ کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے ۔ جس میں انہوں نے پنجاب کے تمام اہم صوفیہ کرام کو بالعموم اور مشائخ سہرورد کو بالخصوص ہدف تنقید بنایا ہے اور ان کی بے دریغ کردار کشی کی ہے۔ قاضی

---

[1] ۔ احوال وآثار شیخ بہاء الدین زکریاؒ، ص ۱۲۔ از ڈاکٹر شمیم محمود زیدی۔

جاوید کی اس گمراہ کن کتاب کے مطالعہ سے ان کی ذہنی کیفیت اور ان کے اصل مقاصد کی واضح طور پر نشاندہی ہوتی ہے۔ مقام حیرت ہے کہ قاضی جاوید کو سرزمین اولیاء پنجاب کے اکابر مشائخ جن میں حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں پر ہر نوع کے اخلاقی اور ناشائستہ الزامات عائد کرنے کی جسارت کیوں کر ہوئی؟ قاضی جاوید نے اپنے قلمی اسلحہ خانہ کے تمام ہتھیار صوفیہ کرام کے خلاف استعمال کردیئے ہیں اور بزرگان دین کی شخصیت اور ان کے اعمال وکردار کو غلط انداز میں پیش کرنے کی ناپاک سعی وکوشش میں نہ صرف تاریخی حقائق وشواہد کو توڑ موڑ کر پیش کیا ہے بلکہ ہر نوع کے دجل وقریب، کذب وافتراء اور دسیسہ کاری سے کام لینے میں قطعی طور پر کوئی شرم وندامت محسوس نہیں کی۔ غرض یہ کہ قاضی جاوید نے صوفیہ کرام کی قابل صد احترام شخصیات پر ایسے غلط، بے بنیاد اور شرمناک الزامات عائد کئے ہیں اور ان پر ایسے ایسے بہتان باندھے ہیں کہ جنہیں دہرانا ایک تکلیف دہ امر ہے۔ قاضی جاوید ان الزامات کے مسکت ومدلل اور دوٹوک جوابات ہم نے اپنی تصنیف ''مشائخ سہروردؒ اور سلاطین دہلی ایک تاریخی مطالعہ'' میں دیئے ہیں۔ یہاں پر قاضی جاوید کی کتاب ''پنجاب کے صوفی دانشور'' کے حوالے سے ہم صرف اس حقیقت کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں کہ ملتان کے مشائخ سہرورؒد کس درجہ صاحب ثروت بزرگ تھے اور ان کی مالی حیثیت کس قدر مضبوط ومستحکم تھی؟

شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانؒی کی بے پناہ دولت وثروت آج لیجئے اور طنزیہ انداز سے ذکر کرنے اور شیخ صدر الدین عارؒف کی شان میں نازیبا کلمات ادا کرنے بعد قاضی جاوید نے حضرت شیخ رکن الدین قدس سرہٗ کی ذات اقدس کے بارے میں لکھا ہے :

''ملتان کے گرد ونواح میں ان (شیخ رکن الدینؒ) کی جاگیریں پھیلی ہوئی تھیں، سلطان محمد تغلق بھی ملتان سے دہلی جاتے

ہوئے شیخ کی خدمات کے عوض اپنے باپ کا پُرسکون مقبرہ اور سو (۱۰۰) دیہات نذرانے کے طور پر دے گیا تھا۔''[1]

قاضی جاوید نے شیخ رکن الدین کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے شان وشوکت، عظمت اور شہرت کی پُرلطف زندگی گزار کر ۱۳۳۵ء میں وفات پائی۔ [2]

مشائخ سہرورد بالخصوص شیخ رکن الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں قاضی جاوید کی یہ گمراہ کن تحریر بھی قابل اعتراض اور توجہ طلب ہے:

''اصل یہ ہے کہ سہروردی اکابرین اور خصوصاً شیخ رکن الدین بنیادی طور پر ایسے جاگیردار تھے جنہیں ورثے میں روحانی اقتدار بھی ملا تھا۔ اس اقتدار کو نہوں نے اکثر وبیشتر دنیاوی حاصلات کے لئے استعمال کیا۔''[3]

اپنی اس تصنیف ''حیات وتعلیمات شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانؒی '' میں ہم نے پروفیسر خلیق احمد نظامی، قاضی جاوید اور نور احمد خان فریدی وغیرہم کے حضرت شیخ رکن الدین سہروردیؒ اور ان خانوادے کے بارے میں صرف ان امور، اشکال اور اعتراضات کو نقل کیا ہے جن اعتراضات کے جواب ہم نے اپنی اس کتاب میں پیش کردیئے ہیں۔ مثلاً سہروردؒ اور حضرت شیخ رکن الدّینؒ کی شخصیت اور ان کے سیرت وکردار پر قاضی جاوید اور ان جیسے دوسرے اہل قلم نے جو شرمناک اور بے بنیاد اعتراضات عائد کئے ہیں اور جس سخت انداز اور توہین آمیز الفاظ میں ان قابل صدر احترام بزرگان دین کی کردار کشی کی ہے ان سب اعتراضات، الزام تراشیوں اور ہرزہ سرائیوں کے جواب میں مستقل اہمیت کی حامل کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔

---

1 ۔ پنجاب کے صوفی دانشور ص ۶۳۔

2 ۔ ایضاً۔

3 ۔ ایضاً ص ۱۱۴۔

اس کی دو بڑی وجوہات تھیں اول یہ کہ قاضی جاوید ان کے قبیلے کے دوسرے غیرمحتاط اور غیر ذمہ دار اہل قلم نے جس بے دردی اور بے عقلی سے مشائخ سہرورد ؒ پر تنقید کی ہے اور شیخ رکن الدین سہروردیؒ سمیت پنجاب کے دیگر تمام اکابر شیوخ کے خلاف مختلف النوع الزامات عائد کئے ہیں۔ اور ان روحانی شخصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے جو گھٹیا اور بازاری زبان اور گستاخانہ لہجہ اختیار کیا ہم نہیں چاہتے کہ اس زبان میں عائد کردہ شرمناک الزامات کو یہاں نقل کرکے اپنی اس کتاب کے تقدس وحرمت کو پامال کریں۔ ثانیاً یہ کہ صوفیہ کرام بالخصوص حضرت شیخ رکن الدین ملتانؒی اور ان کے آبائے کرام کے خلاف عائد کئے جانے والے الزامات اعتراضات کی فہرست اتنی طویل ہے کہ ان کے جوابات ایک الگ ضخیم کتاب کی صورت میں دیئے جاسکتے ہیں۔ زیر مطالعہ تصنیف کے طے شدہ محدود صفحات میں یہ ممکن نہیں ہے کہ الزام تراشی، دشنام طرازی، کلوخ اندازی، کذب بیانی اور ہرزہ سرائی کی غلاظت کو صاف کرکے حقوق ودقائق کی خوشبو کو پھیلایا جاسکے۔ پھر ہمارے لئے یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ دجل وفریب، کذب وافتراء، اور الزام ودشنام کے اس طلسم کو توڑا نہ جائے۔ چنانچہ ہم نے ''ملتان کے مشائخ سہرورد ؒ اور سلاطین دہلی ایک تاریخی مطالعہ'' کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں مشائخ سہرورد ؒ کے احوال بیان کرنے کے علاوہ ان تمام اعتراضات والزامات کے جواب دیئے گئے ہیں جو مشائخ پر اب تک عائد کئے گئے ہیں۔

خلیق نظامی کا اعتراض بے معنی اور مؤقف بے وزن ہے

پروفیسر خلیق احمد نظامی کے متذکرہ اعتراض کے اس حصے یعنی سلطان علاء الدین خلجی کسی طبقہ یا فرد کو مال دار نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسی بناء پراس نے اپنے عہد کے کسی بڑے عالم یا مدد بزرگ کو نہ جاگیردی، نہ اتنے زیادہ تحائف اور نذرانے

دیئے ان کی مالی حالت غیر معمولی طور پر مستحکم ہو جائے۔[1]

اب جب کہ تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ شیخ رکن الدینؒ بلاشبہ صاحب ثروت بزرگ تھے۔ اور ان کے ناقدین نے ان کی اور ان کے آبائے کرام کی مالی حالت غیرمعمولی طور پرمستحکم ہونے کو اس حد تک تسلیم کیا ہے کہ اس کا اندازہ کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ ان کی بے پناہ دولت اور بے اندازہ جائیداد واملاک کے پیش نظر ان پر تمول اور دولت مندی کے الزامات عائد کئے گئے۔ اسلام اسلامی تصوف کے اصول ومبادیات کے مطابق انسان کس حد تک صاحب ثروت اور صاحب مال ومنال ہو سکتا ہے یہ اپنی جگہ ایک الگ اور بحث طلب معاملہ ہے یہاں ہم صرف اس امر کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت شیخ رکن الدّینؒ کی مالی حالت شروع ہی سے اس قدر مستحکم تھی کہ اس کے مزید مستحکم ہونے کی صورت میں ان کی شخصی حیثیت اور ان کے اثر ورُسوخ اور روحانی احاطہ میں قطعی طور پر کوئی فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔ بنابریں خلیق احمد نظامی کا یہ خیال بے معنی اور ان کا یہ مؤقف بے وزن ہو کر رہ جاتا ہے کہ سلطان علاء الدین نے شیخ رکن الدّینؒ کی خدمت میں اتنی خطیر رقوم کے نذرانے پیش نہیں کئے جن سے ان کی مالی حالت غیرمعمولی طور پر مستحکم ہو جائے۔

علاء الدین قابل منتظم اور باخبر وصاحب تدبیر حکمران تھا

سلطان علاء الدین خلجی ان پڑھ اور ظالم ہونے کے باوجود انتہائی کامیاب، منتظم، ذہین وزیرک سیاستدان، آزمودہ کار سپہ سالار اور ملکی حالات سے مکمل طور پر باخبر ایک صاحب تدبیر حکمران تھا۔ اس کی فہم وفراست کا اندازہ معاشی ومعاشرتی اصلاحات اور جدید قوانین کے نفاذ سے کیا جاسکتا ہے۔

---

[1] ۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۲۷۰۔۲۷۱۔ خلیق احمد نظامی کی اس تحریر کا مکمل اقتباس گزشتہ اوراق میں پیش کیا گیا ہے۔

شاندار اور قابل قدر فتوحات اس کی قوت وعظمت او ر اس کی جنگی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ امن وامان کی بحالی، رفاہ عامہ اور رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کے باب میں اس نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ اوراق تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ [1]

غرض یہ کہ جہاں تک عوام کی فلاح وبہبود اور رعایا کی خبرگیری اور ملکی نظم ونسق کو قوانین وضوابط کے مطابق چلانے کا تعلق ہے مشرق اور مغرب کا کوئی جدید یا قدیم بادشاہ علاء الدین خلجی کی ہم سری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

علاء الدین نے سازشوں اور بغاوتوں کے سد باب کے لئے مؤثر اقدامات کئے

سلطان علاء الدین خلجی کا ایک نمایاں کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے امراء کی سازشوں کے سد باب اور آئے دن کی بغاوتوں کو روکنے کے لئے انتہائی ضروری اور کامیاب تدابیر اختیار کیں۔ خفیہ خبر رسانی کا انتہائی مؤثر وکارگر اور ملک گیر نظام کی اس کی حکمت عملی کا شاہکار تھا۔ خفیہ خبررسانی کا اس نے جو نظام رائج کیا۔ وہ اپنی مثال آپ تھا۔ رعایا کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے سلطان نے ملک بھر میں اپنے جاسوسوں کا جال پھیلا رکھا تھا۔ خفیہ خبر رسانی کا محکمہ اس قدر سرگرم وفعال تھاکہ اس کے ذریعے سلطان کو پورے ملک کے اچھے بُرے حالات کی خبریں بلا تاخیر مل جاتی تھیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ امراء اور اراکین سلطنت رات کے وقت اپنے گھروں میں اپنے اہل وعیال سے جو گفتگو کیا کرتے تھے اس کی حرف بہ حرف اطلاع بادشاہ کو ہو جایا کرتی تھی۔ صبح کے وقت جب کوئی امیر خلجی سلطان کے دربار میں آتا تو سلطان اس کے سامنے گذشتہ رات کی اس کی گفتگو کی مکمل رپورٹ اس کے سامنے رکھ دیتا۔ امیر اس تحریر کو پڑھ کر انگشت بدنداں ہو جاتا۔ اس رپورٹ کی ایک ایک بات صحیح طریقے سے لکھی ہوئی ہوتی تھی۔ اس کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا

---

[1] ۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو معاصر مؤرخ ضیاء الدین برنی کی ’’تاریخ فیروز شاہی‘‘۔

کہ لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوئے بھی گھبرانے لگے۔ اپنے گھروں میں بھی لوگ آدھی آدھی رات کے وقت اونچی آواز سے بولتے ہوئے جھجکتے تھے۔ عام طور پر گفتگو اشاروں کنایوں سے ہوتی تھی۔ اس صورت حال کی وجہ سے ملک میں چاروں طرف امن واماں کا دور دورہ ہوگیا۔ [1]

نامور فرنگی مؤرخ سٹینلے لین پول سلطان علاء الدین خلجی کے رائج کردہ خفیہ خبر رسانی کے نظام کا موازنہ روس کے جاسوسی نظام کے ساتھ کیا ہے اور لکھا ہے کہ خلجی سلطان کا خفیہ خبر رسانی کا نظام روس کے جاسوسی نظام سے بھی سخت تھا۔ [2]

شیخ رکن الدّین کی دولت اور اثر ورسوخ سے علاء الدین آگاہ تھے

سلطان علاء الدین خلجی کے خفیہ خبر رسانی کے نظام کی موجودگی میں کون شخص ایسا ہوگا جو یہ کہنے کی جرات کر سکتا ہو کہ خلجی سلطان، ملتان کے معروف وممتاز سہروردیؒ خانوادے اور اس خانوادے کے رکن رکین اور سجادہ نشین شیخ رکن الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی بے اندازہ دولت وثروت اور ان کی غیر معمولی طور پر مستحکم مالی حالت سے واقف وآگاہ نہیں تھا۔ شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریاؒ ان کے خانوادے اور ان کے روحانی جانشینوں یعنی شیخ صدر الدین عارفؒ اور شیخ رکن الدین ملتانی کی غیر معمولی دولت وثروت اور ان کی روحانی عظمتوں کی شہرت سلطان علاء الدین خلجی کی سلطنت ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس خانوادے کے روحانی اقتدار، بے پناہ اثر ورسوخ اور مادی وسائل وذرائع سے سب لوگ بخوبی آشنا تھے۔ اور ان حالات سے سب سے زیادہ واقف وآگاہ خود علاء الدین خلجی تھا۔ اس لئے کہ وہ نہ صرف ایک باشعور وباخبر حکمران تھا بلکہ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح سہروردیؒ اس کے عہد کی سب

---

[1] ۔ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۳۶۲۔۳۶۳۔ مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے تاریخ فیروز شاہی

[2] ۔ سڈی ویل انڈیا ص ۱۰۴

سے منفرد وممتاز روحانی شخصیت تھے اور بعض روایات کے مطابق اس کی سلطنت کے شیخ الاسلام بھی۔

علاوہ ازیں علاء الدین خلجی کو شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکرؒیا کی دولت وثروت اور فیاضی وسخاوت کے غیر معمولی اور قابل قدر واقعات سے بھی ضرور آگاہی ہوگی اور حضرت شیخ الاسلام نے اسباب ونقد اور جائیداد کی صورت میں جو ترکہ چھوڑا اس کی کیفیت اور قدر وقیمت کا بھی اسے کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہوگا۔ پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ شیخ صدر الدین عارفؒ نے اس ترکہ میں سے اپنے حصے کے سات لاکھ تنکے اور دیگر ساز وسامان جو فقراء ومساکین میں کھڑے کھڑے تقسیم کردیا تھا اور ایک درم بھی اپنے پاس نہیں رکھا تھا۔ سلطان علاء الدین خلجی فیاضی وسخاوت کے اس بے مثال تاریخی واقعہ سے بھی یقیناً واقف ہوگا۔ چنانچہ ملتان کے اس منفرد وممتاز خانوادے کی بے پناہ دولت وثروت اور مشائخ سہرورؒد کی روایتی فیاضی بالخصوص شیخ صدر الدین عارؒف کی داد ودہش دریا دلی اور کریم النفسی کے متذکرہ قابل رشک تاریخی واقعہ سے واقف وآگاہ ہونے کے باوجود سلطان علاء الدین خلجی جیسااولوالعزم، دولت اور صاحب قوت عظمت فرماں رواں ان کے فرزند ارجمند شیخ رکن الدین ملتاؒنی کی خدمت میں دس پندرہ لاکھ یا کم از کم چھ سات لاکھ تنکوں کی نذر پیش کرنے کے بجائے دس بیس ہزار تنکوں کا نذرانہ پیش کرکے دنیا اوراپنے اُمراء کے سامنے نادم وشرمسار ہوتا۔ اس لئے غالب امکان یہی ہے کہ خلجی سلطان نے ان کے حضور پندرہ لاکھ نہیں تو کم از کم چھ سات لاکھ تنکوں کا نذرانہ ضرور پیش کیا ہوگا۔

قدرت شیخ رکن الدینؒ کے ہاتھ سات لاکھ تنکے تقسیم کرانا چاہتی تھی

یہ بھی ممکن ہے کہ خدائے بزرگ وبرتر کو یہ منظور ہو کہ شیخ رکن الدّین بھی اپنے والد بزرگوار کی طرح سات لاکھ تنکے اپنے ہاتھوں سے فقراء ومساکین میں تقسیم کریں۔ چنانچہ اللہ

تعالیٰ نے سلطان علاء الدین خلجی کے دل میں یہ بات ڈال دی ہو اور سلطان نے مشیّت ایزدی کے تحت خطیر رقوم کے نذرانے شیخ رکن الدّین کی خدمت میں پیش کردیئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور بادشاہوں کی مرضی سے کون آگاہ ہو سکتا ہے؟ بہرحال خلیق احمد نظامی کی دلیل کہ علاء الدین خلجی نے کسی بڑے عالم یا ماہر بزرگ کو نہ جاگیردی، نہ اتنے زیادہ تحائف ونذرانے دیئے کہ ان کی مالی حالت غیر معمولی طور پر مستحکم ہو جائے۔ شیخ رکن الدین سہروردیؒ کے خاندان کا پس منظر اور ان کی املاک وجائیداد کے پیش نظر بالکل بے وزن اور بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ شیخ رکن الدینؒ کی ذاتی اور ان کے خاندان کی مالی حالت تو غیر معمولی طور پر مستحکم تھی اور اس سطح پر پہنچ چکی تھی کہ اس میں کسی مزید اضافے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔ دنیاوی اُمور ومعاملات اور مادی نقطہ نگاہ سے علم سوا اور حرص وہوس سے قطع نظر ہر شے کی ایک سطح ہوتی ہے۔ اگر کوئی شے اس خالی سطح پر پہنچ جاتی ہے تو پھر اس میں مزید اضافے کی یا تو سرے سے گنجائش ہی نہیں یا پھر اگر کسی شے کی مقدار، تعداد اور قوت میں اضافہ کر بھی دیا جائے تو اس اضافے سے اس شے کی ماہیت وکیفیت میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ مثلاً پانی کا تالاب اگر بیس فٹ گہرا ہے اور لبالب بھرا ہوا ہے تو اس میں مزید پانی کی گنجائش نہیں۔ اور اگر تالاب میں پانی کی سطح پندرہ فٹ بلند ہے تو اس کی سطح میں ایک دو فٹ بلندی کے اضافے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا اس لئے کہ تالاب میں نہانے تیرنے کے لئے پندرہ فٹ پانی کی گہرائی بھی وہی کام دے گی جو سولہ یا سترہ فٹ کی گہرائی ۔

شیخ رکن الدین سہروردیؒ کے معاملے میں مال ودولت کی حرص وطمع کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ مال ودولت کے ذخائر کے علاوہ اس قدر وسائل کے مالک تھے کہ انہیں کسی بادشاہ کے نذرانے یا امداد کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ جس شخص یا خاندان کی مالی حالت پہلے ہی سے غیرمعمولی طور پر مستحکم ہو اسے

چند لاکھ تنکے اور دے دینے سے بادشاہ کو اس شخص یا اس خاندان کی جانب سے کیا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا؟

مشائخ سہرورد کی قوت وروحانی اقتدار کے باعث ملتان مرکز کے تحت رہا

نظامی صاحب نے غالباً مولانا جمالی کی زیر بحث روایت پر اعتراض کرتے ہوئے اور اپنے مؤقف کے حق میں دلائل دیتے ہوئے شیخ رکن الدینؒ اور ان کے خاندان کے اثر ورسوخ، ذرائع ووسائل اور ان کی مالی حالت کے غیر معمولی طور پر مستحکم ہونے کے بارے میں غور نہیں کیا۔ ہمارے خیال میں شیخ رکن الدینؒ سمیت ملتان کے مشائخ سہرورد کی مالی حالت اتنی مستحکم تھی کہ وہ علاء الدین خلجی سمیت تمام سلاطین دہلی کے لئے خطرہ کا باعث بن سکتے تھے۔ اور سلطان شمس الدین التمش سے لے کرسلطان فیروز شاہ تغلق برعظیم پاکستان وہند کے تمام حکمرانوں کے ایوان اقتدار کی بنیادوں کو متزلزل کر سکتے تھے کتب تاریخ وسیر اس امر کے بھی وافر ثبوت مہیا کرتی ہیں کہ ملتان کے اس مشہور ومقبول ہمہ مقتدر سہروردی خانوادے کے تمام اکابر مشائخ کے سلاطین دہلی کے ساتھ نہ صرف ہمیشہ خوشگوار روابط قائم رہے بلکہ مشائخ سہروردؒ نے ہر مشکل وقت میں سلاطین کا ساتھ اور ان کی ہر سطح پر ہر ممکن امداد واعانت کی۔ چنانچہ تاریخی حقاق وشواہد کی روشنی میں یہ دعویٰ بلاخوف تردید کیا جاسکتا ہے کہ سلطان علاء الدین خلجی اور اس سے پہلے یااور اس کے بعد میں تخت نشین ہونے والے حکمرانوں کوملتان کے مشائخ سہروردی سے کبھی اور کسی قسم کا خطرہ لاحق نہیں رہا۔ بلکہ اس کے برعکس وہ تو سلاطین دہلی کے مددگار ومعاون ثابت ہوئے اور جب تک مشائخ سہرورؒد کو روحانی اقتدار حاصل رہا اور ان کی مالی حالت مستحکم رہی اس وقت تک ملتان مرکزی حکومت کے زیرنگین رہا۔ شیخ رکن الدینؒ کے بعد نہ تو ملتان کے اس روحانی خانوادے میں ان جیسا شیخ طریقت پیدا ہوا اور نہ اس خانوادے کو پہلے جیسا روحانی اقتدار حاصل رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ رکن

الدّین کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی ملتان مرکزی حیثیت کھو بیٹھا اور تاریخ کے ان اہم پہلووں بالخصوص مشائخ سہروردؒ کے سلاطین دہلی کے ساتھ گہرے اور مستقل روابط تبلیغ اسلام کے سلسلے میں مشائخ سہرورد کی طے شدہ حکمت عملی ان کے ملک گیر تبلیغی نظام اور ان تاریخی حالات وواقعات اور ان سے متعلقہُ امور اور ان کے مضمرات پر پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اگر غور کرتے تووہ نہ تو اس نوع کا اعتراض کرنے کی جرات کرتے اور نہ اپنے اعتراض کے حق ایسے کمزور اور بے بنیاد دلائل ہی پیش کرتے۔

خلیق احمد نظامی کی ایک اور کمزور اور بے بنیاد دلیل

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنے مؤقف کے حق میں دلیل دیتے ہوئے فرمایا: ’’جمالی سہروردیہ سلسلہ سے منسلک تھے اس لئے انہوں نے سلسلہ تغلق کی بناء پر غالباً اس روایت کی تحقیق کی طرف توجہ نہیں کی‘‘ نظامی صاحب کا اسلوب بیان اور ان کی دیگر تصنیفات کی وہ تحریریں جہاں انہوں نے مشائخ سہرورد کا تذکرہ کیا ہے اور مشائخ سہروردؒ اور مشائخ چشت اور ان روحانی سلاسل کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے ان سے واضح طور پر اس امر کی غمازی ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ بزرگان چشت کے بارے میں اپنے دل میں نرم گوشتہ رکھتے ہیں بلکہ مشائخ سہروردؒ کے بارے میں ان کا نقطہ نگاہ سخت ناقدانہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اس اعتراض میں ’’غالباً‘‘ کا لفظ صرف تکلفاً لکھ دیا ہے ۔ اصل میں وہ کہنا یہی چاہتے ہی کہ مولانا جمالی نے اپنے سلسلہ کے ایک بزرگ کی عزت اور ووقار میں اضافہ کرنے کے لئے یہ سب کچھ لکھ دیا ہے ہم ان کی نیت پر شک نہیں کریں گے اس لئے کہ نیت اور دلوں کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ بہرحال اپنے جملے میں ’’غالباً‘‘ کا لفظ استعمال کرکے انہوں نے خود ہی اپنی دلیل کو کمزور کر دیا ہے۔

خلیق احمد نظامی کے اعتراض کا ایک افسوسناک پہلو

ہمیں اس امر پر کوئی افسوس یا اعتراض نہیں ہے کہ خلیق احمد نظامی جیسے نامور مصنف، محقق اور دانشور نے مولانا جمالی جیسے ثقہ راوی اور ذمہ دار تذکرہ نگار کی بیان کردہ ایک روایت کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا بلکہ ہمیں تو افسوس اس امر پر ہے کہ نظامی صاحب نے اپنے شک وشبہ کااظہار یہ کہہ کر کیا کہ چونکہ جمالی کا تعلق سہروردی سلسلہ سے تھا۔ غالباً اس لئے انہوں نے اس روایت کی تحقیق کی طرف توجہ نہیں کی۔ یعنی کہ نظامی صاحب نے مولانا جمالی کی نیت پر شک اور ان کے انداز فکر پر حملہ کیا ہے۔ نظامی صاحب یہ اعتراض براہ راست بھی کر سکتے تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر انہیں لکھنے کی کیا ضرورت تھی کہ مولانا جمالی نے متذکرہ روایت کے بارے میں مطلوبہ تحقیق کس بناء نہیں کی؟ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ نظامی صاحب کے پاس ایسا کونسا پیمانہ ہے جس میں انہوں نے یہ اندازہ کر لیا کہ مولانا جمالی سے تحقیق نہ کرنے کی جو کوتاہی سرزد ہوئی ہے اس کی وجہ اور سبب ان کا سہروردیہ سلسلہ سے منسلک ہونا تھا؟

اگر لمحہ بھر کے لئے یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ سلسلہ سہروردیہ سے تعلق کی بناء پر مولانا جمالی نے زیر بحث روایت کے بارے میں ضروری تحقیق نہیں کی تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ کیا مؤرخ محمد قاسم فرشتہ نے بھی اسی سلسلے سے منسلک ہونے کی بناء پر یہ لکھ دیا سلطان علاء الدین خلجی، شیخ رکن الدّین کی دہلی میں ایک بار آمد اور ان کی دہلی سے روانگی کے موقع پر بالترتیب دس لاکھ اور پانچ لاکھ روپے بطور شکرانہ پیش کرتا تھا۔ پھر قابل امر یہ ہے کہ مولانا جمالی اور مؤرخ فرشتہ دونوں ہی نے اس روایت کوشیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور مزید توجہ طلب امر یہ ہے کہ علاء الدین خلجی کے عہد میں شیخ رکن الدّین کی دہلی میں ایک بار آمد اور روانگی پر نذرانوں کی کل رقم مولانا جمالی کی سیر العارفین میں منقول روایت کے مطابق سات لاکھ روپے اور مؤرخ فرشتہ کی نقل کردہ روایت کے مطابق کل پندرہ لاکھ روپے بنتی ہے۔ چنانچہ اصولی طور پر نظامی صاحب کو چاہئے

تھا کہ وہ جمالی کی نقل کردہ روایت پر گرفت کرنے کی بجائے فرشتہ کی بیان کردہ روایت کو اپنی جرح کے لئے منتخب کرتے اس لئے کہ مؤرخ فرشتہ نے سلطان علاء الدین کے نذرانوں کی جو رقوم لکھی ہیں وہ مولانا جمالی کی بیان کردہ رقوم سے دگنی سے بھی زیادہ ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ نظامی صاحب نے مؤرخ فرشتہ کی نقل کردہ روایت کو نظر انداز کردیا ہے اور مولانا جمالی کی نقل کردہ روایت کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ خلیق احمد نظامی نے مؤرخ فرشتہ کی متذکرہ روایت کو اس لئے قابل اعتناء نہیں سمجھا کہ اس کا حوالہ دے کر وہ یہ نہیں لکھ سکتے تھے کہ مؤرخ فرشتہ نے سہروردیہ سلسلہ سے منسلک ہونے کی بناء پر غالباً اس روایت کی تحقیق کی طرف توجہ نہیں کی؟ انہیں کسی ایسے مؤرخ یا تذکرہ نگار کی تلاش تھی جس کا تعلق سلسلہ سہروردیہ سے ہو اور اس نے متذکرہ روایت کو بھی نقل کیا ہوجو انہیں مولانا جمالی کی صورت میں مل گیا اور اس طرح ان کے قلم کو وہ لکھنے کا موقع مل گیا جووہ لکھنا چاہتے تھے۔[1]

ہم یہ نہیں کہتے کہ مولانا جمالی سے اغلاط نہیں ہوئیں یاان کی تالیف ''سیر العارفین'' میں منقول ومرقوم تمام کی تمام روایات اور تمام کے تمام واقعات صحیح اور درست ہیں۔ مولانا جمالی

---

[1] ۔ خلیق احمد نظامی کی تحریروں میں ملتان کے مشائخ سہروردؒ بالخصوص شیخ رکن الدین سہروردیؒ کے بارے میں کڑی تنقید ملتی ہے۔ نظامی صاحب نے مشائخ سہرورد کے طرز زیست اور ان کے سلاطین دہلی کے سارے روابط کو بھی موضوع بحث بنایا ہے اور اس ضمن میں مشائخ سہرورد کاان کے ہم عصرمشائخ چشت سے مقابلہ وموازنہ کیا ہے جو ہمارے نزدیک اس لئے بے معنی ومہمل بات ہے کہ اول تو صوفیاء کرام خود ان کا تعلق کسی بھی معروف روحانی سلسلے کے ساتھ ہو ان کے مابین فرق امتیاز کرنا کسی بھی لحاظ سے درست امر نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ نظامی صاحب نے اس ضمن میں صرف ضعیف اور کمزور روایت کا سہارا لیا ہے بلکہ دانستہ طور پر تاریخی حقائق وشواہد کو مسخ کرکے پیش کیا ہے۔ جس کی بناء پر نظامی صاحب کے بارے میں یہ تاثر ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ سب کچھ نظامی چشتی سلسلہ سے عقیدت کی بناء پر کیا ہے۔

اور مؤرخ فرشتہ دونوں ہی سے دیگر مؤرخین اہل قلم کی طرح کوتاہیاں اور غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ ہم نے زیر مطالعہ تصنیف میں ان دو حضرات کی بیان کردہ بعض روایات کا محاکمہ کیا ہے۔ لیکن مولانا جمالی اور مؤرخ فرشتہ اہل قلم تذکرہ نویسی اور تاریخ نگاری کے اصولوں سے آگاہ ہونے کے علاوہ انتہائی باشعور بالغ النظر، غیر متعصب وغیرجانبدار اور صاحب فہم وفراست مصنف تھے اور یہ بات پورے وثوق اور ذمہ داری سے کہہ سکتے ہیں کہ مولانا جمالی قطعی طور پر اس انداز فکر کے تذکرہ نگار نہیں ہیں جیسا کہ نظامی صاحب نے ان کے بارے میں اپنی تحریروں میں تاثردینے کی کوشش کی ہے۔

ابن بطوطہ سندھ کے مختلف شہروں اور علاقوں مثلاً سیوستان جنانی، لاہری بندر، بھکر اور اوچ وغیرہ کی سیاحت کرتے ہوئے ملتان میں وارد ہوا چنانچہ ملتان میں اپنی آمد اور حضرت شاہ رکن عالم ملتانی کے متعلقین کے یہاں اپنے قیام کا ذکر کرتے ہوئے ابن بطوطہ رقمطراز ہے کہ اوچ سے روانہ ہو کر میں ملتان پہنچا۔ یہ شہر ملک سندھ کا دارالحکومت ہے۔ یہاں کا امیر الامرا بھی اسی شہر میں رہتا ہے۔ اسے قطب الملک کہتے تھے۔ ملتان میں داخل ہونے سے پہلے ایک دریا پار کرنا پڑتا ہے۔ ہر چند کہ یہ دریا کوئی بڑا دریا نہیں لیکن گہرا ہونے کی وجہ سے اسے کشتیوں کے ذریعے عبور کیا جاتا ہے ۔ اس دریا کو پار کرنے والے تمام افراد کے احوال کی تحقیق کی جاتی تھی اور ان کے مال اسباب کی تلاشی لی جاتی تھی۔ اور ہر شخص کو ایک چوتھا ئی مال بطور محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ ہر گھوڑے پر سات دینار محصول لگتا تھا۔ مجھے علم تھا کہ میری بھی تلاشی لی جائے گی لیکن قطب الملک حاکم ملتان نے اپنے ایک افسر کے ذریعے ہدایت بھیجی کہ میری تلاش نہ لی جائے۔ جب میں قطب الملک کے پاس پہنچا تو اس نے میری بہت عزت کی اور مجھے اپنے ساتھ بٹھایا۔ میں نے ایک غلام، ایک گھوڑا اور کشمش بادام وغیرہ اس کے نذر کئے۔ قطب الملک نے حکم دیا کہ میں ملتان میں شیخ رکن الدینؒ کے متعلقین کے پاس قیام کروں اور ان کی یعنی شیخ رکن الدّین کی یہ عادت تھی کہ وہ حاکم کی

اجازت کے بغیر کسی (اجنبی مسافر) کو اپنے پاس مہمان نہیں ٹھہراتے تھے۔ [1]

ابن بطوطہ کے اپنے الفاظ یوں ہیں

"ولمادخلنا علی ہذا الامیر وسلمنا علیہ کما ذکرنا امر بانزالنا فی دار خارج المدینۃ ہی لاصحاب الشیخ العابد رکن الدین الذی تقدم ذکر وعادتہم الا یضیفوا احدا حتی یاتی امر السلطان بتضیفہ۔"

ابن بطوطہ کے بیان کا غلط مفہوم

ابن بطوطہ کے مذکورہ بالا بیان سے اکثر مؤرخین اور تذکرہ نگار غلط مفہوم اخذ کیا ہے۔ اس ضمن میں یہاں پر ہم دو مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

خلیق احمد نظامی نے اس واقعہ کو عجائب الاسفار کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے :"ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ شیخ رکن الدؒین کسی شخص کو اپنی خانقاہ میں نہ ٹھہراتے تھے جب تک کہ وہ والیٔ ملتان سے اجازت حاصل نہ کرلیں۔" [2]

نظامی صاحب نے ابن بطوطہ کے سفرنامہ کی اصل عبارت پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کی حتی کہ انہوں نے عجائب الاسفار کا مطالعہ کیا اور نہ جانے کہاں سے مذکورہ عبارت نقل کردی۔ اس کے ساتھ ہی پروفیسر موصوف نے شیخ رکن الدین ملتاؒنی کے بلند مرتبہ ومقام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان الفاظ کا اضافہ بھی کردیا۔ معلوم نہیں کہ یہ پابندی خود انہوں نے اپنے اوپر عائد کی تھی یا سلطان نے اس چیز پر مجبور کیا تھا۔ بہرحال اس پابندی کے بعد روحانی آزادی کا تصور بے معنی ہوگیا۔ لیکن شیخ رکن الدینؒ بڑی روحانی صلاحیتوں اور

---

1 ۔ رحلۃ ابن بطوطہ، ص ۲۶۹۔۲۶۸۔

2 ۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رحجانات، خلیق احمد نظامی ص۱۳۳۔

زبردست روحانی اقتدار کے مالک تھے۔ انہوں نے سلسلہ کے نظام کو بڑی خوبی سے چلایا۔[1]

نظامی صاحب نے عجائب الاسفار کا حوالہ بھی غلط دیا ہے ۔ہمارے پیش نظر عجائب الاسفار سفر نامہ ابن بطوطہ کا ۱۹۸۳کا مطبوعہ نسخہ ہے جسے قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔

اسی طرح مولوی نوراحمد خان فریدی نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے جبکہ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ ہمیں حکم ملا کہ ہم حضرت شیخ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان خانہ میں قیام کریں۔ اس زمانے کا قانون یہ تھا کہ غیر ملک کا کوئی مسافر بلااجازت اس درگاہ پر بطور مہمان نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ [2]

یہ نقل کرنے کے بعد نور احمد خان نے بھی اپنے انداز میں تبصرہ آرائی کی ہے لیکن بدقسمتی سے نور احمد خان اور خلیق احمد نظامی سمیت ان جیسے تمام مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے سفرنامہ ابن بطوطہ کا اصل متن دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی جس میں خانقاہ، مہمان خانہ یا درسگاہ میں سے کوئی لفظ بھی موجود نہیں ہے۔ ابن بطوطہ نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ حاکم ملتان قطب الملک نے ہمیں ہدایت کی کہ ہم شیخ رکن الدین قریشی کے متعلقین کے ساتھ قیام کریں اور ان کی عادت تھی کہ وہ حاکم کی اجازت کے َغیر کسی کواپنے ہاں مہمان نہیں ٹھہراتے تھے۔ [3]

مورخین ،تذکرہ نگاروں نے درگاہ کے الفاظ نہ جانے کہاں سے لے لئے؟ اور اس کی بنیاد پر سہروردیہ سلسلہ کی خانقاہ معلیٰ کی روحانی آزادی کو معرض خطر میں ڈال دیا اور اسے ایک قسم کا نیم سرکاری ادارہ قرار دے دیا یہ سب کچھ ان مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کی بے احتیاطی اور بے علمی کی وجہ سے

---

[1] ۔ ایضاً اردو ترجمہ رحلۃ ابن بطوطہ، ص ۲۳۔

[2] ۔ تذکرہ حضرت شاہ رکن عالم ملتانؒی، مولوی نور احمد خان فریدی، ص ۲۰۰۔

[3] ۔ رحلۃ ابن بطوطہ، ص ۲۶۹۔

ہوا۔ اگر انہوں نے ابن بطوطہ کے اصل الفاظ یا سفر نامہ ابن بطوطہ کے اردو ترجمہ عجائب الاسفار کو پڑھا ہوتا تو وہ اس مخمصے میں نہ پڑتے۔ اس امر سے معلوم ہوا ہے کہ بنیادی ماخذ اور ہمعصر مؤرخین کی تصانیف کا مطالعہ کس قدر ضروری ہے؟ صرف ان کے تراجم پڑھنے یا غیر مستند تذکرہ کا مطالعہ کرنے سے کام نہیں چل سکتا۔ مؤرخین اور محققین پر لازم ہے کہ وہ کسی بھی مسئلے پر قلم اٹھانے یا کسی بھی واقعہ کو بیان کرنے سے پہلے معاصر مؤرخین کی کتابوں اور سفرناموں کے اصل متن کا مطالعہ کریں۔ معمولی سی بے احتیاطی اور ایک لفظ کے رد وبدل سے نہ صرف پوری عبارت کے معانی کچھ کے کچھ ہو جاتے ہیں بلکہ بعض صورتوں میں پوری کی پوری عبارت گمراہ کن ہو جاتی ہے۔

اب مسئلہ صرف یہ رہ جاتا ہے کہ ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ حاکم کی اجازت کے بغیر کسی مسافر کو اپنے ہاں مہمان نہیں ٹھہراتے تھے تو اس کی وضاحت ہم کئے دیتے ہیں۔

ابن بطوطہ کے بیان کی وضاحت

شیخ رکن الدینؒ کے ہمعصر فرمانروا سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کے ابتدائی چند برسوں میں مغلوں نے یکے بعد دیگرے برعظیم پر چھ زبردست حملے کئے۔ [1]

شیخ نے ان حملوں کی روک تھام میں نمایاں حصہ لیا اور حکومت کی ہر ممکن امداد واعانت کی جس کی تفصیلات زیر مطالعہ کتاب کے باب ''شیخ رکن الدین کا عہد'' کے تحت بیان کی گئی ہیں اور لکھا ہے کہ مغلوں کے یہ حملے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں شروع ہوئے تھے اور حضرت شیخ نے ان حملوں کے سدباب اور دیگر سیاسی ومعاشی اُمور ومسائل کے حل کرنے میں سلاطین دہلی بالخصوص سلطان شمس الدین التمش کی مدد فرمائی تھی اور ایک مرتبہ تو اپنی گرہ سے حملہ آور مغلوں کو ایک خطیر رقم

---

[1] ۔ معاشری و علمی تاریخ ص ۴۲ ڈاکٹر سید معین الحق سلمان اکیڈیمی کراچی۔

دے کر ملتان کو تخت وتاراج ہونے سے بچایا تھا۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے تبحر علمی، روحانی اقتدار اور دینی خدمات کے پیش نظر سلطان التمش نے انہیں شیخ الاسلام کے منصب کی پیشکش کی تھی جو شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے وسیع تر ملی مفاد کے تحت قبول فرمالی تھی۔ اس طرح مشائخ سہرورد اور سلاطین دہلی کے مابین خوشگوار تعلقات کا آغاز ہوا تھا۔ چنانچہ اس امر کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا کہ ہندوستان کے سنگین اندرونی حالات اور بیرونی خطرات کے پیش نظر سلاطین دہلی میں سے کسی سلطان نے مشائخ سہرورد میں سے کسی بزرگ سے یہ درخواست کی ہو کہ وہ اپنے ہاں ٹھہرنے والے مسافروں اور اجنبی افراد کی اطلاع حکومت کو دے دیا کریں یا صرف ان لوگوں کو اپنے پاس ٹھہرایا کریں جن کے بارے میں حکومت نے پوری طرح جانچ پڑتال کر لی ہو۔ تاکہ غیر ملکی تخریب کاروں اور جاسوسوں کی معاندانہ سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھی جا سکے۔ یہ بھی ممکن ہے مشائخ سہرورد اپنے ہاں قیام کرنے والے مسافروں اور اجنبی افراد کی اطلاع ملکی دفاع کے پیش نظر رضاکارانہ طور پر حکومت کو دیا کرتے ہوں جس کو سیاح ابن بطوطہ نے اپنی زبان میں یہ لکھ دیا کہ وہ حاکم کی اجازت کے بغیر کسی کو اپنے ہاں ٹھہرنے نہیں دیتے تھے۔ یہاں اس امر کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں کہ ابن بطوطہ کا متذکرہ بیان صرف حضرت شاہ رکن عالمؒ کے ذاتی مہمانوں یا ان کے متعلقین کے ہاں قیام کرنے والے غیرملکی مسافروں اور اجنبی افراد تک ہی محدود ہے۔ اس کا اطلاق کسی طور پر ملتان کی خانقاہ معلیٰ میں ٹھہرنے والے درویشوں یا مدرسہ بہائیہ کے طالب علموں پر نہیں ہوتا۔

شیخ رکن الدینؒ کے بارے میں ایک زبردست غلط فہمی

شیخ رکن الدینؒ کے بارے میں کتب تذکرہ میں ایک زبردست غلط فہمی بلکہ غلط بیانی پائی جاتی ہے جس کا ازالہ بہت ضروری ہے۔ ہمارا اشارہ شیخ رکن الدینؒ کے خلاف شیخ علم الدین علامہ کے مبینہ دعوی سجادگی اور اس کی مضحکہ خیز اور توہین آمیز بے بنیاد وجوہات کی جانب ہے۔ شیخ علم الدین کے اس

دعویٰ سجادگی اور اس کی وجوہات کو مشائخ سہرورد تذکرہ نویس مولوی نور احمد فریدی نے بالتفصیل بیان کیا ہے۔ تذکرہ نویس موصوف نے یہ تفصیلات شیخ شہاب الدین کے ''تذکرہ حمیدیہ'' سے لی ہیں۔ لیکن انہوں نے اس کا حوالہ نہیں دیا۔ اس طرح مولوی نور احمد فریدی بھی شیخ رکن الدّینؒ کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں اور انہوں نے ایسے حالات وواقعات بیان کئے ہیں جن کی معاصر کتب تاریخ وتذکرہ سے قطعی طور پر تائید نہیں ہوتی اور نہ یہ واقعات قرین از قیاس ہی معلوم ہوتے ہیں بلکہ تاریخ فروز شاہی سیر الاولیاء کے مندرجات سے بالواسطہ اور سفر نامہ ابن بطوطہ کے متن سے بلاواسطہ ان واقعات کی تکذیب وتغلیط پر ہے۔ طہارت وپاکیزگی کے ضمن میں ان کی غیر معمولی احتیاط وپرہیز کے بارے میں علم ہوتا تو متذکرہ روایت سے ہرگزہرگز وہ نتائج اخذ نہ کرتے اور نہ اس سے وہ مطلب ہی مراد لیتے جو ان کی تحریروں سے واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں جو مطلب انہوں نے ظاہر وثابت کرنے کی شعوری اور دانستہ طور پر کوشش کی ہے۔

اگر ان دانشوروں نے شیخ علاء الدینؒ کے بارے میں معاصر مؤرخ برنی اور معاصر سیاح ابن بطوطہ کی متعلقہ تحریروں کا عمیق نظر سے مطالعہ کیا ہوتا تو یہ حضرات نہ صرف ''سیر الاولیاء'' کی متذکرہ روایت کی اصل صورت حال یعنی شیخ علاء الدین اجودھنیؒ کے غسل کرنے اور لباس تبدیل کرنے کی اصل وجوہات کو سمجھ لیتے بلکہ ان کے فکر ونظریات میں وسعت بلندی بھی پیدا ہو جاتی اور وہ چشتی اور سہروردی مشائخ کرام کے مابین موازنہ ومقابلہ کرنے میں اپنا وقت اور ذہنی صلاحیتوں کو ضائع نہ کرتے اور نہ اپنی بے مقصد، بلاجواز تحریروں کے ذریعے اپنے قارئین کو گمراہ اور ان کے ذہن کو پراگندہ کرنے کی مذموم کوشش کرتے۔

اسی طرح اگر مؤلف ''سیر الاولیاء'' امیر خورد کرمانی نے اس روایت کو نقل کرتے وقت شیخ علاء الدین اجودھنیؒ ور حضرت

شاہ رکن عالم ملتانؒی جیسی بلند مرتبت روحانی شخصیات کے محاسن اور مزاج وکردار کو پیش نظر رکھا ہوتا اور مؤرخانہ احتیاط وذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہوتا تووہ بھی اس بے معنی اور بے مقصد روایت کو بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے۔ یا پھر اس روایت کو نقل کرنے کے ساتھ ہی مؤرخ برنی اور سیاح ابن بطوطہ کی طرح اس ضروری امر کی وضاحت بھی کردیتے کہ شیخ علاء الدینؒ زہد واتقاء اور صدق وصفا میں اس درجہ بڑھے ہوئے تھے کہ صوم وصلوٰۃ اور دینی کتب کے مطالعہ کے علاوہ ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ جس کے لئے انہیں ہر وقت پاکیزہ لباس اور باوضو رہنے کی ضرورت تھی۔ علاوہ ازیں وہ اپنے مزاج اور طبع کے اعتبار سے بھی انتہائی صفائی پسند اور طہارت وپاکیزگی کے غیرمعمولی طور پر عادی تھے۔

آخر میں ہم اس امر کی وضاحت کردینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت شاہ رکن عالمؒ جب ملتان سے دارالسلطنت دہلی تشریف لے جاتے اور دہلی سے ملتان واپس تشریف لاتے تو اس سفر میں وہ تنہا نہیں ہوتے تھے۔

قطب الاقطاب شیخ رکن الدین سہروردیؒ اور سیاح ابن بطوطہ

حضرت شاہ رکن عالمؒ کے عہد کا ایک اہم واقعہ سیاح ابوعبد اللہ ابن بطوطہ کی ہندوستان میں آمد ہے۔ ابن بطوطہ کی برعظیم میں آمد کو تاریخی اہمیت ہے اس لئے کہ ابن بطوطہ نے ایک طویل عرصے تک ہندوستان میں قیام کیا۔ اس نے ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے دورے کئے اور یہاں کی اہم دینی، روحانی اور انتظامی شخصیات سے ملاقاتیں کیں۔ ہندوستان کے قیام کے دوران ابن بطوطہ مختلف عہدوں پر فائز رہا۔اسے سلطان محمد بن تغلق کے دربار میں بھی رسائی حاصل رہی۔ حتی کہ سلطان محمد نے اسے چین کی سفارت پر روانہ کیا۔ ابن بطوطہ چین کا

دشوار گذار سفر طے کرکے ہندوستان واپس آیا۔ اور پھر یہاں سے اپنے وطن مراکش چلا گیا۔ جہاں جاکر اس نے اپنا سفر نامہ مرتب کیا۔ سفر نامہ ”رحلۃ ابن بطوطہ“ تحفۃ النظار فی غرائب الامصار وعجائب الاسفار“ کے نام سے مشہور ہے اور اس کے تراجم دنیا کی بہت سی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ جس سے اس کی اہمیت وافادیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

سفر نامہ ابن بطوطہ میں قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ

ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں حضرت شاہ رکن عالؒم کا متعدد مقامات پر ذکر کیا اور ان کی زبانی بعض اہم روایات اور واقعات کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں جو دیگر کتب تاریخ وتذکرہ میں نہیں علاوہ ازیں اس نے کرامت کے طور پر سکندریہ کے ایک بزرگ شیخ برہان الدین اعرؒج کی ایک دلچسپ پیشن گوئی بیان کی ہے جس میں اس بزرگ نے ابن بطوطہ کو ہندوستان اور چین جانے کی بشارت دی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ اس سفر کے دوران اس کی ملاقات حضرت شیخ رکن الدینؒ سے ہوگی چونکہ ہم نے سفر نامہ ابن بطوطہ کے بہت سے متعلقہ اقتباسات اور ان کے مباحث کو اپنی اس کتاب میں پیش اور بیان کیا ہے اور ابن بطوطہ کی تحریروں پر انحصار کیا ہے۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ ابن بطوطہ کا مختصر تعارف کرادیا۔

سیاح ابن بطوطہ کا تعارف

ابن بطوطہ براعظم افریقہ کے اسلامی ملک مراکش کا باشندہ تھا اس کا پورا نام ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم الطبخی المعروف بہ ابن بطوطہ ہے اور اس نے اپنے سفر نامے رحلۃ ابن بطوطہ موسوم بہ ”تحفۃ النظار فی غرائب الامصار وعجائب الاسفار“ کے باعث لازوال شہرت حاصل کی۔ ابن بطوطہ کی ولادت کے بارے میں سفر نامہ ابن بطوطہ کا مقدمہ نگار ابن جزی کاتب السلطان لکھتا ہے کہ:

''اخبرنی ابوعبد اللہ بمدینۃ غرناطہ آن مولدہ بطبخۃ فی یوم الاثنین السابع عشر من رجب الفرد سنۃ ثلاث سبعمائۃ۔''[1]

یعنی ابوعبد اللہ (ابن بطوطہ) نے مجھے شہر غرناطہ میں بتایا کہ اس کی ولادت طبنحہ میں ۱۷ رجب ۷۰۳ھ کو دوشنبہ کے روز ہوئی ہے ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء میں ابن بطوطہ شوق سیاحت کے تحت اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا اور دنیا کے مختلف ملکوں کی سیروسیاحت کرتا ہوا ہندوستان میں وارد ہوا اور ہندوستان میں طویل مرتبہ قیام کیا۔

مؤرخ فرشتہ کے متضاد بیانات کی توجیہہ وتوضیح

تاریخ فرشتہ کی تحریروں میں پایا جانے والا تضاد قابل فہم ہے۔ مؤرخ فرشتہ نے یہ واقعہ ہندوستان کی اہم تاریخ بیان کرتے وقت نہیں بلکہ بزرگان دین کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم کیا ہے۔ شہزادۂ محمد کی مطلقہ بیوی اور حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ سے اس کے نکاح کا مبینہ واقعہ فرشتہ نے اپنی کتاب یعنی تاریخ فرشتہ کے آخری حصے میں اس جگہ یا اس باب میں بیان کیا ہے جہاں اس نے بزرگان دین کے احوال وآثار قلمبند کئے ہیں۔ تاریخ فرشتہ مقدمہ کے علاوہ بارہ حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے گیارہ حصوں میں لاہور، دہلی، دکن، گجرات، مالوہ، خاندیش، بنگال، جونپور، ملتان، سندھ، سمیر اور مالابار کے سلاطین کا تذکرہ ہے اور بارھویں حصے میں برعظیم پاکستان وہند کے صوفیاء کرام کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ شہزادہ محمد سلطان خان شہید کے تعارف اور خصوصیات پر مبنی مذکورہ بالااقتباس تاریخ فرشتہ کے ابتدائی حصوں یعنی مقالہ دوم سے لیا گیا ہے اور اس کی بیوی کی طلاق اور حلالہ کا زیر بحث واقعہ ''تاریخ فرشتہ'' کے بارہویں اور آخری حصے میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے مؤرخ فرشتہ سے یہ تضاد سرزد ہوا۔ اگر وہ مقالہ دوم میں یعنی اپنی کتاب کے ابتدائی حصے میں سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے حالات رقم کرتے ہوئے طلاق وحلالہ والی

---

1 ۔ رحلۃ ابن بطوطہ ص ۱۸ مطبوعہ دار الکتاب اللبنانی بیروت لبنان

متذکرہ روایت کو شامل کتاب کرنا چاہتاتو یقیناً اس کا قلم رک جاتا اور وہ اس غلط اور بے بنیاد روایت کی اصل حقیقت سے آشنا ہو جاتا اور وہ اس روایت کو اپنی کتاب میں شامل کرنے سے اجتناب کرتا۔ اس لئے کہ محمد قاسم فرشتہ ایک بہت محنتی، بالغ نظر اور صاحب شعور مؤرخ ہے۔ اس نے اپنی مشہور کتاب ’’تاریخ فرشتہ‘‘ مرتب کرنے کے لئے کافی تاریخی مواد جمع کیا۔ اہل علم کی تحقیق کے مطابق مؤرخ فرشتہ نے کم وبیش ۳۶ کتب تاریخ وتذکرہ سے استفادہ کیا۔ مؤرخ فرشتہ کا شمار بجاطور پر برعظیم کے معروف اور قابل ذکر مؤرخین میں ہوتا ہے۔

اور اس نے پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد ۱۰۲۰ھ/۱۶۱۱ء میں اپنی تاریخ کو مکمل کیا اور اس کی تحریر وتالیف میں بڑی احتیاط سے کام لیا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ’’تاریخ فرشتہ‘‘ ہر طرح کی اغلاط اور عیوب سے مبرا کتاب ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فرشتہ سے بہت سی غلطیاں اور فروگذاشتیں سرزد ہوگئی ہیں۔ جن کا فرشتہ کو خود بھی احساس تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی کتاب میں جابجا اپنے قارئین سے درخواست کی ہے کہ انہیں جہاں کہیں کوئی غلطی نظر آئے اس کی تصحیح کرلیں۔ اندریں حالات طلاق وحلالہ کی متذکرہ روایت کو بھی ہمیں فرشتہ کی ایسی ہی اغلاط اور فروگذاشتوں میں سے ایک غلطی سمجھنا چاہئے۔ اور فرشتہ کی اپنی درخواست کے مطابق اس کی تصحیح کرلینا چاہئے۔

سلطان قطب الدین کی دعوت پر شیخ کی دہلی آمد

علاء الدین خلجی کے بعد سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے شیخ رکن الدّین کو ملتان سے اس غرض کے تحت بلوایا کہ وہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒء کا مخالف تھا اور ان کے اثر ورسوخ کو کم کرنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ حضرت شاہ رکن عالمؒ حضرت سلطان المشآئخ کے مقابلے میں ایک بارگاہ دہلی میں قائم کریں۔ لیکن شیخ رکن الدین اور سلطان المشائخ اس تپاک ومحبت سے ایک دوسرے سے ملے اور ان کا

سلوک اتنا دوستانہ رہا کہ بادشاہ کے سب منصوبے خاک میں مل گئے۔ [1]

ہرچند کہ سلطان قطب الدین زندگی بھر حضرت شاہ رکن عالَمؒ کا ادب واحترام کرتا رہا لیکن چونکہ وہ حضرت شیخ کے رویے سے اندازہ کر چکا تھا کہ وہ ان کے ذریعے اپنے ناپاک مقاصد کو حاصل نہیں کرسکتا۔ اس لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ دوسری بارحضرت شاہ رکن عالَمؒ کو دہلی آنے کی دعوت دیتا۔

ہر چند کہ سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے اپنی حکومت کے پہلے ہی برس میں شیخ رکن الدین ملتانیؒ کو دہلی آنے کی دعوت دی تھی۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت شیخ سلطان کی دعوت پر اس کی حکومت کے پہلے برس کے آخیر یا دوسرے برس کے اوائل میں دہلی تشریف لے گئے تھے تو قرین از قیاس امر یہ ہے کہ حضرت شیخ سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے دور حکومت میں ایک بار دوبارہ دہلی تشریف لے گئے تھے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے اس معاندانہ رویے پر روشنی ڈالی جائے جو سلطان نے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خلاف اختیار کر رکھا تھا۔

سلطان کی حضرت محبوب الٰہیؒ سے عداوت

سلطان قطب الدین مبارک شاہ کو جب نمک حرام اور بدباطن وبدکار خسروخان نے قتل کیااس وقت بھی حضرت شیخ دہلی میں موجود تھے۔ حضرت قطب الاقطابؒ کے دہلی کے اس دورے کے دوران سلطان قطب الدین مبارک شاہ کی حضرت سلطان المشائخ کے خلاف عداوت ودشمنی اپنے نقطہ عروج پر پہنچ چکی تھی۔ دراصل سلطان قطب الدین شہزادگی کے زمانے ہی

---

[1] ۔ شیخ محمد اکرام آب کوثر، ص ۲۶۳۔ نیز آئین اکبری حصہ دوم کے صفحہ ۲۰۹ پر ابوالفضل کے یہ الفاظ ملتے ہیں: ’’شیخ را از ملتان طلب داشت کہ درہنگامہ او شکستے رود۔‘‘

سے حضرت محبوب الٰہیؒ کا مخالف چلا آرہا تھا۔ کیونکہ اس کے دو بھائی یعنی خضرخان اور شادی خان حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرید تھے اور باقاعدہ ان کی بارگاہ میں حاضری دیا کرتے تھے۔ سلطان قطب الدین جو خسروخان کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بن کررہ گیا۔

والد بزرگوار اور دادا حضور کا ادب واحترام

شاہ جلولہ بچپن میں اپنے والد بزرگوار شیخ صدر الدین عارفؒ اور اپنے دادا حضور حضرت بہاء الدین زکریا ملتانؒی کا اس درجہ ادب واحترام کرتے تھے۔ کہ نہ تو ان کی موجودگی میں اونچی آواز میں گفتگو کرتے تھے اور نہ انہوں نے کبھی اپنے بزرگوں سے آنکھیں چار کیں۔ غرض یہ کہ ان کے ادب واحترام کی لوگ مثال دیا کرتے تھے اور وہ فی الحقیقت باادب بامراد کی عملی تعمیر وتعبیر ثابت ہوئے۔

معروف وممتاز تذکرہ نگاروں اور نامور مؤرخین نے شیخ رکن الدّین کی نوعمری کے بعض ایسے ناقابل فراموش واقعات بھی قلمبند کئے ہیں جن سے جہاں شیخ رکن الدّین کی خداداد ذہانت، زبردست قوت حافظہ، غیر معمولی فکری استعداد اور ان کے اوصاف حمیدہ کا پتہ چلتا ہے وہاں ان کے والد گرامی قدر شیخ صدر الدین عارفؒ کے علمی کمالات اور ان کے روحانی مرتبہ ومقام پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

مشہور تذکرہ نگار غوثی مانڈوی رقمطراز ہیں کہ :

’’شیخ صدر الدین کتابی اور کشفی دونوں قسم کے علم جانتے تھے اور ان سے کئی اچھی اچھی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ ایک روز خورد سالی میں ان کے فرزند ارجمند شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ کا دل صحرائی ہرن کے بچے کی طرف مائل ہوا تو بچوں کی طرح رونے لگے۔ صدر الاولیاء نے گریبان کی طرف سرجھکایا اور مراقبہ میں مستغرق ہوئے۔ ان کی قوت کشش سے ہرنی مع بچے کے خانقاہ میں کھینچی چلی آئی۔ بالآخر

وہ ہرنی کا بچہ رکن الاولیاء سے مانوس ہوگیا تھا اور ان کے ساتھ ساتھ پھرا کرتا تھا۔‘‘[1]

مولانا جمالی کی یادگار تصنیف ’’سیر العارفین‘‘ میں بھی اس واقعہ کی تفصیلات ملتی ہیں۔

شیخ رکن الدینؒ کے بارے میں مذکورہ بالاجملے سے صاف ظاہر ہے کہ وہ گاؤں گاؤں اور بستی بستی جاکر خلق خدا کو راہ راست پر لاتے تھے جس کا مطلب یقیناً یہ ہے کہ وہ عام گناہگار لوگوں کے علاوہ ان بھٹکے ہوئے مسلمانوں کو از سر نو صراط مستقیم پر گامزن فرماتے۔ جو قرامطی، باطنی اور اسماعیلی مبلغین کے باطل افکار اور فاسد عقائد کے تحت گمراہ ہو چکے تھے۔

شیخ رکن الدین η کی رابطہ عوام ومہم

شیخ رکن الدینؒ اپنے دورۂ سندھ کے دوران مقامی بزرگان سے ملاقاتیں کرتے ان سے یہ تاثر بھی قائم ہوتا ہے کہ ان بزرگان دین اور اہل اللہ سے رابطہ کرکے وہ نہ صرف علاقائی احوال ومسائل سے آگاہی حاصل کرتے تھے۔ بلکہ ان اہل اللہ کے ذریعے قرامطہ کے اثرات اور غیراسلامی افکار ورحجانات کے انسداد وسدباب کی تدابیر بھی فرماتے تھے اور ان نیک مقاصد کے حصول میں انہیں مقامی بزرگان دین کی تائید وحمایت اور اشتراک وتعاون بھی حاصل تھا۔ ان تبلیغی دوروں کو شیخ سہروردیؒ کی رابطہ عوام مہم قرار دیا جاسکتا ہے۔

شیخ رکن الدینؒ کے تبلیغی دوروں کے مثبت نتائج

شیخ رکن الدّینؒ کا حضرت مخدوم لال شہبازؒ کو تبلیغی دوروں میں اپنے ساتھ رکھنا اس امر کا بین ثبوت ہے کہ شیخ رکن الدینؒ بھی اسی نوع کے مفید ومؤثر اور نتیجہ خیز تبلیغی وفود کا اہتمام کرتے تھے۔ شیخ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ جس فہم کے تبلیغی وفود

---

[1] ۔ محمد غوثی شطاری مانڈوی ، گلزار ابرار (اردو)، ص ۸۰-۷۹۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۳۹۵ء۔

کی قیادت فرمایا کرتے تھے۔ ملتان اور سندھ کے علاقوں کو قرامطہ کے اثرات اور باطل افکار ورحجانات سے پاک وصاف کرکے وہاں کے لوگوں کو راسخ العقیدہ مسلمان بنانا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ شیخ رکن الدینؒ کے ان تبلیغی دوروں کے مفید، مثبت اور دور رس اثرات ونتائج برآمد ہوئے۔ شیخ رکن الدینؒ کے سندھ کے ان تبلیغی دوروں سے یہ بھی معلوم ہوتاہے کہ وہ سندھ میں آباد اپنے والد ماجد شیخ صدر الدین عارفؒ اور اپنے دادا بزرگوار شیخ رکن الدین سہروردیؒ کے خلیفہ اکبر مخدوم جہانیاں جہانگشت رحمۃ اللہ علیہ کی دینی وتبلیغی خدمات کو شیخ محمد اکرام نے اس ایک جملے میں سمیٹا:

’’حضرت مخدوم کا فیض ہندوستان کے سب علاقوں میں پھیلا ہوا تھا۔‘‘[1]

شیخ محمد اکرام کے اس جملے سے حضرت مخدوم کی شخصیت ان کے روحانی مرتبہ ومقام اور ان کے حلقہ اثر کی وسعتوں کا بخوبی انداز کیا جاسکتا ہے حضرت مخدوم کا تذکرہ ہم پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں۔

سید جلال الدین حسین بخاری مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ نے ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ھ بمطابق ۲ فروری ۱۳۸۴ء کووفات پائی ۔ ان کا مزار مبارک اوچ شریف میں ہے۔ تاریخ شیراز ہند جونپور کے مؤلف سید اقبال احمد نے لکھا ہے کہ حضرت مخدوم کا مقبرہ قنوج میں ہے، قنوج میں محلہ سکھانہ کے اندر ایک مسجد اور مقبرہ مخدوم سید جلال الدین جہانیاںؒ کا ہے۔ مسجد کے تین برج اور پیشانی پر لفظ ’’اللہ‘‘ کندہ ہے۔ مقبرہ کی عمارت ۳۵ گز مربع میں ہے۔ مسجد ومقبرہ گرد پختہ چار دیواری ہے۔ اس کے کونوں پر چار برج اور دکھن کی جانب دروازہ ہے۔[2]
اس عمارت کے بارے میں جنرل کنگھم نے اپنی سروے رپورٹ میں لکھا ہے کہ یہ عمارت ۸۸۰ھ/۱۴۷۴ء میں تعمیر ہوئی۔ [3]

---

[1] ۔ آب کوثر ص ۲۸۴۔
[2] ۔ تاریخ شیراز ہند جونپور ص ۳۳۸۔
[3] ۔ ایضاً بحوالہ غابت نگار ۱۴۶ ۔ تجلیات العارفین قلمی۔

سید اقبال احمد کا مذکورہ بیان درست نہیں ہے۔ جس عمارت کو انہوں نے مخدوم جہانیاں کا مقبرہ قرار دیا ہے اس عمارت میں حضرت مخدوم نے چلہ کیا تھا۔ جہانیاں جہانگشت کا مزار جیسا کہ پہلے بیا کیا گیا ہے اوچ شریف میں ہے۔

مخدوم جہانیاں جہانگشت رحمۃ اللہ علیہ کا مقبرہ

حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اپنے مولد یعنی اوچ شریف میں وفات پائی اور وہیں انہیں دفن کیا گیا۔ جب ان کے پوتے فضل الدین بن ناصر الدین ان کے سجادہ نشین ہوئے تو اسی زمانے میں غازی خان نے حضرت مخدوم جہانیاںؒ کا مقبرہ تعمیر کرایا۔ اس کا سن تعمیر ۷۵۷ھ/۱۴۵۲ء حضرت مخدوم کا مزار ایک دالان میں ہے وہاں اور قبریں بھی ہیں۔ [1]

شیخ رکن الدینؒ اور خواجہ نظام الدّین کا تعلق خاطر

حضرت شیخ رکن الدینؒ اور حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ ایک دوسرے کا حدر درجہ ادب واحترام کرتے تھے اور ان کے مابین گہرے دوستانہ اور برادرانہ روابط قائم واستوار تھے۔ ان کے تعلقات کی استواری وپختگی کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ دونوں بزگ غائبانہ طور پر بھی ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم اور مرتبہ ومقام میں کوئی فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک خراسانی عالم نے حضرت محبوب الٰہیؒ سے کہا کہ میں آپ کے پاس آتا ہوں تو آپ ہر بار مجھ کوکچھ نہ کچھ کھلاتے ہیں۔ لیکن شیخ رکن الدینؒ کے پاس کئی بار گیا ہوں۔ انہوں نے مجھ کو کوئی چیز نہیں کھلائی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے جواب دیا کہ میں اس حدیث پر عمل کرتا ہوں:

”من زار حیا ولم یذق منہ شیئا فکانما زار میتا“۔

---

[1] ۔ خاکسار مصنف حبیب سبحانی کو فروری ۱۹۸۵ء اوچ شریف میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے مرقد پر حاضر ہونے اور فاتحہ پڑھنے کاشرف حاصل ہوا ہے۔ مقبرے کی عمارت پر جو اشعار لکھے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ خانقاہ کی مرمت ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء حامد محمد نوربہار خامس کے زمانے میں ہوئی۔ جب خاکسار مصنف نے وہاں حاضری دی ۔

یعنی جو شخص زندہ کی زیارت کرے اور اس کے یہاں کچھ نہ چکھے تو گویااس نے مردے کی زیارت کی۔ خراسانی عالم نے پوچھا۔ کیا شیخ رکن الدینؒ تک یہ حدیث نہیں پہنچی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا۔ شیخ رکن الدینؒ عمل معنوی کرتے ہیں اور وہ ذوق روحانی چکھاتے ہیں۔ خراسانی عالم نے کسی موقع پر شیخ رکن الدینؒ سے یہ عرض کیا کہ حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ رکن الدینؒ ذوق روحانی دیتے ہیں اور میں ذوق جسمانی دیتا ہوں۔ شیخ نے فرمایا۔ برادرم نظام نے تواضع کی ہے۔ ان میں دونوں وصف ہیں۔ وہ ذوق روحانی بھی عطا کرتے ہیں اور ذوق جسمانی بھی۔[1]

حضرت محبوب الٰہیؒ سے شیخ کی محبت وعقیدت

حضرت محبوب الٰہیؒ سے شیخ رکن الدّین کی محبت وعقیدت کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے محبوب خلیفہ شیخ وجیہ الدین عثمان سیاح سنامی کو حضرت محبوب الٰہیؒ کی قربت کی خاطر دہلی میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ شیخ عثمانؒ دہلی میں حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر رہے اور انہوں نے وہیں وفات پائی۔ ان کا مزار مبارک بھی دہلی ہی میں ہے۔

ععع

بِسْمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيْمِ

---

[1] ۔ الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظ المخدوم یعنی ملفوظات حضرت جہانیاں جہانگشتؒ اردو ترجمہ انصاری
دہلی ص ۲۸۔

شاہ رکن عالم ملتانی η کی حیات اور تعلیمات پر تصنیفات کے بنیادی ماخذ اور ثانوی مصادر ومراجع

صحیفہ انقلاب اُم الکتاب قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کی کتب معتمدہ کے علاوہ صوفیاء کرام ائمہ دین، فقہاء، محدثین، مؤرخین، تذکرہ نگاروں، مستشرقین اور دانشوروں کی مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

کتابیات

الف

- ابن اثیر — تاریخ الکامل التواریخ
- ابن جوزی — تلبیس ابلیس
- ابن حجر عسقلانی — تہذیب التہذیب
- ابن خلدون — مقدمہ ابن خلدون
- ابن طفیل — یحییٰ بن یقطان
- ابن طقطقی — الفخری
- ابن قیم — کتاب الروح
- ابوالاعلی مودودی — اسلامی نظام زندگی
- ایضاً — تجدید واحیائے دین
- ایضاً — رسائل ومسائل
- ابوالفتح شاہ رکن عالمؒ — ملفوظات خطی
- ایضاً — وصایا وملفوظات
- ابوالقاسم قشیریؒ — رسالہ قشیریہ
- ابوزکریا محی الدین نوویؒ — بستان العارفین
- ابوزہرہ مصری — آثار امام محمد وابویوسف
- ایضاً — حیات امام ابوحنیفہ
- ایضاً — حیات امام احمد بن حنبل
- ایضاً — حیات امام مالکؒ
- ایضاً — آثار امام شافعیؒ
- ایضاً — مذاہب اسلامیہ
- ایضاً — حیات امام ابن تیمیہ
- ابوزید الحسن سراف — سلسلہ التواریخ

- ابوعبد الرحمن السلمیؒ طبقات صوفیہ
- ابونصر سراجؒ کتاب اللمح
- احمد یحییٰ بلا ذری فتوح البلدان
- احمد عروج قادر ی اسلامی تصوف
- احمد شبلی ڈاکٹر مسلمانوں کا نظام تعلیم
- احمد واسطی شیؒخ فقر محمدی
- اشرف جہانگیری سمنانیؒ لطائف اشرفی
- اشرف علی تھانوی التکشف
- ایضاً اصلاح الرسوم
- ایضاً جمال الاولیاء
- اشتیاق حسین قریشی براعظم پاک وہند کی ملت اسلامیہ
- اظہر امرتسری خونیں تحریکیں
- اعجاز الحق قدوسی تذکرہ صوفیاء پنجاب
- ایضاً تذکرہ صوفیاء سرحد
- ایضاً تذکرہ صوفیاء سندھ
- افضال حسین قادری ڈاکٹر اسلام اور سائنس
- اکبر شاہ نجیب آبادی تاریخ اسلام
- ایضاً ملت اسلامیہ کے زوال کی داستان
- البیرونی کتاب الہند
- امان اللہ خاں سرحدی عرس اور میلے
- امین احسن اصلاحی تزکیۂ نفس
- ایضاً دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات
- امیر حسینی سید طرب المجالس
- ایضاً کنزالرموز
- ایضاً نزہت الارواح
- انعام الحق کوثر ڈاکٹر تذکرہ صوفیاء بلوچستان
- انوار الحسن امام غزالی کے تعلیمی نظریات
- اولاد علی گیلانی سید مرقع ملتان
- ایضاً اولیاء ملتان

ب

- بشارت احمد ڈاکٹر الوحوج
- ایضاً مجدد اعظم

- بشیر احمد ڈار — انوار اقبال
- ایضاً — تاریخ تصوف
- بشیر مخفی صاحبزادہ — اقبال کا نظریہ تصوف
- بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ — کتاب الاوراد (قلمی نسخہ)
- ایضاً — خلاصۃ العارفین

ج

- جلال الدین تھانسیری — تحقیق اراضی ہند
- جمال الدین ابوبکر — تذکرہ قطبیہ
- جمال اللہ بن جیون — مناقب موسوی
- جمال دہلوی — سیر العارفین
- جہانیاں جہاں گشت مخدومؒ — جامع العلوم
- ایضاً — سراج الہدایہ
- جہانگیر نورالدین — تزک جہانگیری

ح

- حافظ شیرازیؒ — دیوان حافظ
- حامد گنج بخش — مناقب الولایت
- حبیب الرحمن شیروانی — علماء سلف
- حسن ابراہیم حسن ڈاکٹر — مشاہیر اسلام
- حسن نظامی خواجہ — فاطمی دعوت اسلام
- خانی خان نظام الملک — منتخب اللباب
- خلیق احمد نظامی — سلاطین دھلی کے مذہبی رحجانات

د

- داراشکوہ — سفینۃ الاولیاء
- ایضاً — سکینۃ الاولیاء

ر

- رحمان علی — تذکرہ علماء ہند
- رستم علی — تاریخ ہندی
- رضا زادہ شفق ڈاکٹر — تاریخ ادبیات ایران

- شاہ محدث رفیع الدین انوار القلوب
- رکن الدین نظامی تاریخ اولیاء صوبہ دہلی
- رکن الدین خواجہ رسالہ غریب
- ایضاً شمائل الاتقیاء
- رئیس احمد جعفری انوار الاولیاء
- ایضاً تاریخ تصوف اسلام
- رئیس احمد جعفری تاریخ معتزلہ
- ایضاً سفر نامہ ابن بطوطہ
- ایضاً کاروان اسلام

س

- سبحان رائے بٹالوی خلاصۃ التواریخ
- سخاوت مرزا تذکرہ مخدوم جہانیاں
- سرسید احمد خان آثار الصنادید
- سرسید احمد خان آثار الصنادید
- سکندر بن قابوس قابوس نامہ
- سلیمان ندوی سید مقالات سلیمان مرتبہ صباح الدین شینہ
- ایضاً مقالات سلیمان مرتبہ شاہ معین ندوی
- ایضاً خطبات مدارس

ش

- شاہ ابوالمعالیؒ تحفۃ القادری
- شاہ محمد غوثؒ رسالہ سلوک ومعرفت
- شاہ ولی اللہمحدث دہلویؒ القول الجمیل
- ایضاً اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ
- ایضاً حجۃ اللہ البالغہ
- ایضاً سید المرسلین
- ایضاً لمعات
- شبلی نعمانی الغزالی
- ایضاً امام اعظم
- ایضاً اورنگزیب عالمگیر

- ایضاً　اسلام کی عالمگیر خدمات
- ایضاً　مولوی روم
- ایضاً　شعر العجم
- ایضاً　مقالات شبلی
- شرف الدین قریشی　جامع الکرامات
- شمس سراج عفیف　تاریخ فیروز شاہی
- شمیم زیدی　احوال وآثار حضرت بہاؤ الدین زکریا
- شورش کاشمیری　فیضان اقبال
- شہاب الدین سہرورردیؒ　عوارف المعارف
- شہر اللہ ملتانی　تذکرہ حمیدہ
- شیر محمد صوفی　فقیری کیا ہے

ص

- صباح الدین عبد الرحمان　تذکرہ اولیاء کرام
- صبیح الدین بقائی ڈاکٹر　عمرانیات کیا ہے
- صدر الدین اصلاحیؒ　فریضہ اقامت الدین
- ایضاً　معارف القرآن
- ایضاً　دین کاقرآنی تصور
- ایضاً　صدر الدین
- صدر الدین عارفؒ　کنوز الفوائد (ملفوظات)
- صدیق حسن خان نواب　اتحاف النبلاد

ض

- ضیاء الدین ابونجیبؒ　آداب المریدین
- ضیاء الدین برنیؒ　تاریخ فیروز شاہی
- ضیاء الدین بخشیؒ　سلک السلوک
- ظہور الدین شارب ڈاکٹر　دلی کے بائیس خواجہ
- طہٰ حسین ڈاکٹر　اسلام منزل بہ منزل

ع

- عارف رضوی　سائنس فکر میں مسلمانوں کا حصہ
- عبد الحق محدث دہلویؒ　اخبار الاخیار

- ایضاً مدارج النبوت
- ایضاً زبدۃ الآثار
- عبد الحیئ جان خواجہؒ مقصد تصوف
- عبد الحیئ حسنی ؒسید نزہتہ الخواطر
- عبد الرحمن جامیؒ مولانا لوائح
- عبدالرحمن جامیؒ مولانا نفحات الانس
- عبدالرحمن خان منشی آئینہ ملتان
- عبد الرحمن شوق سوانح خواجہ معین الدین اجمیری
- عبد الرحمن صفوری نزہۃ المجالس
- عبد الباری ندوی تجدید تصوف وسلوک
- ایضاً تجدید تعلیم وتبلیغ
- ایضاً تجدید دین کامل
- عبد السلام ندوی اسوئہ حسنہ صحابہ
- عبدالرحیم کلاچوری مکتوبات امام ربانی مع سوانح
- عبدالحکیم خلیفہ ڈاکٹر حکمت رومی
- ایضاً فکر اقبال
- عبدالعزیز محدث دہلوی کمالات عزیزی
- عبدالغنی شاہ پروفیسر قرآنی تصور اور اقبال
- ایضاً قرآنی تصوف اور اقبال
- عبدالغنی سید وارثی طبقات الاولیاء
- عبدالفتاح مفتاح العارفین (قلمی نسخہ)
- عبدالقادر بدایونی ملا منتخب التواریخ
- عبدالقادر شمشموی حدیقۃ الاولیاء
- عبدالقادر جیلاؒنی شیخ الشیوخ الفتح الربانی
- ایضاً فتوح الغیب
- ایضاً غنیۃ الطالبین
- عبدالقیوم ندوی یورپ اور اسلام
- عبدالماجد دریاآبادی اسلام اور رواداری
- ایضاً کائنات میں انسان کا مقام

- عبدالمجید سالک ذکر اقبال
- ایضاً مسلم ثقافت ہندوستان میں
- عبدالواحد بلگرامی سبع سنابل
- عبد الواحد سندھی اسلام کیسے شروع ہوا
- ایضاً اسلام کیسے پھیلا
- عبدالوہاب شعرانیؒ علامہ طبقات الکبری
- ایضاً میزان الکبری
- عبد اﷲ بن ابوبکرؒ البیدروس الکبریت الاحمر
- عبد اﷲ خویشگی قصوری معارج الولایت
- عبید اللہ سندھی مولانا شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی زندگی
- عصامی فتوح السلاطین
- علی بلگرامی سید تمدن العرب
- ایضاً تمدن ہند
- علی حسن عبد القادر ڈاکٹر جنید بغداد
- علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب
- عین الدین بیجا پوری تذکرۃ الاولیاء
- عین الملک ملتانی ترسیلات عین المکی

غ

- غزالیؒ امام کیمیائے سعادت
- غلام جیلانی برق اسلام اور عصررواں
- ایضاً جہاں نو
- ایضاً یورپ پر اسلام کے احسان
- غلام حسین طباطبائی سیرالمتاخرین
- غلام دستگیر رشید اسلامی تقاریب
- غلام دستگیر نامی تاریخ جلیلہ
- غلام قادر فصیح تاریخ اسلام
- غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیاء
- ایضاً حدیقۃ الاولیاء
- غوث علی شاہ قلندرؒ تذکرہ غوثیہ (ملفوظات)
- غوث منڈویؒ اذکار الابرار

ف

- فخر الدین عراقیؒ لمحات
- فضل النابن ایوب فتاویٰ صوفیہ
- فرح بخش فرحت اذکار قلندری
- فرید الدین عطارؒ تذکرۃ الاولیاء
- ایضاً منطق الطیر
- فرید الدین گنج شکرؒ سیر الاولیاء (ملفوظات)
- ایضاً راحت القلوب (ملفوظات)
- فیروز شاہ تغلق فتوحات فیروز شاہی

ک

- کرم الٰہی بدر تاریخ ملتان

ل

- لطیف ملک اولیائے لاہور

م

- مبارک خرد میرؒ سیر الاولیاء
- محبت خان نواب اخبار محبت
- محسن فانی دبستان مذاہب
- محمد اسماعیل پانی پتی تاریخ اشاعت اسلام
- محمد اعظم تاریخ کشمیر اعظمی
- محمد اقبال ڈاکٹر تاریخ ساسانیاں
- محمد اکرام شیخ آب کوثر
- ایضاً موج کوثر
- ایضاً ثقافت پاکستان
- محمد الیاس فارانی برصغیر میں مسلم قومیت کے تصور کا ارتقاء
- محمد امیر شاہ قادری تذکرہ علماء ومشائخ سرحد
- محمد ایوب قادری مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ
- محمد حسین آزاد نگارستان فارس
- محمد حفیظ اللہ سلاطین ہند کی علم پروری
- محمد دین فوق تاریخ حریت اسلام
- محمد رفیع الدین ڈاکٹر قرآن اور علم جدید
- محمد شریف حنفی مجلس السلاطین

- محمد شفیع پروفیسر شیخ الکبیر بہاء الدین زکریا ؒ(مقالہ)
- محمد صالح کمبوہ عمل صالح
- محمد قاسم فرشتہ تاریخ فرشتہ
- ایضاً تذکرہ مشائخ کرام
- محمد عاقل تحفۃ المسلمین (قلمی نسخہ)
- محمد عبدہ صحاح ستہ اور ان کے مولفین
- محمد علی بن حامد کوفی منہاج المسالک
- محمد علی خان انصاری
- سعودی التببیہ والاشرف
- ایضاً فنون المعارف
- ایضاً مد وجزر ذہاب
- مراد شاہ لاہوری نامہ مراد
- مظہر الدین صدیقی مرزا اسلام اور مذاہب عالم
- ایضاً اسلام کا نظریہ اخلاق
- ایضاً دین فطرت
- معین الحق سید ڈاکٹر تاریخ قدیم وسلطنت دہلی
- مناظر احسن گیلانی تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہؒ
- ایضاً اسلام اور شارع اسلام
- ایضاً فلسفہ عجم
- منظور احمد نعمانی اسلام کیا ہے
- منہاج السراج طبقات ناصری
- مولانا رومیؒ مثنوی مولوی
- میر معصوم تاریخ سندھ

ن

- نور احمد خان فریدی تذکرہ شیخ بہاؤ الدینؒ
- ایضاً تذکرہ شیخ صدر الدین عارفؒ
- ایضاً تذکرہ شیخ رکن الدین عالمؒ
- نور الحق مولوی زبدۃ التواریخ
- نظام الدین اولیاءؒ فوائد الفواد (ملفوظات)
- ایضاً افضل الفواد (ملفوظات)
- نظام الدین مؤرخ طبقات اکبری

- نظام الملک طوسی سیاست نامہ

و

- ولی الدین میر ڈاکٹر ملا کا فلسفہ مع احکام وآداب

ی

- یافعی یمنیؒ نزہۃ الساتین
- یوسف سلیم چشتی تاریخ تصوف
- یوسف بٹائی جامع کرامات اولیاء

انوار اصفیاء ادارہ تصنیف وتالیف شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
نیا تذکرۃ اولیاء ادارہ تصنیف وتالیف شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
تذکرہ ملتان مملوکہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور
تاریخ ملتان مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لاہور (قلمی نسخہ)
تاریخ ادبیات مسلمانان پاک وہند مطبوعہ شعبہ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور
دائرہ معارف اسلامیہ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

غلام حبیب سبحانی
جز وقتی محقق مرکز معارف اولیاء محکمہ اوقاف ، لاہور، پنجاب

٭٭٭